عن ابن مسعود رض قال من کان مستناً فلیستن بمن قد مات فان الحی لا تؤمن علیه الفتنة الحدیث رواه رزین

چوں استنان بسنن سابقین + که دال ست بر اثر مذکور منقول از صحابی اوثق الصادقین
موقوف ست بر تدوین سیر این جماعت عاشقین + خواه از سلف باشند خواه از لاحقین
لعموم العلة لهما وان کانت الصحابة المذکورون فی آخر الحدیث فیهم من اللاحقین + و رساله

امیر الروایات

فی

حبیب الحکایات

مع حاشیه

شریف الدرایات

که روایت کرده شده ست از ثقات الناطقین + حاکی بود از احوال و اقوال طائفه خاصه
از صادقین + فی دین الله احسن الخالقین + رفقاً بالطالبین الموافقین — و وفاقاً
للراغبین المرافقین + باهتمام محمد عثمان المفتقر الی ربه خیر الرازقین
در محبوب المطابع طبع گردید و از کتب خانه اشرفیه دریبه کلاں دهلی شائع نموده شد

ـه و لفظ اولئک اصحاب محمد صلی الله علیه وسلم

فہرست مضامین امیر الروایات
فی جبیب الحکایات

تمت

تمہید شریف الدرایات یعنی حواشی امیرالروایات فی حبیب الحکایات

بعد الحمد والصلوۃ یہ احقر بخدمت شائقین ومحبین تذکرہ بزرگان سلسلہ ولی اللہیہ عرض رسا ہے کہ اپنی سب جماعت کو معلوم ہے کہ جناب امیر شاہ خانصاحب متوطن خورجہ و مقیم میرٹھ و ضلع علیگڈھ مرحوم ومغفور کو خدا تعالےٰ نے اس موضوع کے متعلق چند نعمتوں کا جامع بنایا تھا (۱) اپنے سلسلہ کے متعدد اکابر کی خدمت وصحبت (۲) ان سب حضرات کی نظر مین مقبولیت ومحبوبیت (۳) اون حضرات کے اقوال وافعال سے استفادہ کا اہتمام (۴) اون فوائد کے تبلیغ کا شوق ورغبت (۵) قوۃ حافظہ واحتیاط فی الروایۃ والتزام سند چنانچہ اون مرحوم ومغفور کا کوئی جلسہ اس تذکرہ سے کم خالی ہوتا ہوگا۔ احقر کو ان روایات کا نافع ہونا دیکھکر بارہا قلب مین تقاضا ہوا کہ اگر یہ جمع ہو جاوین تو اہل دین کو عموماً اور اپنے سلسلہ والون کو خصوصاً مفید نفع ہو مگر اسکی کوئی صورت نہ بنتی تھی اتفاق سے میرے خالص ومخلص دوست مولوی حبیب احمد صاحب کرانوی کو مدرسہ میرٹھ کی مدرسی کے ذریعہ خانصاحب مرحوم کے ساتھ یکجائی کا موقع ملا اس موقع کو احقر نے غنیمت سمجھکر مولوی صاحب موصوف سے اس جمع کی درخواست کی اور خدا تعالی انکو جزائے خیر دے کہ اونہون نے اسکو منظور کیا گو بوجہ زیادہ وقت نہ مل سکنے کے زیادہ ذخیرہ جمع نہین ہوسکا مگر جقدر بھی ہوسکا بقول حضرت رومیؒ ؎

آب جیحون را اگر نتوان کشید ٭ ہم زقدر تشنگی نتوان برید

اوسی کو مغتنم سمجھا گیا پھر خانصاحب مرحوم کے وفات ہوجانے سے اور اسلئے اضافہ کی امید قطع ہوجانے سے اس رسالہ کو ختم سمجھکر یہ جی چاہا کہ اگر اسکی اشاعت کی کوئی صورت ہو جاوے تو اسکے ضروری ضروری مقامات پر کچھ حواشی لکھدیئے جاوین چنانچہ بفضلہ تعالےٰ اب اسکا وقت بھی آگیا سو وہ رسالہ مع حواشی حاضر ہے مین نے رسالہ کا نام برعایت اسماء راوی ومروی عنہ **امیرالروایات فی حبیب الحکایات** اور حواشی کا نام برعایت اپنے نام کے مادہ کے اور اون کے [illegible] تمہید شریف الدرایات رکھدیا اللہ تعالی اوسکو نافع فرماوے۔ والسلام۔

کتبہ اشرف علی عفی عنہ وسط ۱۳۴۳ھ

تمہید رسالہ امیر الروایات فی حبیب الحکایات بصورت خط از مولوی حبیب احمد صاحب مؤلف رسالہ بنام احقر اشرف علی

مجدد الملۃ والدین فاضت انہار فیوضہم۔ جناب خانصاحب سے معلوم ہوا کہ جناب سامی کا خیال تھا۔ کہ جناب خانصاحب کو جو اپنے بزرگون کے واقعات و ملفوظات وغیرہ یاد ہین وہ اگر جمع ہوجائین۔ تو اچھا ہے۔ بنا برین احقر نے ارادہ کیا ہے کہ جو جو باتین جناب قبلہ خانصاحب سے سنون انکو متفرق طور پر قلمبند کر کے خدمت سامی مین ارسال کرتا رہون مجتمع ہوجانے کے بعد پھر ترتیب مناسب سے انکو مرتب کر لیا جاوے وباللہ التوفیق۔

حاشیہ مسمی بہ تشریف الدرایات (نوٹ) سہولت کے لئے یہ صورت اختیار کی گئی کہ بدون اسکے کہ ترتیب مین کوئی تصرف کیا جاوے ہر حکایت کے بعد اوسکے نمبر کا حوالہ دیکر حاشیہ متن ہی مین لکھا جاوے گا اور اوسکے شروع مین لفظ حاشیہ (جس سے مراد یہی حاشیہ تشریف الدرایات ہوگا) اور اسکے ختم پر لفظ شت جو رمز ہے حاشیہ کے نام کا لکھا جاویگا وباللہ التوفیق۔

ملفوظات جناب خانصاحب قبلہ بصورت حکایات

(۱) خانصاحب نے فرمایا کہ مجھ سے حافظ عطاء اللہ صاحب مرحوم کرانوی بیان فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ مین حضرت گنگوہی قدس سرہ کے یہان حاضر تھا۔ اور جناب مولوی اشرف علی صاحب بھی اس زمانہ مین گنگوہ تشریف لائے ہوئے تھے۔ مولانا کا ایک مقام پر وعظ ہو رہا تھا مگر مجھے اس کا علم نہ ہوا تھا اس لئے مین اوس مین شریک نہ ہوا تھا اور حضرت گنگوہی قدس سرہ کی خدمت مین بیٹھا رہا تھا اور آپ (یعنی خانصاحب) بھی حضرت کی خدمت مین موجود تھے اسپر حضرت قدس سرہ نے حاضرین سے غصہ ہو کر فرمایا کہ یہان کیون بیٹھے ہو ایک عالم ربانی وعظ کہہ رہا ہے اوسکے وعظ مین جاؤ میرے پاس کیا رکھا ہے۔

حاشیہ حکایت (۱) قولہ عالم ربانی اقول ۱؎ ادائے حق محبت عنایتیست زدوست!

وگرنہ عاشق مسکین بہیچ خورسندست (رشت)

(۴) خانصاحب قبلہ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ مین حضرت گنگوہی قدس سرہ کی خدمت مین حاضر تھا اور جناب مولوی اشرف علی صاحب بھی گنگوہ تشریف لائے ہوئے تھے صبح کی نماز کے بعد مولوی اشرف علی صاحب حضرت گنگوہی قدس سرہ سے کچھ پوچھتے ہوئے حضرت کے ساتھ حجرہ تک تشریف لے گئے اور سہ دری پر پہونچکر دونون حضرت کھڑے ہوگئے اور کچھ دیر تک کھڑے کھڑے گفتگو ہوتی رہی مولوی اشرف علی صاحب اس روز رخصت ہونے والے تھے یہ وہ زمانہ تھا جبکہ مولانا سے اور حضرت گنگوہی قدس سرہ سے مولود وغیرہ کے باب مین مکاتبت ہوئی تھی۔ اور مجھے حضرت مولانا سے اونکے مسلک سابق کی وجہ سے عقیدت نہ تھی جبکہ مین نے حضرت گنگوہی قدس سرہ کا حضرت مولانا کے ساتھ اس خصوصیت کا برتاؤ دیکھا تو مین نے حضرت قدس سرہ سے دریافت کیا کہ کیا مولوی اشرف علی صاحب اچھے ہوگئے تو آپ نے فرمایا کہ ہان اچھے ہوگئے۔ مین نے پھر پوچھا کہ کیا بالکل اچھے ہوگئے آپ نے تیز لہجہ مین فرمایا کہ بالکل اچھے ہوگئے۔

حاشیہ حکایت (۴) قولہ مکاتبت ہوئی تھی اقول یہ مکاتبت تذکرۃ الرشید مین شائع ہوئی ہے اور مین نے اب اوسکا نام ضیاء الانہام من علوم بعض الاعلام رکھدیا ہے تاکہ اگر کوئی استقلالاً شائع کرے تو اس عنوان سے پتہ دینے میں سہولت ہو ملخص اوس مکاتبت کا یہ ہے کہ احقر خاص اعمال کی ذات پر نظر کر کے بقید خلو عن المنکرات مباح کہتا تہا اور حضرت رح اونکے مفاسد کی بنا پر (جو عادۃً کا اللازم ہوگئے ہیں) باوجود خلو عن المنکرات کے بوجہ افضاء الی المفاسد کے منع فرماتے تھے اور اصول فقہیہ سے اسی کی ترجیح ثابت ہے اسلئے احقر نے اپنے دعوی سے رجوع کرلیا رسالہ یادیاران مین اسکی تقریر قدرے مفصل ہے (رشت)

(۵) خانصاحب قبلہ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت گنگوہی قدس سرہ دیوبند سے واپسی مین سہارنپور سے رامپور تشریف لیجا رہے تھے (اور غالباً یہ وہ واقعہ تھا جسکے بعد حضرت پھر دیوبند نہین تشریف لیجا سکے) اگلی گاڑی مین حضرت مولانا اور حکیم ضیاء الدین صاحب تھے۔ اور پچھلی گاڑی مین مین اور مولوی مسعود احمد صاحب۔ حضرت نے گاڑی کے پیچھے کا پردہ اٹھا کر مجھ سے باتیں کرنی چاہین مگر چونکہ گاڑیون میں بیٹھے ہوئے بات چیت مشکل تھی اسلئے مین اپنی

گاڑی سے اُتر کر اور حضرت کی گاڑی کا ڈنڈا پکڑ کر ساتھ ساتھ ہو لیا حضرت نے فرمایا میان امیر شاہ خان ابتدا سے اور اسوقت تک جسقدر ضرر دین کو صوفیہ سے پہونچا ہے اتنا کسی اور فرقہ سے نہیں پہونچا۔ ان سے روایت کے ذریعہ سے بھی دین کو ضرر ہوا اور عقائد کے لحاظ سے بھی اور اعمال کے لحاظ سے بھی اور خیالات کے لحاظ سے بھی او سکے بعد اسکی قدرے تفصیل فرمائی اور فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی قوت روحانی کی یہ حالت تھی کہ بڑے سے بڑے کافر کو لا الہ الا اللہ کہتے ہی مرتبہ احسان حاصل ہو جاتا تھا جسکی ایک نظیر یہ ہے کہ صحابہ نے عرض کیا کہ ہم پاخانہ پیشاب وغیرہ کیسے کریں اور حق تعالےٰ کے سامنے ننگے کیونکر ہوں یہ انتہا ہے اور انکو مجاہدات وریاضات کی ضرورت نہ ہوتی تھی اور یہ قوت بفیض نبوی صحابہ مین تھی مگر جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے کم اور تابعین مین بھی تھی مگر صحابہ سے کم لیکن تبع تابعین مین یہ قوت بہت ہی کم ہو گئی اور اس کمی کی تلافی کے لئے بزرگون نے مجاہدات اور ریاضات ایجاد کئے یہ مجاہدات وریاضات ایک زمانہ تک تو محض وسائل غیر مقصودہ کے درجہ مین رہے مگر جون جون خیر القرون کو بعد ہوتا گیا ان مین مقصودیت کی شان پیدا ہوتی رہی اور وقتاً فوقتاً ان میں اضافہ بھی ہوتا رہا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ دین مین بیحد بدعات علمی وعملی واعتقادی داخل ہو گئیں محققین صوفیہ نے ان خرابیون کی اصلاحیں بھی کین مگر اس کا نتیجہ صرف اتنا ہوا کہ ان بدعات مین کچھ کمی ہو گئی لیکن بالکل ازالہ نہ ہوا حضرت نے مصلحین مین شیخ عبد القادر جیلانیؒ اور شیخ شہاب الدینؒ سہروردی اور مجدد الف ثانیؒ اور سید صاحب قدست اسرارہم کا نام خصوصیت سے لیا۔ اور فرمایا کہ ان حضرات نے بہت اصلاحیں کی ہین۔ مگر خاطر خواہ فائدہ نہین ہوا۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ حق تعالےٰ نے ان حضرات پر طریق سنت منکشف فرمایا تھا اور الحمد للہ کہ اللہ تعالےٰ نے مجھپر بھی وہی طریق منکشف فرمایا ہے۔ پھر فرمایا کہ طریق سنت مین یہ بڑی برکت ہے کہ شیطان کو اس مین رہزنی کا موقعہ بہت کم ملتا ہے۔ چنانچہ ایک کھلی ہوئی بات یہ ہے کہ جن امور کا جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اہتمام فرمایا ہے۔ جیسے نماز باجماعت وغیرہ اگر کوئی سختی کے ساتھ انکی پابندی کرے اور فرائض وواجبات وسنن مؤکدہ کا پورا اہتمام کرے۔ تو نہ خود اوسکو وسوسہ ہوتا ہے کہ مین کامل اور بزرگ ہو گیا۔

(باقی آئندہ)

اور نہ دوسرے اوسے ولی اور بزرگ سمجھتے ہیں لیکن اگر کوئی ان امور کا اہتمام کرے جنکا
جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اہتمام نہیں فرمایا مثلاً چاشت اشراق صلوۃ الاوابین
وغیرہ کا پابند ہو تو وہ خود بھی سمجھتا ہے کہ اب مین بزرگ ہو گیا اور دوسرے بھی سمجھتے ہین کہ
اب یہ بزرگ ہو گیا۔ اسی تقریر کے دوران مین حضرت نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ شارع علیہ السلام
نے احسان کو مطلوب قرار دیا تھا مگر صوفیہ نے بجائے اسکے استغراق کو مقصود بنا لیا۔

حاشیہ حکایت (۳) قولہ صوفیہ سے پہونچا ہے اقول مراد وہ لوگ ہیں
جو صرف صوفی ہیں اور علوم دینیہ سے تحقیقاً یا تقلیداً اور اتباع محققین سے عاری ہیں ورنہ
صوفیہ جامعین سے تو بیحد نفع دین کو پہونچا ہے چنانچہ قریب ہی آئندہ سطور مین اونکی شان
اصلاح اسی حکایت میں مذکور ہے۔ **قولہ** صحابہ نے عرض کیا **اقول** روی البخاری فی کتاب
التفسیر عن ابن عباس قال اناس کانوا یستحیون ان یتخلوا فیفضوا الی السماء وان یجامعوا
نساءهم فیفضوا الی السماء فنزل ذلک (ای قولہ تعالی الا انهم یثنون صدورهم الآیۃ)
فیهم **قولہ** مگر صوفیہ نے بجائے اوسکے الخ **اقول** وہی صوفیہ غیر محققین مراد ہین (**شت**)

(۴) جناب خانصاحب نے فرمایا کہ ایک مرتبہ مولوی اسمعیل صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ
وعظ فرمارہے تھے اثناء وعظ مین ایک شخص اٹھا اور کہا کہ مولوی صاحب ہم نے سُنا ہے۔
کہ تم حرامی ہو آپ نے نہایت متانت سے جواب دیا کہ میاں تم نے غلط سنا ہے۔ میرے
ماں باپ کے نکاح کے گواہ بڈھانہ پھلت اور خود دلی مین ہنوز موجود ہیں اور یہ فرماکر
پھر وعظ شروع کر دیا۔

حاشیہ حکایت (۴) قولہ نہایت متانت سے جواب دیا اقول اس سے
طالب حق کو معلوم ہو سکتا ہے کہ حضرت مولانا شہید رح کی تیزی وغیرہ سب دین کے لئے تھی۔
ورنہ ہیجان نفس کا اس سے بڑھکر اور کون موقع ہو سکتا ہے (**شت**)

(۵) خانصاحب نے فرمایا کہ جس زمانہ مین ملکہ کی تاجپوشی کا جلسہ ہوا۔ اوس زمانہ
مین مولوی محمد یعقوب صاحب دلی میں تھے اور اکثر غائب رہتے تھے میں نے دریافت
کیا کہ حضرت آپ کہاں غائب رہتے ہین فرمایا مجھے حکم ہوا ہے کہ دلی مین جس جس جگہ

تمہارا قدم جائیگا ہم اوس جگہ کو آباد کر دینگے میں اسلئے اکثر شہر اور حوالی شہر میں گشت کیا کرتا ہوں تاکہ ویران مقامات آباد ہو جاویں خانصاحب نے فرمایا کہ اوس جلسہ میں مولوی عبدالحق مؤلف تفسیر حقانی اور مولوی فخر الحسن گنگوہی بھی موجود تھے اور مولوی عبدالحق صاحب نے اس مقام کے آباد ہونیکی کیفیت مولوی ناظر حسن سے بیان کی اور کہا کہ جس جگہ اس زمانہ میں ویرانہ ہوا تھا اور جہاں جہاں مولوی محمد یعقوب صاحب پھرے تھے وہ جگہ اکثر آباد ہو گئی ہے۔

حاشیہ حکایت (۵) قولہ مجھے حکم ہوا ہے اقول یہ شان اقطاب التکوین کی ہوتی ہے بعض مقبولین کو قطبیت ارشادیہ کے ساتھ قطبیت تکوینیہ کا مرتبہ بھی عطا ہوتا ہے اور مولانا کی قطبیت ارشادیہ میں کوئی کلام ہی نہیں ہو سکتا (**شت**)

(۶) جناب خانصاحب نے فرمایا کہ جناب مولوی محمد یعقوب صاحب قدس سرہ چھتے کی مسجد میں انار کے نیچے بیٹھے ہوئے وضو کر رہے تھے اور میں پیچھے کھڑا ہوا تھا آپ مجھسے باتیں کر رہے تھے حکیم عبدالسلام صاحب ملیح آبادی ابن جناب مفتی حسین احمد صاحب (مفتی صاحب حدیث میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے شاگرد اور اچھے شاگردوں میں تھے اور شاہ غلام علی صاحب سے مستفیض تھے) حاجی محمد عابد صاحب سے باتیں کر رہے تھے اور یہ کہہ رہے تھے کہ ایک میرے دوست لکھنؤ کے باشندے نصف مجذوب مکہ معظمہ کو ہجرت کر گئے تھے جب میرا مکہ جانیکا اتفاق ہوا تو واپسی کے وقت انہوں نے بہت شد و مد سے یہ فرمایا کہ تم یہیں رہو۔ ہندوستان مت جاؤ اسواسطے کہ وہاں انقلاب ہو رہا ہے۔ جو غدر سابق سے بڑھکر ہو گا یہ سنکر جناب مولوی محمد یعقوب صاحب نے چونک کر اور پیچھے کو مڑ کر انکی طرف دیکھا اور فرمایا کہ وہ کون ہیں اور انکو ہندوستان سے کیا تعلق ہے ہندوستان ہمارا ہے یا اونکا یہاں کچھ نہیں ہو نیکا رات کو ان کی دن کہو اُن کی رات کو ان کی دن کو اُن کی (یہ فقرہ کئی بار فرمایا) بوریا لپیٹ جائیگا جھاڑو پھر جائیگی کسی قسم کا غدر نہیں ہو گا اسپر حاجی محمد عابد صاحب نے حکیم عبدالسلام سے کہا کہ سُن لو یہ ہمارے مجذوب ہیں۔

حاشیہ حکایت (۶) قولہ وہ کون ہیں اقول یہ بھی اوسی شان قطبیت کی فرع ہے **(تشت)**

(۷) خانصاحب نے فرمایا۔ کہ ایک مرتبہ صبح کے وقت جناب مولوی محمد یعقوب صاحب مدرسہ میں اپنی درسگاہ میں پریشان اور خاموش بیٹھے ہوئے تھے مین اور چند دوسرے اشخاص بھی اسوقت پہونچ گئے۔ مولانا نے مجھ سے مخاطب ہوکر فرمایا۔ کہ اُفّوہ آج مجھ سے بڑی غلطی ہوگئی میں نے حق تعالےٰ سے کچھ عرض کیا حضور نے کچھ جواب ارشاد فرمایا میں نے پھر کچھ عرض کیا (جوکہ ظاہراً گستاخی میں داخل تھا اسکے جواب میں ارشاد ہوا کہ بس چپ رہو بکومت۔ ایسی گستاخی۔ یہ سنکر مین خاموش ہوگیا اور بہت کچھ استغفار اور معذرت کی بالآخر میرا قصور معاف ہوگیا اوسکے بعد آسمان سے ایک پڑہا یا کھٹولا دیہ مجھے یاد نہیں کہ آپ نے کیا فرمایا تھا) اترا جسکی پٹیاں سیروے پائے بان سب الگ الگ تھے مین نے عرض کیا کہ حضور مین سمجھ گیا۔ حضور نے فرمایا ہاں انتہی کلامہ الشریف خانصاحب نے فرمایا یہ وہ زمانہ تھا۔ جس زمانہ میں حضرت مولانا نانوتوی بمرض الموت علیل تھے مولوی فخر الحسن نے اس واقعہ کو حضرت مولانا کی خدمت میں بیان کیا تو آپ گھبرا کر اٹھ بیٹھے اور گھبرا کر فرمایا کہ اُفّو مولوی محمد یعقوب نے ایسا کہا توبہ توبہ توبہ بھائی یہ انہیں کا کام تھا کیونکہ وہ مجذوب ہین اگر ہم ایسی گستاخی کرتے تو ہماری تو گردن نپ جاتی۔

حاشیہ حکایت (۷) قولہ کیونکہ وہ مجذوب ہین اقول بعض مراتب مجذوبیت مین ایسے اقوال داخل ادلال ہوکر عفو فرمادئے جاتے ہین اور بعض مجاذیب ایسے ہی ہوتے ہیں جن پر جذب کا اثر کسی وقت ہوتا ہے احقر نے خود مولانا سے سُنا ہے کہ ایک بار خط لکھکر مین نے دستخط کرنا چاہا تو اپنا نام بھول گیا بجز جذب اور اسکا سبب کیا ہوسکتا ہے **(تشت)**

(۸) جناب خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی احمد حسن صاحب امروہی مرادآباد کے مدرسہ شاہی میں مدرس تھے مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد مولوی محمد یعقوب صاحب ہر سال جاکر امتحان لیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ دفتر کی چھت پر

جو مکان ہے آپ اوس میں بیٹھے ہوئے تھے اور مین بھی حاضر تھا (مین اوس زمانہ میں چھتاری میں ملازم تھا اور مجھے حضرت سے اور حضرت کو مجھ سے بہت تعلق تھا اسلئے میرا معمول تھا کہ جب مجھے معلوم ہوتا کہ آپ تشریف لانیوالے ہین تو مین مرادآباد پہونچ جاتا تھا) اسوقت مولانا کچھ بزرگون کا ذکر کر رہے تھے اور جس مجلس میں یہ عاجز ہوتا تھا اکثر مجھی کو مخاطب بنا لیا کرتے تھے گو اسوقت مجمع کثیر تھا مگر آپ نے مجھی کو مخاطب بنایا اور فرمایا کہ خواجہ احمد جام مستجاب الدعوات مشہور تھے ایک عورت انکی خدمت میں اپنے ایک نابینا بچے کو لائی اور عرض کیا کہ اپنا ہاتھ اسکے منہ پر پھیر دیجئے اور اسکی آنکھیں اچھی کر دیجئے اسوقت آپ پر شان عبدیت غالب تھی اسلئے نہایت انکسار کے ساتھ فرمایا کہ مین اس قابل نہیں ہون اوس نے اصرار کیا مگر آپ نے پھر وہی جواب دیا غرضکہ تین چار مرتبہ یون ہی رد و بدل ہوئی جب آپ نے دیکھا کہ وہ مانتی ہی نہیں ہے تو آپ وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے چلدیئے کہ یہ کام تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تھا کہ وہ اندھون اور مبروصون کو اچھا کرتے تھے میں اس قابل نہیں ہون تھوڑی دور چلے تھے کہ الہام ہوا کہ تو کون اور عیسےٰ کون اور موسےٰ کون پیچھے لوٹ اور اسکے منہ پر ہاتھ پھیر نہ تم اچھا کر سکتے ہو نہ عیسیٰ ما می کنیم آپ یہ سنکر لوٹے اور ما می کنیم ما کنیم فرماتے جاتے تھے اور جاکر اسکے منہ پر ہاتھ پھیر دیا اور آنکھیں اچھی ہوگئیں۔ یہ قصہ بیان فرما کر مولانا نے فرمایا کہ احمق لوگ یون سمجھا کرتے ہین کہ یہ ما می کنیم خود کہہ رہے ہیں حالانکہ ان کا قول نہیں ہوتا بلکہ وہ حق تعالیٰ کا قول ہوتا ہے چنانچہ جب کوئی کسی گویّے سے کوئی عمدہ شعر سنتا ہی تو اوسکو اپنی زبان سے بار بار دہراتا ہے اور مزے لیتا ہے اسی طرح وہ اس الہام کی لذت سے حق تعالےٰ کا ارشاد ما می کنیم بار بار دہراتے تھے۔

حاشیہ حکایت (۸) قولہ وہ حق تعالےٰ کا قول ہوتا ہے **اقول** قول منصور حلاج کی سب سے اچھی تاویل یہی ہے اور یہ حکایت حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے احقر نے بھی سُنی ہے بس اتنا فرق ہے کہ مجکو اون بزرگ کا نام لینا یاد نہیں اور اول بار جو اس عورت کو جواب دیا اوسکا لہجہ جوش کا یاد ہے وہ یہ کہ میں عیسےٰ ہون جو اندھوں کو اچھا کرون اور ما می کنیم کی جگہ ما کنیم یاد ہے (رشت)

(باقی آئندہ)

(۹) خانصاحب نے فرمایا کہ حاجی منیر خان صاحب خانپوری (یہ صاحب مولوی محمد یعقوب صاحب برادر خورد جناب مولوی محمد اسحٰق صاحب ملقب بہ چھوٹے میاں سے بیعت تھے) اور فیض محمد خانصاحب نواب وتاولی اور میانجی محمدی صاحب (یہ میرے استاد اور سید صاحب سے بیعت تھے اور اورنگ آباد کے رہنے والے تھے) اور نواب قطب الدین خانصاحب اور میاں رحیم داد صاحب خورجوی اور مولوی یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ یہ لوگ میں نے ایسے دیکھے جنکی ولایت کیلئے کسی ثبوت کی ضرورت نہ تھی۔ بلکہ انکے چہروں ہی سے دیکھنے والوں کو معلوم ہوجاتا تھا کہ یہ حضرات اولیاء اللہ ہیں۔ اسپر میں ایک بات سناتا ہوں۔ مراد آباد کی شاہی مسجد میں ایک صاحب امام تھے مجھ سے ان سے بہت ملاقات تھی اور وہ مجھ سے بہت محبت کرتے تھے۔ قرآن بہت اچھا پڑھتے تھے حج بھی بہت کئے تھے مگر ہمارے بزرگوں کے ساتھ ان کو عقیدت نہ تھی بلکہ کچھ سوء عقیدت تھی ایک روز کسی پنجابی صاحب کے یہاں مولوی محمد یعقوب صاحب قدس سرہ کی دعوت تھی دعوت میں میں بھی شریک تھا اور وہ امام صاحب بھی اور ہم لوگ دروازے کے قریب بیٹھے تھے جب کھانے سے فراغت ہوچکی تو ہم دونوں باہر آکر کھڑے ہوگئے تھوڑی دیر میں مولانا محمد یعقوب صاحب کسی سے باتیں کرتے ہوئے اور مسکراتے ہوئے نکلے امام صاحب نے جو مولانا کی صورت دیکھی تو آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور کہا کہ مجھے ان حضرات سے ناحق بد اعتقادی تھی۔ انکی نورانی صورت انکی ولایت پر خود شاہد ہے ایسی نورانی صورت خدا کے خاص بندوں کے سوا دوسروں کی نہیں ہوسکتی اور اون پر اسوقت ایک حالت طاری ہوئی جس سے وہ بیتاب ہوگئے اور ہائے ہائے کہتے ہوئے اونہوں نے مولانا کے قدم پکڑ لئے اور بہت روئے۔

حاشیہ حکایت (۹) قولہ ان کی نورانی صورت اقول قال الرومی ؎

نور حق ظاہر بود اندر ولی ٭ نیک بین باشی اگر اہل ولی قال الکاندھلوی کا ترجمہ ؎

مرد حقانی کی پیشانی کا نور ٭ کب چھپا رہتا ہے پیش ذی شعور ٭ (نشت)

(۱۰) خانصاحب نے فرمایا کہ مجھ سے قاری عبد الرحمن صاحب پانی پتی اور مولوی

اعظم علی صاحب مراد آبادی نے بیان فرمایا کہ میاں صاحب (شاہ محمد اسحٰق صاحب کا لقب ہے) فرماتے تھے کہ ہم نے ان العبد لیعمل بعمل اھل النار ثم یسبق علیہ القدر فیعمل بعمل اھل الجنۃ و یدخل الجنۃ کا مصداق اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا واقعہ اسکا یہ ہے کہ نانا صاحب (شاہ عبد العزیز صاحبؒ) کے دریا میں ایک پنڈت حاضر ہوا کرتے تھے جو کہ لڑکپن کے زمانے سے اونکے دوست تھے۔ ہم ان کو نانا کہا کرتے تھے ان کا معمول تھا کہ وہ روزانہ صبح کو مدرسہ میں آتے اور کنوئیں پر نہاتے اور سورج پر جل چڑہاتے یہ بات ہم کو گراں تھی مگر ادب کی وجہ سے ہم کچھ نہ کہہ سکتے اب نانا صاحب کا انتقال ہو گیا اور مدرسہ کا اہتمام ہمارے ہاتھ میں آیا اور ان پنڈت کا وہی معمول رہا مگر ہم اب بھی کچھ نہ کہہ سکے ایک روز کا واقعہ ہے کہ وہ کنوئیں پر سورج کی طرف منہ کئے اور ہاتھ میں لٹیا لئے سورج پر جل چڑھانے کے لئے کھڑا تہا مگر چڑہایا نہ تہا اتفاق سے میں پہونچ گیا میں نے اسوقت کے قاعدے سے اسے سلام کیا اوسنے مجھے دعا دی اور کہا بیٹا یہاں آؤ میں گیا تو اوس نے کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ ہماری تمہارے نانا سے بچپن کی دوستی ہے اور وہ دوستی اونکے انتقال کے وقت تک برابر قائم رہی اور آنا جانا اُٹھنا بیٹھنا میل ملاپ بہت کچھ رہا مگر نہ انہوں نے مجھہ سے کہا کہ تم مسلمان ہو جاؤ اور نہ مجھے کبھی اسکا خیال ہوا لیکن آج آپ ہی آپ میرا دل بیچین ہے اور بیساختہ جی چاہتا ہے کہ میں مسلمان ہو جاؤں۔ کیونکہ میں ہمیشہ سے سورج کی پرستش کرتا ہوں۔ لیکن آج مجھے خیال آیا کہ جب ہم چاہتے ہیں چلتے ہیں اور جب چاہتے ہیں آرام کرتے ہیں اور جہاں چاہتے ہیں جاتے ہیں اور جہاں چاہتے ہیں نہیں جاتے مگر سورج ہے کہ ادہر اُدہر نہیں جاتا اور نہ وہ ایک دم کیلئے ٹھہر سکتا ہے اور نہ وہ اپنی معینہ چال کے خلاف چل سکتا ہے پس معلوم ہوا کہ وہ تو ہم سے بھی زیادہ مجبور اور زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے اور ہرگز قابل پرستش نہیں نیز معلوم ہوا کہ دین اسلام دین حق ہے پس بیٹا تم مجھے مسلمان کر لو۔ گو میں اسلام کی باتیں جانتا ہوں مگر میں چاہتا ہوں کہ تمہارے ہاتھ پر اسلام لاؤں تاکہ تم میرے اسلام کے گواہ رہو۔ میں نے کہا آپ کو ختنہ کرانی پڑیگی اوس نے کہا جو کچھ تم کہو گے میں سب کچھ

کرونگا الحاصل میں نے اسے مسلمان کیا اور اوسکی ختنہ کرائیں۔ اوسنے یہ بھی کہا کہ میرے
بیٹا بیٹی نہیں ہاں پوتے نواسے ہیں مگر جب مین مسلمان ہو جاؤنگا تو وہ سب میرے
مخالف ہو جاینگے۔ اسلئے میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے اپنے یہاں رہنے کے لئے جگہ دیدو
کھانے پینے کیلئے میرے پاس بہت کچھ ہے میں نے کہا کہ اگر آپ کا جی چاہے تو مال
بھی اپنے پوتوں وغیرہ ہی کو دیدیجئے میں آپ کی اپنے نانا کی طرح خدمت کرونگا۔ الغرض
میں نے انکو رہنے کو جگہ دیدی۔ اور انکی خدمت کرتا رہا۔ وہ چالیس روز زندہ رہے اور
اسکے بعد ان کا انتقال ہوگیا۔

حاشیہ حکایت (۱۰) قولہ ادب کی وجہ سے **اقول** یعنی حضرت شاہ صاحب
کے ادب کی وجہ سے۔ **قولہ** مگر ہم اب بھی کچھ نہ کہہ سکے **اقول** یہ بھی اسی ادب حیات
کا غلبہ تھا جسکا اثر بعد وفات بھی رہا اور اسکا ادراک اہل وجدان کو ہوتا ہے اور چونکہ
اس فعل میں حضرت میاں صاحب کا کوئی دخل نہیں نہ ثبوتاً نہ رضاءً اس سلئے
کوئی اعتراض بھی نہیں ہو سکتا رہا یہ کہ نہی عن المنکر تو فرما سکتے تھے سو یہ نہی توقع قبول
کے وقت واجب ہوتی ہے ورنہ نہیں رہا استحباب سو عجب نہیں حضرت بڑے شاہ صاحب
کے سکوت کا کسی حکمت پر اجمالاً محمول فرما لینا یہ مانع ہوا ہو اتیان مستحب سے اور
تعیین اس حکمت کی واقعہ کے اخیر جزو سے کہ اوس پنڈت کا مسلمان ہو جانا ہے ہو سکتی
ہے یعنی حضرت شاہ صاحب کو مکشوف ہو گیا ہو کہ اگر اسکے ساتھ سختی نہ کیجاوے تو ممکن
ہے کہ اس نرمی سے اوسکے قلب میں اسلام کی الفت پیدا ہو جاوے چنانچہ وہ اس
دولت سے آخر مشرف ہوا۔

قولہ اسے سلام کیا **اقول** کافر کو سلام ضرورت یا معتد بہا مصلحت سے
یا کسی حال محمود کے غلبہ سے جائز ہے اور احتمال ثالث پر وہ غلبہ حال ادب تہا حضرت
شاہ صاحب کا **قولہ** نہ انہوں نے مجھ سے کہا کہ مسلمان ہو جاؤ **اقول** مکشوف ہوا ہوگا۔
کہ اسکے اسلام کا فلاں وقت معین ہے اسلئے اس سے پہلے توقع قبول نہ تھی اور عدم
توقع کے وقت امر بالمعروف کا ضروری نہ ہونا بھی مذکور ہوا ہے **قولہ** ختنہ کرانا پڑینگی۔

اقول یہ بطور شرط اسلام کے نہیں فرمایا بلکہ حکم اسلام کے طور پر فرمایا یعنی اگر کوئی اس عمل پر آمادہ نہ ہوا اسلام کی تو اوسکو بھی تلقین کردی جاویگی لیکن اسلام کا یہ حکم پھر بھی تبلایا جاویگا اور بالغ کے بدن کو ختنہ کی ضرورت سے دیکھنا اسمیں گو اختلاف ہے مگر بہت فقہاء نے اسکے جواز کو راجح بھی کہا ہے۔ (**تشت**)

(۱۱) خانصاحب نے فرمایا کہ یہ قصہ جسکو میں بیان کرنا چاہتا ہوں میں نے مولوی عبدالقیوم صاحب سے بھی سُنا ہے اور مولانا گنگوہی سے بھی اور مولانا نانوتوی سے بھی اور اپنے استاد میانجی محمدی صاحب اورنگ آبادی سے بھی اور آخر میں حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بھی سنا ہے بڑے میاں (مولوی محمد اسحٰق) صاحب اور چھوٹے میاں (مولوی محمد یعقوب) صاحب دونوں بھائی جب مکہ میں حرم میں داخل ہوتے تو دروازہ پر جوتہ چھوڑ جاتے مگر باوجود اسکے کہ وہاں جوتہ کا محفوظ رہنا نہایت مشکل ہے اور سینہ کے سامنے سے اور سر کے سامنے سے خاص حرم کے اندر سے جوتہ اٹھ جاتا ہے۔ اونکا جوتہ کبھی چوری نہیں گیا۔ یہ واقعہ دیکھکر لوگ متعجب ہوتے اور ان حضرت سے پوچھتے کہ کیا وجہ ہے کہ آپ حضرات کا جوتہ چوری نہیں جاتا وہ فرماتے کہ جب ہم جوتہ اتارتے ہیں تو چور کے لئے اسکو حلال کرجاتے ہیں اور چور کی قسمت میں حلال مال نہیں اسلئے وہ انہیں نہیں لے سکتا۔ یہ قصہ بیان فرماکر خانصاحب نے فرمایا کہ میں نے یہ قصہ مولوی محمود حسن صاحب سے بیان کیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ اصل میں تعلیم تھی شاہ عبدالقادر صاحب کی جب شاہ صاحب کے زمانہ میں اکبری مسجد میں سے جوتے چوری جانے لگے تو شاہ صاحب نے لوگوں سے فرمایا کہ تم اپنے جوتے چوروں کے لئے حلال کردیا کرو پھر وہ انہیں نہ لیں گے اھ۔

حاشیہ حکایت (۱۱) **قولہ** جوتہ کا محفوظ رہنا نہایت مشکل ہے **اقول** غالباً اوسوقت بوابین کا انتظام نہ ہوگا جیسا اب ہے جس سے بہت سہولت ہے اور اندر جو کبھی جوتہ اٹھ جاتا ہے یہ اٹھانے والے اکثر آفاقی ہوتے ہیں **قولہ** چور کیلئے اسکو حلال کرجاتے ہیں اور چور کی قسمت میں حلال مال نہیں۔ **اقول** حقیقت اس حکمت کی ایک نکتہ اثریہ ہے

(باقی آئندہ)

کیونکہ کبھی چور حلال مال بھی استعمال کرتا ہے اور اس عمل کا یہ اثر بھی اکثری ہے تخلف بھی ہوسکتا ہے اور یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ جب مالک نے حلال کر دیا تو اگر چور اٹھا وے گا تو او سکے لیے تو حلال ہو گیا تھا تو اس حکمت کی بنا تو منتفی ہو گئی جواب یہ ہے کہ جب چور کو اسکی اطلاع نہیں تو اس کہنے سے بھی حلال نہیں ہوسکتا اور اگر کسیطرح اطلاع بھی ہو جاوے تب بھی چونکہ قصد قایل کا واقع میں حلال کرنیکا نہیں اسلیئے تب بھی حلال نہ ہوگا اور احقر کہتا ہے کہ ایسا ہی قصہ میں نے حضرت شیخ مشائخنا سلطان نظام الدین اولیاء قدس سرہ کا سنا ہے کہ آپ نے امیر خسرو رحمۃ اللہ کو یہ عمل تعلیم فرمایا تہا جبکہ ایکبار آپ کے مجلس سے اوٹھنے کے وقت امیر خسرو کو برہنہ پا دیکھا اور پوچھنے پر اونکے جوتہ کا چوری ہونا تحقیق ہوا تو آپ نے اوسوقت اپنا جوتہ منگا کر عنایت فرمایا جسکو اونہوں نے سر پر رکھہ لیا اور یہ عمل تبلایا قاری عنایت اللہ مرحوم گنگوہی نے یہ قصہ بیان کیا اتنا فرق ہے کہ اونھوں نے حلال کی جگہ لفظ مباح کہا اور اپنا تجربہ بھی بیان کیا (ش)

(۱۲) خانصاحب نے فرمایا کہ تحصیل سکندر آباد میں ایک گاؤن ہے حسن پور جسکو میں نے بھی دیکھا ہے بہت بڑا گاؤن ہے یہ ایک وقت میں مولوی محمد اسحق صاحب اور اور مولوی محمد یعقوب صاحب کا تھا۔ مولوی مظفر حسین صاحب فرماتے تھے کہ مولوی محمد اسحق صاحب اور مولوی محمد یعقوب صاحب نہایت سخی تھے اور اکثر تنگی کیوجہ سے کچھ ملول سے رہتے تھے لیکن ایک روز میں نے دیکھا کہ دونوں بھائی نہایت ہشاش بشاش ہیں اور خوشی میں اوہر سے اودہر آتے جاتے اور کتابیں یہاں سے وہاں اور وہاں سے یہاں رکھتے اور خوشی کے لہجہ میں آپسمیں باتیں کر رہے ہیں میں یہ دیکھکر سمجھا کہ شاید آج کوئی بڑی رقم ہندوستان سے آئی ہے جس سے یہ اسقدر خوش ہیں یہ سمجھکر میں نے چاہا کہ واقعہ دریافت کروں مگر بڑے میاں صاحب سے تو پوچھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ چھوٹے میاں سے پوچھا کہ حضرت آپ آج بہت خوش نظر آتے ہیں اسکی کیا وجہ ہے۔ اونہوں نے تعجبانہ لہجہ میں فرمایا کہ تم نے نہیں سنا میں نے کہا کہ نہیں فرمایا کہ ہمارا گاؤن حسن پور ضبط ہو گیا ہے یہ خوشی اسکی ہے کیونکہ جبتک وہ تھا ہم کو خدا پر پورا توکل نہ تہا

اور اب صرف خدا پر بھروسہ رہگیا ہے اھ جب خانصاحب نے یہ واقعہ بیان فرمایا تو حقر کو مومن خان کی خوشی یاد آگئی اور میں نے یہ شعر پڑھا ؎ کیا یار کے آنے کی سُنی یا کہ اجل کی ٭ کاہے کی خوشی ہجر میں ہے جان حزین یہ۔

حاشیہ حکایت (۱۲) **قولہ** اب صرف خدا پر بھروسہ رہگیا ہے **اقول** اس سے جو کچھ کمال توکل و توحید و معرفت ثابت ہوتی ہے ظاہر ہے **قولہ** مومن خان کی خوشی یاد آگئی **اقول** اور مجکو حضرت غوث پاک رح کی خوشی یاد آگئی جبوقت خادم نے ایک قیمتی آئینہ چینی کے ٹوٹ جانے کی ڈرتے ڈرتے اس مصرعہ سے اطلاع کی کہ ع از قضا آئینۂ چینی شکست ٭ آپ نے فی البدیہ فرمایا ع خوب شد اسباب خود بینی شکست (**شت**)

(۱۳) خانصاحب نے فرمایا کہ حافظ عبدالرحمن صاحب دہلوی کے بڑے بھائی مائل بہ غیر مقلدی تھے۔ مگر مولانا نانوتوی کی خدمت میں بہت حاضر باش تھے۔ حافظ عبدالرحمن صاحب بھی کسیقدر غیر مقلدی کی طرف مائل اور مولانا نانوتوی کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے اور حافظ عبدالرحمن مولوی فیض الحسن صاحب اور مولوی حسین خان صاحب خورجوی کے شاگرد اور بہت سمجھدار اور اردو فارسی شاعری کے بڑے استاد تھے مگر خدا کی شان کہ نہ انکا فارسی کا دیوان مرتب ہوا اور نہ اُردو کا۔ دو شعر انکے مجھے یاد ہیں صرف انکی قابلیت دکھلانے کیلئے اونکے شعر لکھواتا ہوں غالب اور شہیدی کے جانی دشمن تھے۔ اسلئے انکے کلاموں کو پلٹ دیا کرتے تھے۔ چنانچہ غالب کہتا ہے ؎ ہے خبر گرم اونکے آنے کی ٭ آج ہی گھر میں بوریا نہ ہوا۔ اوسکو حافظ صاحب نے یوں پلٹا ہے شعر بچھ گیا میں جو گھر میں وہ (یا تم) آئے ٭ زہے قسمت کہ بوریا نہ ہوا۔ شہیدی کے قصیدے کا شعر ہے۔ ہوا تجھ سا نہ ہو سکتا ہے ہے میرا یہی ایمان ٭ نہ مانوں مسئلہ ہرگز کسی زندیق و مرتد کا۔ حافظ صاحب نے اسے یوں پلٹا ہے ؎ ترا ثانی بامکان وقوعی ہو نہیں سکتا ٭ نفی امکان مطلق کی مگر ہے قول مرتد کا۔ غرض اسی طرح اوسکے پورے قصیدے کو رد کیا ہے یہ حافظ عبدالرحمن صاحب بیان کرتے تھے کہ نواب میرخان سے جب انگریزون سے صلح ہوگئی تو اس صلح کے اندر یہ امر طے ہوا تھا کہ وزیرالدولہ کو

ہم اپنے زیر نگرانی رکھیں گے۔ مگر یہ انہیں اختیار ہوگا کہ وہ جہاں چاہیں وہاں رہیں۔ انھوں نے دہلی کو پسند کیا اور وہ دہلی رہنے لگے بچپن سے صالح تھے مولوی غلام جیلانی رامپوری انکے استاد تھے مولوی صاحب موصوف مولوی حیدر علی صاحب ٹونکی کے ماموں تھے چونکہ نواب وزیر الدولہ بچپن سے نیک تھے اسلئے اونکے پاس دہلی کے لڑکے جو انکے ہم عمر تھے بے تکلف آنے جانے لگے ان میں ایک لڑکا وہ تھا جو حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تہا اور حق گو بھی تھا چونکہ عام طور پر اپنے استاد کی طرف خاص میلان ہوتا ہے۔ اسلئے وزیر الدولہ اپنے اُستاد کی اکثر تعریف کیا کرتے اور کبھی کبھی دہلی والوں کی تنقیص بھی کر دیا کرتے تھے۔ مگر وہ لڑکا برابر انکی تردید کرتا رہتا تھا اور یہ کہا کرتا تھا کہ آپ کے استاد ایسا عمامہ باندہتے ہیں ایسا انگرکہا پہنتے ہیں ایسا پاجامہ پہنتے ہیں ایسا جوتہ پہنتے ہیں مسند تکیہ لگا کر بیٹھتے ہیں دہلی والے بیچارے بوریوں پر بیٹھتے ہیں دہوتر کا کرتہ پہنتے ہیں گاڑھے کا پاجامہ پہنتے ہیں اور دہوڑی کا جوتہ پہنتے ہیں مگر باوجود اسکے آپکے استاد کے علم کو انکے علم سے کیا نسبت انکے علوم بہت گہرے ہیں۔ خدا کی شان کہ ایک روز کسی نے مولوی غلام جیلانی صاحب سے یہ سوال کیا کہ حضرت تعزیہ کا بنانا کیسا ہے مولوی غلام جیلانی نے جواب دیا کہ برا ہے ہرگز نہیں بنانا چاہیئے اوسنے کہا کہ بنے ہوئے تعزیہ کی توہین کرنا مثلاً اسکو توڑنا پھوڑنا اسپر پاخانہ پیشاب پھرنا کیسا ہی انھوں نے فرمایا کہ ہرگز نہیں چاہیئے۔ ہاں لے دفن کر دے اسلئے کہ اسپر امام حسینؓ کا نام آگیا ہے۔ لہذا اسکا احترام کرنا چاہیئے۔ یہ سنکر وہ لڑکا کہڑا ہوا اور اسنے بہت ادب سے یہ کہا کہ مولانا گوسالہ پر کس کا نام آگیا تہا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اوسکے ساتھ کیا معاملہ کیا تہا اسپر مولوی صاحب خاموش ہوگئے اور کوئی جواب بن نہ آیا۔ اس لڑکے نے اسی جلسہ میں نواب وزیر الدولہ کو سلام کیا اور کہا کہ حضور میں نہ کہتا تہا کہ دہلی والوں کے علوم بڑے گہرے ہیں میں صرف کبھی کبھی صرف میاں صاحب (شاہ محمد اسحٰق صاحب) کے وعظ میں جا بیٹھا کرتا ہوں۔ اسکا اثر یہ ہوا کہ وزیرالدولہ اس خاندان کے گرویدہ ہوگئے اور سید صاحب سے بیعت بھی ہوگئے۔

حاشیہ حکایت (۱۳) قولہ بامکان وقوعی اقول یعنی ایسا امکان جسکے

موصوف کے وقوع سے کوئی استحالہ لازم نہ آئے نہ بالذات نہ بالغیر **قولہ نفی اقول** فاء کی حرکت بضرورت شعر ہے **قولہ** ایسا عامہ الخ **اقول** یعنی عمدہ اور قیمتی (رشت)

(۱۴) خانصاحب نے فرمایا کہ ایک شخص نے شاہ ولی اللہ صاحب، مولانا فخر الدین صاحب مرزا مظہر جان جاناں صاحب کی دعوت کی تینوں کو ایک جگہ بٹھا کر چلا گیا۔ دوپہر ڈھلے آیا اور ایک ایک ٹکہ تینوں کے ہاتھوں پر رکھدیا اور یہ کہا کہ حضرت میں ایک کام کو چلا گیا اور دعوت کا بالکل خیال نہ رہا۔ اسوقت ناوقت ہو گیا ہے۔ کھانے کا انتظام نہیں ہو سکتا اسلئے کھانے کے دام دیئے گئے۔ مولانا فخر الدین نے تو اوسکا شکریہ ادا کیا اور فرمایا کہ بھائی یہ بھی تمہارا احسان ہے کیونکہ اگر ہم صبح سے اسوقت تک مزدوری کرتے تب ایک ٹکہ کے مستحق ہوتے اور تم نے ہم کو آرام سے بٹھا کر ایک ٹکہ دیدیا۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے خاموشی کے ساتھ لے لیا اور کچھ نہ کہا۔ مگر مرزا صاحب ناخوش ہوئے اور یہ کہا کہ تو نے ان حضرات کا وقت ضائع کیا۔ کیونکہ شاہ صاحب اسوقت تک حدیث پڑھاتے اور مولانا فخر الدین صاحب اپنے مریدوں کو فائدہ پہونچاتے میں اپنی نسبت کچھ نہیں کہتا کہ میں کیا کرتا مگر تو نے ان حضرات کو ان دینی خدمتوں سے روکدیا۔ خبردار آئندہ ایسا نہ کرنا۔ اسکے بعد تینوں حضرات اٹھکر چلے آئے۔ یہ قصہ بیان فرماکر خانصاحب نے فرمایا۔ کہ یہ قصہ مجھ سے حضرت حاجی صاحب نے بھی بیان فرمایا اور مولانا نانوتوی نے بھی اور مولانا گنگوہی نے بھی حضرت حاجی صاحب نے تو اس قصہ کو بیان فرماکر یہ فرمایا کہ مولانا فخر الدین صاحب کی بات بہت انکساری کی ہے اس سے چشتیت ٹپکتی ہے اور مولانا نانوتوی نے فرمایا کہ شاہ ولی اللہ صاحب کی بات بڑھی ہوئی ہے کہ انکے نفس نے اصلا حرکت نہ کی اور حضرت گنگوہی فرمایا کرتے تھے کہ مرزا صاحب کی بات بہت بڑھی ہوئی ہے۔ عدل کا اقتضا یہی ہے جو کچھ مرزا صاحب نے فرمایا (ف) اس سے اپنے حضرات کا اختلاف مذاق اور اس سے اختلاف آراء صاف ظاہر ہے۔

حاشیہ حکایت (۱۴) **قولہ** حضرت گنگوہی الخ **اقول** احقر کا میلان حضرت گنگوہی کی رائے کی طرف ہے (رشت)

(باقی آئندہ)

(۱۵) خانصاحب نے فرمایا حکیم ضیاء الدین رامپوری کے چچا مولوی محمد حسن صاحب کو میں بچپن سے جانتا ہوں کیونکہ میں نے اپنے استاد میانجی محمدی صاحب سے ان کے بہت سے حالات سنے ہیں مولوی صاحب موصوف مولوی اسمٰعیل صاحب شہیدؒ اور مفتی الٰہی بخش صاحب کاندہلوی کے شاگرد تھے۔ ان کا قصہ حضرت گنگوہی سے سنا ہے کہ جب سید صاحب کا قافلہ جہاد کو جاتے ہوئے سہارنپور پہونچا تو مولوی محمد حسن صاحب ان سے سہارنپور آکر ملے۔ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب نے اپنے خدام کو حکم دیا کہ اسکا خیال رکھا جاوے کہ مولوی محمد حسن کسی صاحب کے مکان پر یا کسی دوکان پر کھانا نہ کھائیں میں انکو اپنے ساتھ کہلاؤں گا مولوی محمد حسن نہایت نازک مزاج اور نازک طبع تھے جب کہانے کا وقت آیا اور مولوی صاحب مولانا شہیدؒ کے ساتھ کھانا کھانے بیٹھے۔ تو ایک ہی نوالہ لینے پائے تھے کہ مولانا شہید نے زور سے ناک سنکی۔ مولوی صاحب کھانے سے فوراً اٹھ کہڑے ہوئے اور چلے گئے مولانا شہید نے انکے اُٹھ جانے کی مطلق پروانہ کی اور اپنے خدام سے فرمایا کہ اب اسکا زیادہ خیال رکھا جاوے کہ یہ کہیں کھانا نہ کھاسکیں۔ خدام نے ایسا ہی کیا۔ جب دوسرا وقت ہوا اور کھانا کھاتے بیٹھے تو مولانا نے پھر زور سے سنکا مگر مولوی محمد حسن ہوقت نہ اٹھے جب اٹھے تو مولانا نے رینٹ کو انکے سامنے انگلیوں سے ملا اس پر ان سے نہ رہا گیا۔ اور یہ کہکر کہ مولانا کیا کرتے ہو۔ فوراً اٹھ کے چلے گئے۔ مولانا نے اپنے خدام کو پھر ہدایت کہ دیکھو ان کو ہرگز کہیں کھانا نہ کھانے دینا۔ جب تیسرا وقت ہوا تو پھر کھانا کھانے بیٹھے۔ مولانا شہید نے پھر زور سے سنکا۔ اور ہاتھ سے رینٹ کو ملتے ہوئے انکے کھانے کی طرف کرنے لگے۔ انھوں نے اپنا پیالہ مولانا کے سامنے کر دیا اور کہا کہ اب تو اگر آپ اسمیں ملا بھی دینگے تب بھی کھا لونگا مولانا نے فرمایا۔ کہ بس اب علاج ہو گیا خدام سے کہا پانی لاؤ اور پانی منگا کر ہاتھ دہو ڈالے۔ اسکے بعد فرمایا کہ میں نے یہ اسلئے کیا تھا۔ کہ تم جہاد کو جا رہے ہو۔ اور جہاد میں نازک مزاجی نہیں نبھ سکتی۔

حاشیہ حکایت (۱۵) قولہ نازک مزاجی نہیں نبھ سکتی۔ اقول ھو کما قال العارف الشیرازی ؎ ناز پرورد تنعم نہ برد راہ بدوست ٭ عاشقی شیوۂ رندان بلاکش باشد

حکما، امت اخلاق و ملکات کی اصلاح اسطرح کرتے ہیں (رشت)

(۱۶) خانصاحب نے فرمایا۔ کہ ایک روز مولانا اسمٰعیل صاحب شہید دہلی میں جامع مسجد کے حوض پر بیٹھے ہوئے وعظ فرما رہے تھے اتنے میں تبرکات نکلے اور لوگ انکے ساتھ بہت زور و شور سے نعت پڑھتے ہوئے آئے۔ مگر مولانا نے التفات نہیں کیا اور برابر وعظ کہتے رہے یہ بات لوگوں کو ناگوار ہوئی اور انھوں نے یہ کہا کہ مولانا آپ کیا کر رہے ہیں۔ اُٹھئے اور جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے تبرکات کی تعظیم دیجئے۔ مولانا اسپر بھی نہ اُٹھے۔ اسپر لوگوں کو اور اشتعال ہوا۔ اور انھوں نے اور سختی سے کہا۔ اسپر مولانا نے فرمایا۔ کہ اول تو یہ تبرکات مصنوعی ہیں پھر میں اسوقت بحیثیت نیابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غرض تبلیغ انجام دے رہا ہوں لہذا میں نہیں اٹھ سکتا۔ اس جواب کو سنکر اور شغب ہوا۔ اور فساد تک نوبت پہنچی۔ مگر چونکہ مولانا کے ساتھ بھی فدائی بہت تھے اسلئے فساد نے کوئی خطرناک صورت اختیار نہ کی اور صرف زبانی ہی تو تو میں میں تک قصہ رہگیا۔ یہ زمانہ اکبرشاہ ثانی کا تھا۔ اور اکبرشاہ اس خاندان کا بہت معتقد تھا۔ لوگوں نے جاکر بادشاہ سے حضرت مولانا کی بہت شکایتیں کیں۔ اس قصہ کو یہاں چھوڑکر ایک دوسری بات عرض کرتا ہوں۔ شاہ عالم کے وقت میں جو معاہدہ انگریزوں سے ہوا تھا۔ اسمیں بادشاہ کے اختیارات قلعہ اور شہر اور اُسکے اطراف اور قطب صاحب اور اسکے اطراف تک محدود تھے۔ لیکن اکبرشاہ کے وقت میں یہ اختیارات صرف قلعہ اور شہر تک رہگئے تھے۔ اس جملہ معترضہ کے بعد اب پھر قصہ بیان کرتا ہوں جب مولانا کی بادشاہ تک شکایتیں پہنچیں۔ تو بادشاہ نے مولانا کو بلوایا۔ اور ان سے حوض کے واقعہ کی تفصیل دریافت کی۔ مولانا نے پورا واقعہ بیان فرمادیا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ میں نے یہ بھی کہا تھا کہ تبرکات مصنوعی ہیں۔ اور ان کی تعظیم ہمارے ذمہ نہیں ہے اکبر بادشاہ نے کسیقدر تیز لہجہ میں کہا کہ عجیب بات ہے کہ آپ انکو مصنوعی کہتے ہیں۔ مولانا نے مسکراتے ہوئے اور نہایت نرم لہجہ میں فرمایا کہ میں تو کہتا ہی ہوں۔ مگر آپ اس کو مصنوعی سمجھتے بھی ہیں۔ اور معاملہ بھی انکے ساتھ ایسا ہی کرتے ہیں

اکبرشاہ نے تعجب سے کہا۔ کہ یہ کیسے مولانا نے فرمایا۔ کہ اسکا ثبوت یہ ہے کہ سال بھر میں دو دفعہ وہ تبرکات آپکی زیارت کے لئے آتے ہیں اور آپ ایک دفعہ بھی انکی زیارت کیلئے نہیں تشریف لے گئے۔ یہ سُنکر اکبرشاہ چُپ رہگیا۔ اوسکے بعد مولانا نے کسی سے فرمایا۔ کہ ذرا قرآن شریف اور بخاری شریف لاؤ۔ چنانچہ وہ دونوں لائے گئے۔ اور آپ نے انکو ہاتھ میں لیکر واپس کرایا اور اسکے بعد یہ تقریر فرمائی۔ کہ ان تبرکات میں اول تو یہی کلام ہے کہ وہ مصنوعی ہیں یا اصلی لیکن اگر انکو واقعی مان بھی لیا جاوے۔ تب بھی اکثر تبرکات جیسے چادر اور قدم وغیرہ ایسے ہیں جن میں کوئی شرف ذاتی نہیں بلکہ اون میں محض تلبس سے شرف آیا ہے۔ لیکن قرآن شریف کے کلام اللہ ہونے میں کسی کو شبہ نہیں۔ علی ہذا بخاری شریف بھی قریب قریب بالاتفاق اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے۔ اس لئے اسکا کلام رسول ہونا بھی ناقابل انکار ہے اور کلام اللہ و کلام رسول کے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اوڑہی ہوئی چادر وغیرہ سے اشرف ہونے میں بھی کسی کو کلام نہیں ہوسکتا مگر باوجود ان تمام ناقابل انکار باتوں کے کلام خدا و کلام رسول تمہارے سامنے آیا۔ مگر تم لوگوں نے ان کی کوئی تعظیم نہ دی۔ بلکہ برابر اسی طرح بیٹھے رہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ آپ حضرات تبرکات کی تعظیم انکے شرف کی وجہ سے نہیں کرتے۔ بلکہ محض ایک رسم پرستی ہے۔ اور کچھہ نہیں۔ اس مضمون کو مولانا شہید نے نہایت بسط اور واضح تقریر میں ادا فرمایا جب مولانا تقریر فرمارہے تھے۔ تو بادشاہ گردن جھکائے ہوئے خاموش بیٹھا ہوا تھا اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے اسی سلسلہ میں یہ بھی ہوا کہ بادشاہ ہاتھوں میں اور پاؤں میں سونے کے کڑے پہنے ہوئے تھا اور اُسکے پاس ایک شاہزادہ بیٹھا ہوا تھا جسکے ڈاڑہی منڈی ہوئی تھی مجھے اس شاہزادے کا نام بھی یاد تھا۔ مگر اب یاد نہیں رہا حضرت مولانا نے فرمایا کہ شاہزادہ تو چلتا گھڑا ہے کہ پچاس برس شاہ عبدالعزیز کا وعظ سُنا مگر اب تک ڈاڑہی نہیں رکھوائی اور بادشاہ کی نسبت بھی کچھہ فرمایا جو مجھے یاد نہیں رہا اسکا اثر یہ ہوا کہ شاہزادہ نے ڈاڑہی رکھوالی اور بادشاہ نے کڑے اتار دیئے۔

حاشیہ حکایت (۱۶) قولہ اسکا اثر یہ ہوا الخ اقول یہ بھی بڑی اہمیت ہے

ان سلاطین کی نیز اثر ہے حضرت مولانا کے خلوص وللہیت کا بھی (رشت)

(۱۷) خانصاحب نے فرمایا۔ کہ میں نے حکیم خادم علی صاحب اورنگ آبادی سے سُنا ہے۔ کہ ایک مرتبہ مولوی اسمٰعیل صاحب شہید اور آپ کے کچھ ساتھی جن میں میں بھی تھا شکار کے لئے چلے قطب صاحب کے پرلی طرف میل بھر کے فاصلہ پر ایک گشائیں رہتا تھا۔ جو کہ مرتاض تھا اور اسکے چیلے اوسکے پاس رہتے تھے اسکے کُٹی کے اطراف میں مور بہت زیادہ تھے ہندوؤں کے نزدیک مور بہت عظمت کی چیز ہے۔ مولانا نے بندوق سے ایک مور کا شکار کر لیا اسپر اس گشائیں کے چیلوں میں ایک شور مچ گیا اور گشائیں سمیت سب کے سب مولانا اور اسکے ہمراہیوں سے لڑنے کے لئے آئے۔ مولانا کے ہمراہی بھی مقابلہ کے لئے تیار ہو کر اُدھر کو چلے مولانا نے اپنے ہمراہیوں سے فرمایا کہ خبردار جبتک میں اجازت نہ دوں تم کچھ نہ بولنا اور فرمایا۔ تم ذرا نرمی کرو انشاء اللہ ہم مور اسکو کھلا کر چلیں گے اور یہ کہکر مولانا مسکراتے ہوئے گشائیں کی طرف بڑھے اور اسکا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ گشائیں صاحب ذرا میری بات سُن لیجئے۔ اوسکے بعد جو آپ کے جی میں آئے کیجئے ہم آپ کے پاس موجود ہیں کہیں جاتے نہیں ہیں غرض اس قسم کی نرم گفتگو سے اسکو نرم کیا اوسکے بعد آپ نے مناسب طور سے اوسے اسلام کی دعوت دی اور دونوں جانب سے دیر تک اس معاملہ میں گفتگو رہی۔ اسکے بعد وہ گشائیں اور اسکے اکثر ہمراہی مشرف باسلام ہوئے اور کچھ لوگ گشائیں کو بھی اور مولانا کو بھی بُرا بھلا کہتے ہوئے رخصت ہو گئے۔ مولانا نے رات کو گشائیں کے پاس آرام فرمایا اور مور پکوا کر اسکو کھلایا۔ خادم علی صاحب فرماتے تھے کہ یہ میرے سامنے کا واقعہ ہے اور میں بھی اسوقت مولانا کے ساتھ تھا۔

حاشیہ حکایت (۱۷) قولہ وہ گشائیں اور اوسکے اکثر ہمراہی مشرف باسلام ہوئے اقول اسپر شعر یاد آگیا ؎ آہن کہ بپارس آشنا شد ٭ فی الحال بصورت طلا شد ٭ (رشت)

(۱۸) خانصاحب نے فرمایا کہ حکیم خادم علی صاحب نے فرمایا کہ ایک مجذوب

(باقی آئندہ)

دلی کی جامع مسجد کے پیچھے کی دوکانوں میں سے ایک دوکان میں رہتا تھا اور اوس زمانہ کے لوگ اوسکے نہایت معتقد تھے اور وہ مجذوب کبھی کبھی جامع مسجد کی ان سیڑہیوں پر آبیٹھتا تھا جو دریبہ کی جانب ہیں اور اسکی شکل اسقدر ہیبت ناک تھی کہ اکثر لوگ اوسکے خوف سے اس طرف کا راستہ چلنا چھوڑ دیتے تھے اور وہ اپنی کوٹھری میں بھی اور سیڑہیون پر بھی شیر کیطرح غرایا کرتا تھا۔ رات کے وقت تو اوسکی کوٹھری میں کوئی کبھی گیا ہی نہیں اگر کسیکو کچھ عرض معروض کرنی ہوئی تو بہت ڈرتے ڈرتے سیڑہیوں ہی پر کچھ کہہ لیتا تہا وہ مجذوب لوگونکو مارتا بھی تھا اور اینٹیں بھی پھینکتا تھا مولانا اسمٰعیل شہید نے ایک روز اسکی دوکان میں جانے کا ارادہ کیا احباب نے منع کیا مگر انہون نے کسی کی نہ سُنی اور دوکان میں پہونچ گئے مجذوب مولانا کو دیکھکر اسقدر زور سے غرایا کہ کبھی اسقدر نہ غرایا تھا مخالفین تو بہت خوش ہوئے کہ آج انپر مجذوب کی مار پڑیگی اور یہ یا تو مرجا ئینگے یا دیوانہ ہوجا ئینگے یا اور کوئی بلا نازل ہوگی مگر کچھ بھی نہ ہوا بلکہ وہ مجذوب تھوڑی دیر تو غرایا۔ لیکن اسکے بعد اسکا غرانا موقوف ہوگیا۔ اور دونوں کی باتون کی آواز آنے لگی نتیجہ یہ ہوا کہ دو گہنٹہ کے بعد مولانا اسکو نکال لائے اور باہر لاکر نماز پڑہوادی اوسکے بعد سے اوسکی یہ حالت ہوئی کہ برابر نماز پڑہنے لگا اور غرانا وغیرہ سب موقوف ہوگیا مگر کسیقدر دیوانگی باقی رہی۔

حاشیہ حکایت (۱۸) **قولہ** مار پڑیگی۔ **اقول** یعنی اوسکے تصرف باطنی سے کوئی سخت گزند پہونچے گا۔ **فائدہ** مگر ہر شخص کا یہ کام نہیں ناقص کو کبھی دنیوی ضرر کبھی دینی ضرر پہنچ جانا محتمل ہے (**ش ت**)

(۱۹) خانصاحب نے فرمایا کہ حکیم خادم علی صاحب فرماتے تھے کہ ایک شخص بڑے لوگون میں سے جنکا نام تو یاد نہیں مگر اتنا یاد ہے کہ انکو منشی صاحب کہتے تھے انھوں نے مولانا اسمٰعیل صاحب شہید سے اپنے یہاں مردانہ میں وعظ کہلایا۔ وعظ میں مولانا کی یہ حالت تھی کہ جو تڑاق پڑاق انکے وعظ مین ہوتی تھی اوس وعظ میں نہ تھی بلکہ لہجہ نہایت کمزور تھا۔ مولوی رستم علی خان بریلوی جو مولانا کے خازن

اور نہایت جان نثار تھے ان سے ان منشی صاحب نے دریافت کیا کہ آج مولانا کی آواز ابھرتی کیوں نہیں اسکا کیا سبب ہے چونکہ منشی صاحب مخلص تھے اور پوچھا بھی اصرار سے اسلئے انہوں نے جواب میں فرمایا کہ اس ضعف لہجہ کا سبب یہ ہے کہ مولانا پر تین وقت سے فاقہ ہے اور انہوں نے تین وقت سے کچھہ نہیں کھایا ہے منشی صاحب یہ سُنکر اوٹھے اور مولانا سے کہا کہ مولانا اب وعظ کو موقوف فرما دیجئے مجھے اور بھی ضروری کام ہیں وعظ موقوف ہوگیا اور وہ مولانا کو الگ ایک مکان مین لیگئے وہان اونکے سامنے کھانا رکھا مولانا یہ دیکھکر مسکرائے اور فرمایا منشی جی تم سے کسی نے کہدیا ہے مگر میں کھانا نہ کھاؤنگا انھون نے پوچھا حضرت کیون آپ نے فرمایا کہ میرے ساتھیون نے بھی کھانا نہیں کھایا ہے اور میں ان سے الگ کھانا نہیں کھاسکتا انہون نے ساتھیون کو بھی بلالیا اور سب کو کھانا کھلایا اور کئی وقت تک دعوت کی۔

حاشیہ حکایت (۱۹) قولہ میں ان سے الگ کھانا نہیں کھاسکتا۔

اقول یہ ادائے حقوق مرافقت ان حضرات کے ادنیٰ کمالات سے ہے (**ش ت**)

(۲۰) خانصاحب نے فرمایا۔ کہ میں نے میانجی محمدی صاحب اور حکیم خادم علی صاحب اور مولوی سراج احمد صاحب خورجوی اور میانجی رحیم داد صاحب خورجوی اور مولوی ذوالفقار علی صاحب دیوبندی اور مولوی فیض الحسن صاحب سہارنپوری سے سُنا ہے یہ حضرات فرماتے تھے کہ جب مولانا اسمٰعیل صاحب کے وعظوں کا زور شور ہوا تو اس زمانہ میں فدا حسین رسول شاہی کا بھی زور شور تھا (فدا حسین مذکور سرسید کی نانی کا بھائی تھا اور نہایت بددین صوفی تھا اور اسقدر با اثر تھا کہ شاہ عبدالعزیز صاحب کے ایک لائق شاگرد مولوی عبداللہ کو اور شاہ غلام علی صاحب کے ایک خاص مرید کو بھی تباہ کرچکا تھا) مولانا نے فدا حسین مذکور کے فتنہ کو دُور کرنے کی کوشش کی اور اُسکے مریدوں کے پاس پہونچکر اور اونکو پکڑ پکڑ کر اور فدا حسین کے جلسون میں جا جا کر امر بالمعروف کرنا شروع کیا۔ اسکا اثر یہ ہوا کہ فدا حسین کے کئی مرید تائب ہوکر مولانا کے حلقہ بگوش ہوگئے۔ اسپر فدا حسین کے مریدون کو بہت صدمہ ہوا اور وہ سب اکٹھے

ہو کر فدا حسین کے پاس آئے اور فدا حسین سے یہ کہا کہ آپ مولانا پر تصرف کیوں نہیں کرتے
فدا حسین نے اپنے سارے مجمع کو بٹھا کر ان سے یہ بات کہی کہ خبردار مولانا سے کبھی نہ
اُلجھنا دیکھو اگر بادشاہ یہ حکم دے کہ میرے قلمرو میں رات کے دس بجے کوئی شخص تنہا
یا بلا روشنی کے نہ نکلے اور پولیس کو حکم کر دے کہ جو کوئی اس حکم کی خلاف ورزی کرے
تو اوسے گرفتار کر لو۔ تو پولیس والے اس حکم کی تعمیل میں ہر ایسے شخص کو گرفتار کرکے
حوالات کر دینگے جو خلاف حکم شاہی رات کے وقت تنہا یا بلا روشنی کے جا رہا ہو خواہ وہ
بادشاہ کا دوست ہو یا کوئی اور۔ اور اگر وہ ایسا نہ کریں تو وہ نمکحرام اور شاہی مجرم ہیں
اب اگر وہ شخص بادشاہ کا مقرب ہونے کے زعم میں ان پولیس والوں کی مزاحمت
کرے تو اوسکی یہ مزاحمت حکم شاہی کی مزاحمت اور بادشاہ سے مقابلہ سمجھی جائیگی۔
پس ایسی حالت میں اسکا فرض ہے کہ وہ پولیس والونکی اطاعت کرے اور انسے
مزاحمت نہ کرے اگر وہ ایسا کریگا تو جب بادشاہ کے سامنے پیش ہوگا بادشاہ اسے
خود رہا کردیگا جب یہ معلوم ہوگیا۔ تو اب سمجھو کہ مولانا حق تعالے کے مامور ہیں ان سے
مزاحمت کرنا حق تعالے سے مزاحمت کرنا ہے اسلئے تم انکی مزاحمت نہ کرو بلکہ حق تعالے
سے آشنائی پیدا کر لو۔ جب تم اسکے سامنے پیش ہوگے وہ خود تم کو رہا کر دیگا پس تم
خبردار مولانا سے کبھی نہ الجھنا۔

حاشیہ حکایت (۲۰) قولہ تم انکی مزاحمت نہ کرو بلکہ حق تعالے سے
آشنائی پیدا کر لو۔ **اقول** اس شخص کی تقریر مرکب ہے ایک اقرار ایک دعوے سے
اقرار یہ کہ مولانا سے مزاحمت جائز نہیں یہ اقرار مقر پر حجت ہے اور دعوی یہ کہ ہم موجودہ
حالت میں خدا تعالے کے دوست ہیں یا ہو سکتے ہیں یہ دعوی بلا دلیل بلکہ خلاف دلیل
غیر مسموع ہے (**ش ت**)

(۲۱) خانصاحب نے فرمایا۔ کہ مجھہ سے میرے استاد میانجی محمدی صاحب
نے اور حکیم خادم علی صاحب نے اور مولوی عبد القیوم صاحب نے اور ان کے علاوہ
اور بہت سے لوگوں نے بیان کیا کہ فدا حسین جب اکبری مسجد کے نیچے سے نکلتا

جس میں شاہ عبدالقادر صاحب رہتے تھے تو بھاگ کر نکلتا تھا لوگون نے اسکا سبب پوچھا تو اس نے کہا۔ کہ جب مین اس مسجد کے نیچے آتا ہون تو جو کچھ میرے قلب میں ہے سب سلب ہوجاتا ہے اور جب مسجد کی حد سے خارج ہوجاتا ہون پھر آجاتا ہے۔

حاشیہ حکایت (۲۱) قولہ جو کچھ میرے قلب میں ہے سب سلب ہوجاتا ہے **اقول** جاء الحق وزہق الباطل کا یہ ایک ظہور ہے (**تشت**)

(۲۲) خانصاحب نے فرمایا۔ کہ مجھ سے مولوی عبدالقیوم صاحب داماد جناب مولانا شاہ محمد اسحٰق صاحب نے بیان فرمایا کہ تحصیل سکندر آباد ضلع بلند شہر میں جو شاہ صاحب کے خاندان کے گاؤن تھے۔ انکی تحصیل کے لئے مولانا اسمٰعیل صاحب شہید جایا کرتے تھے ایکمرتبہ مولوی اسمٰعیل صاحب بیمار ہوگئے اسلئے اس مرتبہ مولوی شاہ رفیع الدین صاحب کے چھوٹے بیٹے کو بھیجنا چاہا۔ اور چونکہ مولوی اسمٰعیل صاحب کو دیہات کے حالات معلوم تھے کیونکہ وہ ہی تحصیل کے لئے جایا کرتے تھے اسلئے انسے دیہات کے حالات پوچھے تاکہ تحصیل مین آسانی ہو مولانا نے تمام واقعات وحالات بتلا دیئے اور یہ بھی بتلا دیا کہ میں آتے جاتے غازی آباد میں فلاں بھٹیاری کے یہاں ٹھہرا کرتا ہون (اور بھٹیاری کا پورا پتہ بتلا دیا) اور اسکو اسقدر دیا کرتا ہون تم بھی وہیں ٹھہرنا۔ اور اس سے یہ کہدینا کہ مین اسمٰعیل کا بڑا بھائی ہون مولوی موسےٰ یہ ہدایات لیکر روانہ ہوگئے اور بھٹیاری کے یہاں پہونچے اوسنے انکی بھی اسیطرح خاطر کی جسطرح وہ مولانا کی کیا کرتی تھی۔ رات کے وقت اوسنے مولوی موسیٰ کی چارپائی کے نیچے دو لوٹے پانی کے اور ایک چٹائی اور ایک جانماز رکھدی۔ مولوی موسےٰ نے کہا۔ کہ تم یہ سامان کیون کرتی ہو نہ لوٹوں کی ضرورت ہے نہ چٹائی کی اور نہ جانماز کی۔ جب صبح ہوگی مسجد میں جاکر نماز پڑھ لینگے۔ بھٹیاری نے تعجب سے انکی طرف دیکھا اور کہا کہ میں تو تمہاری صورت دیکھکر ہی سمجھ گئی تھی کہ تم مولوی اسمٰعیل کے بھائی نہیں ہو۔ (کیونکہ یہ شاہ صاحب کے خاندان میں سیاہ فام تھے) اور اب تو تمہارے اس کہنے سے یقین ہوگیا۔ مولوی اسمٰعیل بھی صبح کی نماز مسجد ہی مین پڑھتے تھے مگر وہ تھوڑی دیر

باقی آئندہ

سُو کر اٹھ بیٹھتے اور وضو کرکے صبح تک نفلوں مین قرآن پڑہتے رہتے تھے اور تم کہتے ہو کہ مجھے پانی وغیرہ کی ضرورت نہیں اور یہ بھی کہتے ہو کہ میں بڑا بھائی ہون۔ میں تو سمجھتی تھی کہ تم بڑے بھائی ہو تو ان سے عابد بھی زیادہ ہوگے مگر تم تو کچھ بھی نہ نکلے۔ مولوی موسیٰ کہتے تھے کہ میں بھٹیاری سے یہ بات سُنکر مارے شرم کے پانی پانی ہوگیا اور مجھے کوئی جواب نہ بن آیا۔

حاشیہ حکایت (۲۲) قولہ اس کہنے سے یقین ہوگیا **اقول** یعنی یہ کہ تم اونکے بھائی نہیں ہو **قولہ** تم بڑے ہو تو اُنسے عابد بھی زیادہ ہوگے **اقول** یعنی اصل یہی ہے کہ عمر کی زیادتی کے ساتھ کمالات دین میں بھی ساتھ ساتھ ترقی ہوتی رہے (**ش ت**)

(۲۳) خانصاحب نے فرمایا۔ کہ ایک شخص غیر مقلد تھے جن کا نام اسوقت مجھے یاد نہیں۔ یہ شخص دلی کی جامع مسجد میں حوض پر بیٹھے وضو کر رہے تھے۔ مولانا محمد قاسم صاحبؒ بھی حوض پر وضو کے لئے تشریف لائے۔ اور اون غیر مقلد کو سلام کیا اونھون نے سختی سے کہا کہ تم مجھے سلام نہ کیا کرو میں تمہارا اسلام لینا پسند نہیں کرتا مولانا نے وجہ دریافت کی تو کہا کہ تمہارے عقائد اچھے نہیں ہیں۔ مولانا مسکرائے اور مسکرا کر فرمایا کہ ملاجی میں تمہیں اچھا جانتا ہون۔ اسلئے میں تمہیں سلام نہ چھوڑونگا۔ ہاں تم مجھے بُرا جانتے ہو تم جواب نہ دیا کرو۔

حاشیہ حکایت (۲۳) قولہ ملاجی میں تمہیں الی **قولہ** جواب نہ دیا کرو۔ **اقول** سُبحان اللہ اخلاق یہ ہیں اور کمالات یہ ہیں اور اس سے غیر مقلدی کا مستحسن ہونا نہ سمجھ لیا جاوے اسواسطے کہ اچھا ہونا مختلف اعتبارات سے ہوسکتا ہے کہ اہل کمال اپنے سے اچھا سمجھنے میں اون ہی اعتبارات پر نظر کرتے ہیں (**ش ت**)

(۲۴) خانصاحب نے فرمایا۔ کہ مدرسہ عبدالرب پہلے امام کی گلی کی طرف تھا۔ اور اس میں مولوی احمد حسن صاحب امروہی و مولوی فخرالحسن صاحب گنگوہی مدرس تھے۔ مولانا محمد قاسم صاحبؒ اس زمانہ میں منشی ممتاز علی صاحب کے مطبع میں کام کرتے تھے۔ اور مولوی احمد حسن اور مولوی فخرالحسن صاحبان کی وجہ سے اکثر مدرسہ میں سویا کرتے

تھے۔ ایک روز مدرسہ کی چھت پر تین چارپائیاں بچھی ہوئی تھیں ایک مولوی احمد حسن صاحب کی اور ایک مولانا کی ایک امیر کی (امیر سے مراد خود خانصاحب ہیں) اور ہم اسوقت سونے کے لئے لیٹے تھے۔ اوس زمانہ میں ایک گنبد والی مسجد میں (جو اوس گلی میں واقع ہے۔ جو حکیم محمود خانصاحب کے مکان سے چاوڑی بازار کو جاتی ہے) ایک امام رہتے تھے۔ جو قرآن اچھا پڑھتے تھے۔ یہ شخص پہلے خوش عقیدہ تھے مگر بعد کو بدعتی ہوگئے تھے۔ اور مولانا کو برا بھلا کہتے تھے۔ مگر مجھے یہ حالت اونکی معلوم نہ تھی۔ میں نے مولوی احمد حسن صاحب سے کہا کہ صبح کو ایک گنبد والی مسجد میں نماز پڑہینگے۔ کیونکہ وہاں کے امام قرآن اچھا پڑھتے ہیں مولوی احمد حسن صاحب سے بے تکلفی تھی انہوں نے کہا کیا بکتا ہے بے۔ تو کچھ احمق ہوگیا ہے کیا وہ اس قابل ہے کہ اوسکے پیچھے نماز پڑہی جاوے وہ ہمارے مولانا کی تکفیر کرچکا ہے اور اونکو برا بھلا کہتا ہے۔ یہ سُنکر مولانا فوراً اُٹھ بیٹھے اور فرمایا۔ کہ احمد حسن تم ان کو احمق کہتے ہو تم خود احمق ہو میں ان امام صاحب کو بہت اچھا جانتا ہون۔ اور یہ بھی اونکی دینداری کی بات ہے کہ وہ مجھے بُرا سمجھتے ہیں کیونکہ وہ میری باتون کو اپنے نزدیک خلافِ دین سمجھتے ہیں اسلئے برا سمجھتے ہیں اگر وہ میری باتون کو سمجھتے ہوتے تو کبھی بُرا نہ کہتے۔ پس یہ ان کا مجھے بُرا کہنا عین دینداری ہے اور اگر ایسی حالت میں وہ مجھے اچھا کہیں تو یہ اچھا کہنا خلاف دینداری ہے اور فرمایا۔ کہ ہمارے بزرگون کا یہی طریق ہے چنانچہ مولانا اسمٰعیل صاحب شہیدؒ کے زمانہ میں عیدگاہ کے امام حاجی قاسم تھے جو مولانا کے سخت مخالف تھے اور مولانا کو بہت بُرا بھلا کہتے تھے بلکہ کُھلی کُھلی تکفیر کرتے تھے ایک مرتبہ عید کا زمانہ آیا اور لوگون نے دریافت کیا کہ حضرت آپ عید کی نماز کہان پڑہیں گے مولانا نے فرمایا کہ عیدگاہ میں۔ لوگ متحیرانہ طور پر خاموش ہوگئے۔ مولانا نے انکے تحیر کو سمجھکر ان سے پوچھا کہ تحیر کی کیا بات ہے انھون نے عرض کیا کہ حضرت وہ تو آپ کی تکفیر کرتے ہیں اور ایسے ہیں ویسے ہیں آپ نے فرمایا کہ یہ اونکی عین دینداری ہے میری باتیں اونکی سمجھ میں نہیں آتیں۔ اور انکے نزدیک میں خلاف دین باتیں کرتا ہون اسلئے میری تکفیر کرتے ہیں اور مجھے برا جانتے ہیں۔ اھ۔ یہ قصہ ختم ہوگیا اور ہم سوگئے

جب صبح ہوئی تو مولانا مجھے اپنے ہمراہ لیگئے اور صبح کی نماز ایک گنبد والی مسجد میں اونہی امام کے پیچھے پڑہی۔

حاشیہ حکایت (۲۴) **قولہ** تم خود احمق ہو **اقول** جسطرح حق تعالےٰ کو حق ہے آدم علیہ السّلام کی نسبت عصیٰ فرمانے کا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو حق ہے حضرت ابوذر غفاریؓ کو انک امرء فیک جاھلیۃ فرمانیکا اور دوسروں کو یہ حق نہیں اسیطرح اکابر دین کو حق ہے اپنے اصاغر کو کچھ کہہ لینے کا اور دوسروں کو یہ حق نہیں۔ **قولہ** میں امام صاحب کو اچھا جانتا ہوں الخ **اقول** اگر شبہ پڑے کہ مبتدع کی مدح کیسے فرمائی جواب وہی ہے جو حکایت (۲۳) کے حاشیہ میں غیر مقلدی کے استحسان کے جواب میں گذرا اور اس اعتبار کو آگے خود ذکر بھی فرمادیا فی قولہ کیونکہ وہ میری باتوں کو الخ **قولہ** اون ہی امام کے پیچھے پڑہی **اقول** مبتدع کے پیچھے اقتداء کا شبہ نہ کیا جاوے کیونکہ اول تو ممکن ہے کہ وہ اجتہادی بدعات میں مبتلا ہوں دوسرے کراہتہ اقتداء عدم ضرورت کی حالت میں ہے اور یہاں ضرورت تھی اصلاح اصحاب کی اور گو قول سے بھی اصلاح ہوسکتی تھی مگر فعلی اصلاح اقوی وارسخ ہے اور ان ضرورتوں کو اہل الفاظ نہیں سمجھ سکتے صرف اہل معانی کے ساتھ خاص ہے (**اشت**)

(۲۵) خانصاحب نے فرمایا کہ مولانا نانوتوی وعظ نہ کہتے تھے۔ اگر کوئی بہت ہی اصرار کرتا۔ تو کہدیتے تھے ایک مرتبہ کسی نے اصرار کیا تو فرمایا وعظ ہم لوگوں کا کام نہیں۔ اور نہ ہمارا وعظ کچھ مؤثر ہوسکتا ہے۔ وعظ کام تھا مولانا اسمٰعیل صاحب شہید کا اور انہی کا وعظ مؤثر بھی تھا دیکھو اگر کسیکو پاخانہ پیشاب کی حاجت ہو تو اُسکے قلب میں اوسوقت تک بیچینی رہتی ہے جب تک وہ ان سے فراغت حاصل نہ کرلے اور اگر وہ کسی سے باتوں میں بھی مشغول ہوتا ہے یا کسی ضروری کام میں لگا ہوتا ہے تو اوسوقت بھی اوسکے قلب میں پاخانہ پیشاب ہی کا تقاضا ہوتا ہے اور طبیعت اوسکی اسی طرف متوجہ ہوتی ہے اور وہ چاہتا ہے کہ جلد سے جلد اس کام سے فراغت پاکر قضائے حاجت کے لئے جاؤں سو واعظ کی اہلیت وعظ اور اوسکے وعظ کے تاثیر

سکے لئے کم از کم اتنا تقاضائے ہدایت تو ضرور ہونا چاہیئے جتنا کہ پاخانہ پیشاب کا۔ اگر اتنا بھی نہ ہو تو نہ واعظ وعظ کا اہل ہے اور نہ اوسکا وعظ مؤثر ہو سکتا ہے ہم لوگوں کے قلوب میں ہدایت کا اتنا تقاضا بھی نہیں۔ جتنا کہ پاخانہ پیشاب کا۔ اسلئے ہم نہ وعظ کے اہل ہیں اور نہ ہمارا وعظ مؤثر ہو سکتا ہے ہاں یہ تقاضا مولوی اسمٰعیل صاحب کے دل میں پورے طور پر موجود تھا اور جب تک وہ ہدایت نہ کر لیتے تھے اونکو چین نہ آتا تھا چنانچہ وہ ایک ایک دن میں بیس بیس جگہ وعظ کہتے تھے اسلئے وہ وعظ کے اہل تھے اور اون کا وعظ مؤثر بھی ہوتا تھا۔

حاشیہ حکایت (۲۵) قولہ اونکو چین نہ آتا تھا **اقول** یہ اثر لازم ہے شفقت کاملہ کا اور اس بے چینی کے ممنوع ہونیکا ان آیات سے شبہ نہ کیا جاوے قولہ تعالےٰ واصبر وما صبرک الا باللہ ولا تحزن علیھم ولا تک فی ضیق مما یمکرون وقولہ تعالےٰ لعلک باخع نفسک ان لا یکونوا مومنین وقولہ تعالےٰ اما من استغنی فانت لہ تصدی وقولہ تعالےٰ من اھتدی فانما یھتدی لنفسہ ومن ضل فانما یضل علیھا وما انت علیھم بوکیل ونحوھا من الآیات۔ کیونکہ مراد ان آیات میں وہ درجہ ہے جسکا اشتغال مخل ہوا فضاء الی الاخلال فی الضروریات الدنیویۃ او الدینیۃ کو (اشت)

(۲۶) خانصاحب نے فرمایا۔ کہ ایک شخص پنجابی ڈاکٹر مکہ معظمہ گیا تھا حافظ..... کی بیوی سے ان کا نکاح ہو گیا تھا۔ اس نکاح میں کچھ باتیں حضرت حاجی صاحب کی طبیعت کے خلاف بھی ہوئیں تھیں اور یہ ڈاکٹر کچھ اچھا آدمی بھی نہیں تھا چنانچہ میں اسکو مکہ جانے سے پہلے سے جانتا تھا اس ڈاکٹر نے ایک مرتبہ گستاخانہ طور پر حضرت حاجی صاحب سے کہا کہ مجھے آپکے اندر کوئی کمال نظر نہیں آتا۔ رہی آپکی شہرت سو یہ مولوی رشید احمد صاحب اور مولوی محمد قاسم صاحب کی وجہ سے ہوئی ہے۔ پھر مجھے حیرت ہے کہ مولوی رشید احمد صاحب اور مولوی محمد قاسم صاحب آپ سے کسطرح بیعت ہو گئے۔ اللہ رے نفوس قدسیہ کہ اسکو سنکر ذرا تغیر نہیں ہوا اور مسکرا کے فرمایا کہ ہاں بھائی بات تو بہت ٹھیک کہتے ہو مجھے خود بھی حیرت ہے کہ یہ حضرات میرے کیوں معتقد ہو گئے اور لوگ مجھے کیوں مانتے ہیں

(باقی آئندہ)

حاشیہ حکایت (۲۶) قولہ ہاں بھائی بات تو بہت ٹھیک کہتے ہو اقول
یہ شبہ نکیا جاوے کہ غیر ٹھیک کو کیسے ٹھیک فرمادیا اور ٹھیک بات کیوں نہ تبلادی بات یہ ہے
کہ چونکہ ان حضرات کی نظر ہمیشہ کمالات موجودہ سے آگے کے کمالات پر ہوتی ہے اونکے
اعتبار سے ملنے کمالات موجودہ کو کمال نہیں سمجھتے اس اعتبار سے نفی کمال کو ٹھیک فرمادیا
باقی اصلی بات کا نہ تبلانا اوسکی وجہ نااہل سے غیرت فی الدین ہے کما قال الشیرازیؒ ؎
با مدعی گوئید اسرار عشق و مستی ٭ بگذار تا بمیرد در رنج خود پرستی (دشت)

(۲۷) خانصاحب نے فرمایا کہ حکیم عبد السلام صاحب ملیح آبادی کو مولانا نانوتویؒ
کی خدمت مین جانیکا بہت شوق تھا مجھ سے فرمایا کرتے تھے کہ جب تو حضرت مولانا کی خدمت
میں جاوے مجھے اپنے ساتھ ضرور لے جانا۔ لیکن مجھ بدنصیب کے دلمیں ایک خیال جم گیا
تھا اور وہ یہ کہ حکیم صاحب بہت خوش بیان اور گویا آدمی ہیں۔ واجد علی شاہ کے طبیب
خاص بھی رہے ہیں اور حضرت مولانا کی خوش بیانی اور پر گوئی (یعنی بسط فی الکلام)
یا تو وعظ مین ہوتی ہے یا سبق پڑہانے میں اور معمولی گفتگو انکی قصیاتی ہے اور یہ زمانہ
مولانا کی علالت کا تھا اور اسباق نہ ہوتے تھے اسلئے ایسا نہ ہو کہ مولانا سے ملنے کے بعد
یہ انکو خاطر میں نہ لائیں اور ان سے بداعتقاد ہو جائیں اور اختلاف خیال کے سبب میرے
اور انکے لطف صحبت میں رخنہ واقع ہو بنا برین جب میں حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر
ہوا تو انکو ساتھ نہ لے گیا جب میں واپس آیا تو بہت ناخوش ہوئے۔ اتفاق سے پھر
دوبارہ مولانا کی خدمت میں حاضر ہونیکا ارادہ ہوا مگر اس مرتبہ بھی مینے ان سے اطلاع
نہیں کی لیکن حکیم صاحب کو کسی ذریعہ سے میرا ارادہ معلوم ہو گیا۔ اور وہ خود بخود ہاتھ میں
بیگ لئے ہوئے میرے پاس آگئے اور کہا کہ میں بھی تیرے ساتھ چلونگا اب تو میں مجبور ہو گیا
اور ہم تین آدمی میں اور حکیم صاحب اور محمد خانصاحب خورجوی مولانا کی خدمت میں روانہ
ہوگئے جسوقت ہم دیوبند پہنچے ہیں اوسوقت آفتاب غروب ہو گیا تھا اور ہم نے مغرب کی
نماز اوس مسجد مین پڑہی جہاں بیگے کھڑے ہوتے ہیں۔ نماز پڑہکر ہم تینوں پیدل حضرت
مولانا کی خدمت میں روانہ ہوگئے۔ مولانا اوس زمانہ میں مولوی محمود حسن صاحب کے

۲۹

مکان پر رہتے تھے۔ جب مولوی محمود حسن صاحب کا مکان تقریباً پچاس قدم رہگیا تو میں محمد خان
کو حکیم صاحب کے ساتھ چھوڑ کر آگے بڑھ گیا اور ان سے پہلے مولانا کے پاس پہنچ گیا۔ مولانا کا
لباس اوسوقت یہ تھا سر پر میلا اور پھٹا ہوا عمامہ تھا جسمیں لیرے پڑے ہوئے تھے اور چونکہ
سردی کا زمانہ تھا اسلئے ایک دہوتر کی نیلی رنگی ہوئی مرزئی پہنے ہوئے تھے جسمیں جھول ہوتے تھے اور نیچے پائجامہ
(کرتہ پہنتے ہی نہ تھے) اور نہ انگرکھا تھا اور ایک رضائی اوڑھے ہوئے تھے جو نیلی رنگی ہوئی تھی۔ اور
جسمیں موٹی کی گوٹ لگی ہوئی تھی جو پھٹی ہوئی تھی اور کہیں تھی اور کہیں بالکل اڑی ہوئی تھی میں نے
سلام کرکے مصافحہ کیا اور عرض کیا کہ حکیم عبد السلام حضور کی زیارت کے لئے آرہے ہیں۔
تو مولانا یہ سمجھے کہ یہ مولوی عبد السلام ہسوی ہیں جو شاہ احمد سعید صاحب کے خلیفہ اور شاہ عبد الغنی
صاحب کے حدیث میں شاگرد تھے میں نے عرض کیا کہ حضرت مولوی عبد السلام ہسوی نہیں۔
بلکہ حکیم عبد السلام ملیح آبادی ہیں جو مفتی حسین احمد صاحب کے لڑکے ہیں مولانا مفتی صاحب سے
واقف تھے اسلئے انھوں نے ان کو پہچان لیا۔ یہ گفتگو ہو چکی تھی اتنے میں محمد خان حکیم صاحب
کو لئے ہوئے مولانا کی خدمت میں آپہونچے جسوقت یہ دونوں آئے ہیں اوسوقت مجلس کا
یہ رنگ تھا کہ دروازہ کے سامنے مولوی ذو الفقار علی صاحب بیٹھے ہوئے تھے اور انکے برابر میں
مظفر نگر کے ایک عالم بیٹھے ہوئے تھے جنکا نام مجھے یاد نہیں اور مولانا ایک طرف کو چار پائی
سے کمر لگائے بیٹھے ہوئے تھے اور اونکے برابر میں دیوبند کے ایک صاحب بیٹھے ہوئے تھے
جو لباس بھی عمدہ پہنے ہوئے تھے اور ڈاڑھی بھی شاندار تھی اوسی مجلس میں مولوی عبد الکریم پنجابی مولانا
کے شاگرد بھی تھے جب حکیم عبد السلام پہونچے تو سب لوگ انکی تعظیم کے لئے کھڑے ہوگئے۔
حکیم صاحب مولانا کے دہوکہ میں تمام شاندار لوگوں سے مصافحہ کرتے ہیں مگر مولانا کی طرف
متوجہ نہیں ہوتے جب میں نے یہ حالت دیکھی تو میں نے بتلایا کہ مولانا یہ ہیں وہ مولانا سے
مصافحہ کرکے انکے قریب ہی بیٹھ گئے اور نہایت لسانی سے گفتگو شروع کر دی اور عشا کی نماز
کے بعد تک برابر گفتگو کرتے رہے کبھی لکھنؤ کے مناظروں کی کیفیت بیان کرتے کبھی مرزا حسن علی
محدث کے حالات بیان کرتے کبھی اسکولی قصہ بیان کرتے غرض کہ پورا جلسہ انہی کی گفتگو
میں ختم ہوگیا اور مولانا کچھ نہیں بولے صرف انکی باتوں پر کبھی جی ہاں حضرت اور کبھی بجا ہے

فرمادیتے تھے جب جلسہ برخاست ہوا تو مولانا نے محمد خان اور حکیم صاحب کو چھتے کی مسجد میں
حاجی محمد عابد صاحب کے حجرہ کے اوپر جو مکان تھا اسمیں ٹھہرایا اور میں رات کو مولوی محمود حسن
صاحب کے مکان پر سویا صبح کو چھتے کی مسجد میں مولوی محمد یعقوب صاحب سے ملاقات ہوئی
ہم لوگ کچھ اونکے پاس بیٹھے کچھ حاجی محمد عابد صاحب کے پاس بیٹھے پھر مولانا کے یہاں جا بیٹھے
اور کھانے کے وقت تک مولانا ہی کی خدمت میں بیٹھے رہے اسوقت بھی حکیم صاحب ہی
باتیں کرتے رہے۔ تیسرے پہر کو حکیم صاحب مدرسہ کی سیر کو گئے اور تھوڑی تھوڑی دیر سب
مدرسوں کے درس میں بیٹھے مگر مولوی محمد یعقوب صاحب کے درس میں سب سے زیادہ بیٹھے۔
جب میں نے یہ دیکھا کہ حکیم صاحب پر ابتک مولانا کی حالت منکشف نہیں ہوئی تو مجھے اسکا
بہت صدمہ ہوا اور میں نے اسکی کوشش کی کہ کوئی علمی گفتگو ہو اور مولانا کچھ کھلیں اس کیلئے
میں نے مولوی محمود حسن صاحب سے بھی کہا کہ تم کوئی علمی بات مولانا سے دریافت کرو۔ اور
مولوی عبد الکریم صاحب سے بھی مگر ہر ایک نے یہ ہی کہا کہ مولانا کی طبیعت اچھی نہیں ہے۔ اگر
حکیم صاحب مولانا کے معتقد ہو جاویں تو کیا اور اگر غیر معتقد ہو جاویں تو کیا ہم تو مولانا کو تکلیف
نہ دینگے تمہارا جی چاہے تم خود پوچھ لو۔ میں نے انپر بہت زور دیا مگر کسی نے نہ مانا حتی کہ میری
ان صاحبوں سے لڑائی اور تو تڑاق بھی ہوگئی مگر انھوں نے کسیطرح نہ مانا حکیم صاحب نے
مدرسین کی حالت دیکھکر محمد خاں سے کہا کہ مولوی محمد یعقوب صاحب حدیث ایسی پڑھاتے
ہیں جیسے میرے والد پڑھاتے ہیں مگر مرزا حسن علی محدث کی سی نہیں پڑھاتے اور حضرت مولانا
کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ کہا کہ پیران نمی پرند مریدان می پرانند جب یہ بات مجھے معلوم
ہوئی تو مجھے بہت ملال ہوا اور میں نے مولوی محمود حسن صاحب کو بھی برا بھلا کہا اور مولوی
عبد الکریم سے تو لباڈگی ہوگئی (دوستی کے اور احکام ہیں اور معتقدانیت کے اور احکام) اور میں نے
کہا کہ میں نہ کہتا تھا کہ مولانا سے کوئی علمی بات پوچھ لو مگر تم نے میرا کہنا نہ مانا دیکھو حکیم عبد السلام
ایسا کہتے ہیں اونھوں نے اسپر بھی یہ ہی کہا کہ ہم تو مولانا کو تکلیف نہ دینگے چاہے حکیم عبد السلام
معتقد ہوں یا غیر معتقد خدا کی شان کہ اوسی روز حکیم مغیث الدین صاحب سہارنپوری کے صاحبزادے
حکیم مشتاق احمد صاحب مولانا کی خدمت میں آپہونچے اور مولانا سے عرض کیا کہ ایک پادری

۳۱

آکر قرآن پر یہ اعتراض کیا کہ قرآن میں توریت وانجیل کی نسبت محرف ہونیکا دعوی کیا گیا ہے اور قرآن ہی میں اسکا بھی اقرار ہے کہ خدا کے کلام کو کوئی بدل نہیں سکتا یہ قرآن کا صریح تعارض وتناقض بیان ہے یہ سُنکر مولانا کو جوش ہوا اور تقریر جواب شروع فرمادی اور دن کے آٹھ بجے سے کھانے کے وقت تک تقریر فرمائی اور حکیم مشتاق احمد صاحب کھانے کے بعد چلے گئے۔ ظہر کے بعد حکیم عبد السّلام نے پھر یہی مضمون چھیڑ دیا اور مولانا نے ظہر سے عصر تک یہی مضمون بیان فرمایا پھر عصر کے بعد سے مغرب تک یہ ہی مضمون بیان فرمایا اور مغرب سے عشاء تک یہی مضمون بیان فرمایا اور عشاء کے بعد پھر یہی مضمون شروع کر دیا اور حکیم عبد السّلام نہایت شوق سے اس مضمون کو سنتے اور بجا ہے حضور بجا ہے حضور کہتے رہے جب میں نے یہ دیکھا کہ رات بہت گذر گئی تو میں نے اشارہ سے حکیم عبد السّلام سے کہا کہ اب اُٹھ چلو مگر وہ نہیں اُٹھے تھوڑی دیر کے بعد میں نے پھر کہا پھر بھی نہ اٹھے جب بارہ بج گئے تب میں نے زور سے کہا کہ حکیم صاحب اب اُٹھئے بہت دیر ہو گئی اور اب مولانا کو آرام کرنے دیجئے

۳۲

تب حکیم عبد السّلام اُٹھے اور تقریر ختم ہوئی مولانا کو کھانسی کا مرض تھا مگر آج ایسا اتفاق ہوا کہ اثنائے تقریر میں ایک مرتبہ بھی کھانسی نہ اٹھی اور تقریر کی برجستگی میں ذرا بھی تامل نہیں آیا اب تو حکیم صاحب مولانا کے نہایت معتقد ہو گئے اور وہاں سے ٹھنڈی سانسیں بھرتے ہوئے اُٹھے مجھے انکی حالت تو معلوم ہو گئی مگر میں نے ان سے کچھ نہیں کہا۔ صبح کے وقت حکیم عبد السّلام اور ہم سب روانہ ہوئے۔ حکیم صاحب کو پہونچانے کے لئے مولوی محمود حسن حافظ احمد مولوی عبد الکریم اور دوسرے اشخاص اسٹیشن تک آئے اسٹیشن پر پہونچکر میں نے حکیم عبد السّلام کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے اور میں نے کہا کہ پرسوں جو کچھ آپ نے محمد خان سے فرمایا تھا وہ میں سُن چکا ہوں اب فرمائیے کہ آپ نے مولانا کو کیسا پایا اسپر حکیم صاحب نے فرمایا اسکا جواب ایک قصّہ پر موقوف ہے پہلے وہ قصہ سُن لو وہ قصّہ یہ ہے کہ باوجود نقشبندی مجددی ہونیکے اور باوجود شاہ عبد العزیز صاحب اور شاہ غلام علی صاحب سے مستفید ہونے کے میرے والد کے اندر چشتیت بہت غالب تھی حالانکہ وہ کبھی چشتی سے مستفید نہ ہوئے تھے اور اس بناء پر انکی یہ کیفیت تھی۔ کہ جس جگہ یہ چشتی بیٹھے

(باقی آیندہ)

کہ وہاں فلان شے خوبصورت ہے تو سفر کرکے اُسے دیکھنے جاتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ ونہیں
معلوم ہوا کہ جے پور میں کوئی تصویر بہت حسین ہے پس وہ اسے دیکھنے کیلئے جے پور روانہ
ہوگئے اور جاکر اسے دیکھہ آئے حالانکہ یہ سفر بہت لمبا ہے۔ بالخصوص اوس زمانہ کے
لحاظ سے اسیطرح اونکو معلوم ہوا کہ لکھنؤ سے بہت دُور مقام پر کسی کے یہاں ہانسی حصار
سے کوئی اونٹنی آئی ہے جو بہت خوبصورت ہے یہ سُنکر اوس اونٹنی کو دیکھنے روانہ ہوگئے
اور وہاں پہونچکر اوس اونٹنی کو دیکھا اور اسکی گردن میں ہاتھ ڈالکر اوسکا سر جھکایا اور اوسکی
پیشانی پر بوسہ دیکر فرمایا کہ کہاں ظہور فرمایا ہے غرض یہ اونکی حالت تھی اَب سُنو کہ لکھنؤ کے
اطراف میں ایک مقام پر ایک عالم رہتے تھے وہ ایک لڑکے پر عاشق تھے اور اوسکو بہت
محبت سے پڑہاتے تھے جب والد صاحب کو اوسکے حُسن کا قصہ معلوم ہوا تو وہ حسب عادت
اوسے دیکھنے کے لئے چلدیئے جس مسجد میں وہ عالم رہتے تھے اوسکے جنوب میں ایک سہ دری
تھی اور اوس سہ دری کے اندر بجانب غرب ایک کوٹھری تھی اور اوس کوٹھری کے آگے شمالاً وجنوباً ایک چارپائی
بچھی ہوئی تھی جسوقت والد صاحب پہنچے ہیں تو اوسوقت لڑکا کوٹھری کے اندر تھا اور وہ عالم اوس چارپائی سے کمر لگائے ہوئے
اور کوٹھری کی طرف پشت کئے ہوئے بیٹھے تھے والد صاحب اسباب رکھکر ان عالم سے
مصافحہ کرنے گئے جب یہ سہ دری میں پہونچے ہیں تو وہ لڑکا ان کو دیکھکر کوٹھری میں سے نکلا
والد صاحب نے مصافحہ کیلئے ہاتھ بڑہائے تھے کہ اونکی نظر اوس لڑکے پر پڑگئی بس مصافحہ تو
رہ گیا اور والد صاحب اوس لڑکے کو دیکھنے میں مستغرق ہوگئے ان عالم نے جب یہ دیکھا کہ
یہ مصافحہ کرنا چاہتے تھے مگر مصافحہ نہیں کرسکے تو انھوں نے منہ پھیر کر اپنے پیچھے دیکھا تو اونکو
معلوم ہوا کہ لڑکا کھڑا ہے اور یہ اوسکے دیکھنے میں مصروف ہیں جب انکو معلوم ہوا کہ یہ حضرت بھی
ہمارے ہمرنگ کے معلوم ہوتے ہیں تو انھوں نے اوس لڑکے کو آواز دی اور کہا کہ ان صاحب سے
مصافحہ کرو وہ لڑکا آیا اور اس نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑہائے اوسوقت ان عالم صاحب نے
یہ شعر پڑہا ؎ این ست کہ خون خوردہ ودل بردہ بسے را ٭ بسم اللہ اگر تاب نظر ہست کسے را ٭
یہ قصہ تو ختم ہوا اب جواب سُنو میری آرزو یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ مجھے اتنی قوت دے کہ میں
مرزا حسن علی محدث کو اور اپنے باپ کو اور مولوی اسمٰعیل صاحب کو اور فلاں فلاں کو قبروں میں سے

زندہ کرکے لاؤں اور اونکو مولانا کی تقریر سنواؤں اور اس شعر کو یوں پڑہوں ؎
اینست کہ خون خوردہ و دل بردہ بسے را ٭ بسم اللہ اگر تاب سخن ہست کسے را

حاشیہ حکایت (۲۷) قولہ خدا کے کلام کو کوئی بدل نہیں سکتا الخ اقول
غالباً یہ اشارہ ہے لا مبدل لکلماتہ کی طرف اور مولانا نے جو جواب ارشاد فرمایا ہے چونکہ وہ اس قصہ میں مذکور نہیں اسلئے ضرورت ہوئی کہ اسکا محل جواب بھی عرض کردیا جاوے سو وہ جواب یہ ہے کہ یہاں کلمات سے مراد خاص قرآن مجید ہے بقرینہ شروع آیت وھو الذی انزل الیکم الکتاب مفصلا اور اسکی عدم تبدیل کا سبب دوسری آیت میں ہے وانا لہ لحافظون اور کلمات سے مراد کلام ہے جیسا حدیث میں ہے اصدق ما قال الشاعر کلمۃ لبید ای کلام لبید **قولہ** کوئی تصویر الخ **اقول** مغلوبین معذور ہیں **قولہ** کہاں ظہور فرمایا ہے **اقول** دوسرے کو ایسا کہنا تقلیداً جائز نہیں ؎ لقمہ و نکتہ ہست کامل را حلال ٭ تو نۂ کامل مخور می باش لال **قولہ** ایک لڑکے پر عاشق تھے **اقول** دوسرے کو ایسا کرنا جائز نہیں ؎ کار پاکان را قیاس از خود مگیر ٭ گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر **قولہ** دیکھنے مین مصروف ہیں **اقول** اوپر گذر چکا ہے کہ ہر خوبصورت شے کے دیکھنے کو سفر کرتے تھے حتی کہ سفر کرکے اونٹنی کو دیکھنے گئے یہ صاف دلیل ہے کہ اونکی نظر شہوانی نہ تھی (**تمت**)

(۲۸) خانصاحب نے فرمایا کہ یہ بات میں نے اپنے کسی بزرگ سے نہیں سُنی مگر حکیم عبدالسلام صاحب فرماتے تھے کہ میرے تحقیق ہین سید صاحب مولوی اسمٰعیل صاحب و مولوی عبدالحی صاحب بھی شریک تھے مولوی عبدالحی صاحب نے وعظ فرمایا اور یہ کہا کہ اللہ تعالے اپنے نیک بندون کے اوقات مین بھی برکت عطا فرماتا ہے اور جو کام کئی روز مین نہیں ہوسکتا وہ اسکو چند گھنٹوں مین کرلیتے ہین چنانچہ بعض لوگ عصر سے مغرب تک قرآن شریف ختم کرلیتے ہین اور یہ مضمون اس انداز سے بیان فرمایا کہ جس سے معلوم ہوتا تھا کہ خود مولانا کو بھی یہ کرامت حاصل ہے اور مولوی اسمٰعیل صاحب کے متعلق تو صراحت کے ساتھ فرمایا کہ یہ عصر سے مغرب تک قرآن شریف ختم کرلیتے ہیں اس بنار پر لوگ مولوی اسمٰعیل صاحب کو لپٹ گئے اور کہا کہ حضرت ہم کو بھی اس کرامت کا مشاہدہ کرا دیجئے چنانچہ گومتی کے پل پر لوگ اکٹھے ہوئے اور مولانا نے ہزاروں آدمیون کے مجمع میں عصر سے

۳۴

مغرب تک قرآن شریف ختم کردیا یہ قصہ بیان فرماکر خانصاحب نے فرمایا کہ میرے زمانہ میں سید صاحب اور مولوی اسمٰعیل صاحب اور مولوی عبدالحی صاحب کے دیکھنے والوں میں سے کوئی شخص زندہ نہیں تھا جس سے میں اس واقعہ کی تصدیق کرتا مولوی عبدالقیوم صاحب بیشک زندہ تھے اور اس عاجز پر عنایت بھی بیحد کرتے تھے مگر ان سے اسکی تصدیق کا موقع نہیں ملا مگر مولوی محمود پھلتی نے اس قصہ کو سنکر اسکی تصدیق کی۔

حاشیہ حکایت (۲۸) قولہ میرے عقیقہ میں سید صاحب الخ **اقول** خاص عقیقہ کا وقت مراد ہونا لازم نہیں دعوت کا وقت مراد ہونا ممکن ہے **قولہ** قرآن شریف ختم کردیا **اقول** اس کرامت کا اختیاری ہونا لازم نہیں آتا ممکن ہے کہ اوسوقت ماذون ہوں (اشت)

(۲۹) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی محمد یعقوب صاحب اور مولوی محمد منیر صاحب اور حضرت مولانا نانوتوی یہ تینوں ایک سال کی پیدائش تھے اور مولانا نانوتوی سب سے بڑے تھے ان سے چھوٹے مولوی محمد منیر صاحب اور سب سے چھوٹے مولانا یعقوب صاحب تھے۔ یہ بیان فرماکر فرمایا۔ کہ میں نے دو شخصوں کو دیکھا ہے کہ وہ مولانا سے بہت بے تکلفی کیساتھ باتیں کرتے تھے ایک مولوی محمد منیر صاحب دوسرے مولوی امیرالدین صاحب جو حال کے امام جامع مسجد دہلی کے چچا تھے۔ مولوی محمد منیر صاحب تو صرف قاسم ہی کہکر خطاب کرتے تھے مگر مولوی امیرالدین صاحب تو ابے تبے سے گفتگو کرتے تھے ایک مرتبہ مولوی امیرالدین صاحب سے کسی نے پوچھا کہ آپ مولانا کے ساتھ اسقدر گستاخی کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں کچھ تو خیال کیا کیجئے تو مولوی امیرالدین صاحب نے فرمایا۔ کہ میں کیا کروں اگر میں اس انداز سے گفتگو نہیں کرتا اور ادب سے کام لیتا ہوں تو بولنا چھوڑ دیتا ہے۔ اسلئے میں ادب پر اسکی خوشی کو ترجیح دیتا ہوں۔

حاشیہ حکایت (۲۹) قولہ ادب پر اسکی خوشی کو **اقول** ؎ چون طمع خواہد زمن سلطان دین ٭ خاک بر فرق قناعت بعد ازین ؎ در دون کعبہ رسم قبلہ نیست ٭ چہ غم ار غواص را پاچیلہ نیست ٭ اور کیا ٹھکانا ہے اتباع رضا کا کہ غیبت میں بھی وہی عنوان پسندیدۂ محبوب اختیار کیا (اشت)

(۳۰) خانصاحب نے فرمایا کہ ان ہی مولوی امیر الدین نے فرمایا کہ ایک مرتبہ بھوپال سے مولانا کی طلبی آئی اور پانچسو روپیہ ماہوار تنخواہ مقرر کی میں نے کہا ابے قاسم تو چلا کیوں نہیں جاتا تو فرمایا کہ وہ مجھے صاحب کمال سمجھکر بلاتے ہیں اور اسی بنا پر وہ پانسو روپیہ دیتے ہیں مگر میں اپنے اندر کوئی کمال نہیں پاتا۔ پھر کس بنا پر جاؤں میں نے بہت اصرار کیا مگر نہیں مانا۔

حاشیہ حکایت (۳۰) **قولہ** میں اپنے اندر کوئی کمال نہیں پاتا پھر کس بنا پر جاؤں **اقول** پہلا جملہ کمال معرفت کی اور دوسرا جملہ کمال تقوی کی کہ جب بناء خدمت متحقق نہ ہو تو خدمت کو قبول نہ کیا جاوے صریح دلیل ہے سبحان اللہ یہ ہے علم وعمل (ش)

(۳۱) خانصاحب نے فرمایا۔ کہ مولوی محمد یحیی صاحب کاندہلوی فرماتے تھے۔ کہ ایکمرتبہ مولانا گنگوہی نے فرمایا کہ مولوی یحیی احمد رضا خان بدعتی میرا رد کرتا ہے ذرا اوسکی تصنیف ہمیں بھی تو سنادو۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت مجھ سے تو نہیں ہوسکے گا حضرت نے فرمایا کیوں میں نے عرض کیا۔ کہ حضرت اون میں تو گالیاں ہیں حضرت نے فرمایا کہ اجی دور کی گالیوں کا کیا ہے ٹری (یعنی بلا سے) گالیاں ہوں تم سناؤ آخر اوسکے دلائل تو دیکھیں شاید کوئی معقول بات لکھی ہو تو ہم ہی رجوع کرلیں۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت مجھ سے تو نہیں ہوسکتا۔

حاشیہ حکایت (۳۱) **قولہ** ہم ہی رجوع کرلیں **اقول** اللہ اکبر یہ ہے حق پرستی کہ اوسکے طلب واتباع کے غلبہ میں دشمن کی بیہودگی سے بھی متاثر و متغیر نہ ہوں۔ **قولہ** مجھسے تو نہیں ہوسکتا **اقول** ہو کقول علیؓ لا امحوک (ش)

(۳۲) خانصاحب نے فرمایا کہ نواب وزیر الدولہ پر غدر میں الزام لگایا گیا تھا کہ انھوں نے بھی شاہ دہلی کے یہاں درخواست بھیجی تھی کہ جو کام میرے لایق ہو مجھے سپرد کیا جاوے۔ میں خدمت کے لئے حاضر ہوں ابھی صفائی نہ ہوئی تھی کہ آگرہ میں وایسرائے کا دربار ہوا جس میں والیان ریاست و روسا مدعو تھے۔ اور مقصود اس سے والیان ریاست و روسا کا امتحان تہا۔ اتفاق سے وہ دن جمعہ کا تھا۔ نواب وزیر الدولہ اسی پر جم گئے کہ میں جمعہ چھوڑ کر دربار میں نہ جاؤنگا جب یہ خبر نواب یوسف علی خاں والی رامپور اور سکندر بیگم والیہ بھوپال کو ہوئی تو یہ دونوں آئی اور آکر سمجھایا کہ آپ مسافر ہیں اور مسافر پر جمعہ فرض نہیں پھر آپ پر الزام بھی قایم ہے

۳۶

(باقی آیندہ)

اسلیئے مناسب نہیں ہے کہ آپ دربار میں نہ شریک ہوں۔ انھوں نے فرمایا کہ یہ صحیح ہے مگر میں یہ ہرگز نہ کرونگا کہ اپنے نفس کے لئے خدا کے دربار کو چھوڑ کر دنیا کے دربار میں شریک ہوں الغرض انھوں نے کسیطرح ترک جمعہ منظور نہیں کیا اور چٹھی لکھدی کہ آج جمعہ ہے اور مجھے نماز جمعہ میں شریک ہونا ہے اس لئے میں حاضری دربار سے معذور ہوں اوس چٹھی کا جواب آیا کہ اگر ہمیں پہلے سے خیال ہوتا تو ہم جمعہ کو دربار نہ کھولتے مگر اب اعلان ہوچکا ہے اسلیئے دربار تو نہیں موقوف ہوسکتا آپ نماز جمعہ پڑہیں آپ کے لئے دربار خاص منعقد کیا جاویگا۔ یہ مضمون بیان فرماکر خانصاحب نے فرمایا کہ تم جانتے ہو وزیرالدولہ کی یہ حالت کیوں تھی اسکا سبب محض یہ تھا کہ اونے خاندان شاہ عبدالعزیز صاحب کی خاک چاٹی تھی۔ خانصاحب نے فرمایا کہ یہ قصہ میں نے مولوی اسمٰعیل صاحب کاندہلوی والدجناب مولوی یحیٰی صاحب سے بھی سُنا ہے اور حافظ عبدالرحمٰن صاحب دہلوی سے بھی سُنا ہے اور یہ بھی فرمایا کہ مولوی اسمٰعیل صاحب حدیث میں نواب وزیرالدولہ کے شاگرد تھے۔

حاشیہ حکایت (۳۲) **قولہ** اسکا سبب محض یہ تھا الخ **اقول** ھو کما قال ۳۷

سلطان المشائخ رحمہ اللہ تعالیٰ ؎ ہرکو مرید سید گیسو دراز شد ۔ واللہ خلاف نیست کہ او عشق باز شد ۔ وقال آخر ؎ آہن کہ بپارس آشنا شد ۔ فی الحال بصورت طلا شد ۔ (ارشد)

(۳۳) خانصاحب نے فرمایا کہ مجھسے جناب مولوی اسمٰعیل صاحب کاندہلوی نے بیان فرمایا کہ سید صاحب کے لوگوں میں ایک صاحب سید آمیر علی تھے جو نہایت متقی و پرہیز گار تھے یہ صاحب نواب وزیرالدولہ کے مقرب تھے۔ اور اہل حاجت کی سفارشیں بہت کیا کرتے تھے ایک مرتبہ انھوں نے نواب صاحب سے کوئی سفارش کی اور نواب صاحب نے وعدہ فرما لیا۔ مگر کسی وجہ سے اسکا ایفا نہ ہوسکا۔ اسپر سید امیر علی صاحب کو غصہ آیا اور سر دربار نواب صاحب کے تھپڑ مار دیا۔ نواب صاحب کا ظرف دیکھیئے کہ کچھ نہیں کہا اور خاموش ہوگئے۔ اوسکے بعد جو سید صاحب کے عزیز و اقارب ریاست میں موجود تھے نواب صاحب اُنکے پاس گئے اور انسے سید امیر علی کا واقعہ بیان کیا اور کہا کہ مجھے اس واقعہ سے ذرا بھی ملال نہیں ہوا اونھوں نے تو تھپڑ ہی مارا ہے اگر وہ میرے جوتے مار لیتے تب بھی مجھے ملال نہ ہوتا مگر ان سے ذرا اتنا کہدیا جاوے کہ حق تعالیٰ

نے ریاست کا کام میرے سپرد فرمایا ہے اور یہیں وقار قائم رہنے کی ضرورت ہے۔ اور سر دربار ایسا کرنے سے سیاست میں خلل آتا ہے اسلئے وہ دربار میں اسکا لحاظ رکھیں۔ تنہائی میں انہیں اختیار ہے چاہے وہ میرے جوتے ماریں۔

حاشیہ حکایت (۳۳) قولہ اگر وہ میرے جوتے مار لیتے الی قولہ مگر انسے ذرا الخ **اقول** یہ ہے تواضع اور حکمت کا جمع کرنا جو بجز کامل کے کسی سے ممکن نہیں ایک ایک کا منفرد پایا جانا چنداں دشوار نہیں باقی اُن بزرگ کا ایسا کرنا کسی حالت کے غلبہ پر محمول ہوگا۔ ورنہ بدون اس عذر کے ایسا کرنا جائز نہیں (**شت**)

(۳۴) خانصاحب نے فرمایا۔ کہ نواب وزیر الدولہ سید صاحب سے بیعت تھے۔ اور اونکو سید صاحب سے اسقدر گہرا تعلق تھا کہ جب سید صاحب کی بیوی تشریف لا رہی تھیں تو نواب صاحب نے حکم دیدیا تھا۔ کہ جب وہ فلاں مقام پر پہونچنے کو ہوں تو مجھے فوراً اطلاع کر دینا۔ تاکہ میں اونکے اس مقام پر پہونچنے سے پہلے وہاں پہونچ جاؤں (یہ مقام ٹونک سے گیارہ کوس تھا) چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اور نواب صاحب اوس مقام پر پہونچ گئے۔ جب سید صاحب کی بیوی تشریف لائی ہیں تو نواب صاحب نے ایک طرف سے انکی پالکی کا بانس اپنے کندھے پر رکھا اور ٹونک تک برابر پالکی اپنے کندھے پر لائے۔ اس قصہ کو مجھ سے مولوی اسمٰعیل صاحب کاندھلوی نے حافظ عبدالرحمٰن صاحب دہلوی نے بیان کیا ہے۔

حاشیہ حکایت (۳۴) قولہ پالکی کا بانس الخ **اقول** یہ ہے فنائے کامل اور یہ رؤساء میں نمونہ حضرات خلفاء راشدینؓ کے باقی بی بی صاحبہ کا اسکو گوارا کرنا یا تو نواب صاحب نے ایسا اہتمام فرمایا ہو کہ اونکو اطلاع نہ ہوئی یا اونکی ممانعت کو نواب صاحب نے مانا نہ ہو اور ظاہر ہے کہ وہ ایسی حالت میں کیا کرتیں اگر کوئی مرد ہوتا تو پالکی سے باہر آجاتا مگر وہ پردہ دار کیا کر سکتی تہیں (**شت**)

(۳۵) خانصاحب نے فرمایا۔ کہ نواب یوسف علی خان والی رامپور بہت خوش مزاج آدمی تھے مگر نہ عقیدہ اچھا تھا نہ عمل چار ابرو کا صفایا رکھتے تھے۔ جب آگرہ میں دربار ہوا ہے تو اسمیں شرکت کے لئے نواب وزیر الدولہ بھی گئے تھے اور نواب یوسف علی خان بھی۔ چونکہ

نواب وزیر الدولہ بہت سیدھے اور نیک تھے۔ اسلئے نواب یوسف علی خان نے اپنے دوستوں سے کہا کہ چلو ذرا وزیر الدولہ کو بنائینگے اور یہ امر آپس میں طے کرکے وزیر الدولہ کے پاس پہنچے۔ نہیں معلوم وزیر الدولہ کو کشف ہوا یا فراست سے اونھوں نے اونکا خیال معلوم کر لیا۔ غرض اونہوں نے اونکو مذاق کا موقع نہیں دیا اور خود ہی گفتگو شروع کی اور فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے بعض لوگونکا ظاہر اچھا بنایا ہے اور بعض کا باطن میرا ظاہر تو بہت اچھا ہے اور اسقدر اچھا ہے کہ اوسپر کسیکو نکتہ چینی کی گنجایش نہیں مگر میرا قلب نہایت گندہ اور ناپاک اور سخت مکروہ وخبیث ہے اور بھائی یوسف علی خاں کا باطن تو ایسا ہے جیسا میرا ظاہر اور انکا ظاہر ایسا ہے جیسا میرا باطن یہ سنکر یوسف علی خان مبہوت سے رہ گئے اور کچھ نہ کہہ سکے۔ تھوڑی دیر خفت مٹانے کیلئے بیٹھے رہے اور اوسکے بعد اُٹھکر چلے گئے یہ قصہ میں نے مولوی اسمٰعیل صاحب کاندہلوی اور مولوی محمد نور صاحب مراد آبادی سے سُنا ہے۔

حاشیہ حکایت (۳۵) قولہ بھائی یوسف علی خان کا باطن الخ **اقول** یہ ہی عمل اس ارشاد پر ادفع بالتی ھی احسن فاذا الذی بینک وبینہ عداوۃ کانہ ولی حمیم مگر ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ یہ ہر شخص کا کام نہیں وما یلقاھا الا الذین صبروا وما یلقاھا الا ذوحظ عظیم اور نیز اسمیں بین دلیل ہے اسکے مصداق ہونے کی ؎ مرا پیر دانائے روشن شہاب ٭ دو اندرز فرمود بر روئے آب ٭ یکے آنکہ بر خویش خود بین مباش ٭ دگر آنکہ بر غیر بدبین مباش ٭ (**شت**)

(۳۶) خانصاحب نے فرمایا کہ مولانا گنگوہی نے آخری حج ۱۲۹۹ھ میں کیا ہے۔ اور حج کو تشریف لیجاتے ہوئے مولانا نے دہلی میں احمد پائی کی سرائے میں قیام فرمایا تھا اور اوپر بالاخانہ میں مقیم تھے آپ کے پاس بہت سے لوگ مجتمع تھے۔ جن میں مولوی اسمٰعیل صاحب کاندہلوی بھی تھے اوس بالاخانہ میں غربی جانب ایک کوٹھری تھی جس میں میں بیٹھا ہوا کوئی کام کر رہا تھا۔ مولوی اسمٰعیل صاحب نے مولانا گنگوہی سے فرمایا کہ میں اب رخصت ہوتا ہوں مگر مجھے تنہائی میں کچھ عرض کرنا ہے مولانا ان کو ساتھ لیکر اس کوٹھری میں تشریف لے آئے۔ جس میں میں موجود تھا۔ اور فرمایا کہ فرمائے مولوی اسمٰعیل صاحب نے فرمایا کہ مجھے تنہائی میں

عرض کرنا ہے اور یہاں یہ شخص (امیر شاہ) موجود ہے مولانا نے فرمایا۔ کہ آپ ان کا خیال نہ کیجئے اور فرمائیے۔ تب اُنھوں نے فرمایا کہ میں بیعت تو ہوں مولوی محمد یعقوب صاحب دہلوی سے اور تعلیم حاصل کی ہے مولوی مظفر حسین صاحب کاندہلوی سے۔ ان حضرات کی تعلیم نقشبندی تھی۔ اور ان کی تعلیم پر عمل کرنے سے میرے لطائف ستہ آٹھ دن میں ایسے پھرنے لگے جیسے پھرکی پھرتی ہے۔ لیکن مجھے ابتدا سے اتباع سنت کا شوق تہا اور جو اوراد احادیث میں وارد ہوئے جیسے پاخانہ میں جاتے وقت یہ پڑہے اور نکلتے وقت یہ۔ اور بازار میں جاتے وقت یہ الی غیر ذلک میں ان کا بہت اہتمام کرتا تھا۔ اسلئے مجھے اعمال مشائخ سے بہت کم دلچسپی تھی۔ کبھی دس دن میں کبھی پندرہ دن میں مراقبہ وغیرہ کر لیا کرتا تھا یہ میری حالت ہے اور اب میری ضعیفی کا وقت ہے اور اب میں چاہتا ہوں کہ جناب مجھے کچھ تعلیم فرماویں مولانا نے فرمایا کہ جو اعمال آپ کرتے ہیں ان میں آپ کو مرتبہ احسان حاصل ہے یا نہیں اُنھوں نے فرمایا کہ حاصل ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ بس آپ کو کسی تعلیم کی ضرورت نہیں کیونکہ مرتبہ احسان حاصل ہو جانے کے بعد اشغال صوفیہ میں مشغول ہونا ایسا ہے جیسا کوئی گلستان و بوستان وغیرہ پڑہ لینے کے بعد کریما شروع کرے اور یہ ظاہر ہے کہ یہ فعل محض تضیع اوقات ہے اسلئے آپکے لئے اشغال مشائخ میں اشتغال تضیع اوقات اور معصیت ہے۔

حاشیہ حکایت (۳۶) **قولہ** بس اب آپ کو کسی تعلیم کی **اقول** یہ تحقیق اہل طریق کو حرز جان بنانے کے قابل ہے خصوص اونکو جو ذرائع کو مقاصد سمجھہ بیٹھے ہیں اور خود صوفیہ کی تصریح ہے طرق الوصول الی اللہ بعدد انفاس الخلائق تو اوس شخص پر حیرت ہے جو ان اعمال کو اس عموم سے خارج سمجھتے ہیں ایسا سمجھنے والے وہی ہیں جنکو طریقت کی حقیقت کی ہوا بھی نہیں لگی (**اشت**)

(۳۷) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی اسمٰعیل صاحب کاندہلوی نہایت سید ہے اور نہایت متبع سنت بزرگ تھے میں ان سے بہت سی مرتبہ ملا ہوں لیکن جب کبھی انسے ملاقات ہوتی تھی وہ یہ ضرور فرمایا کرتے تھے کہ حدیث میں آیا ہے کہ جب کسیکو کسی سے محبت ہو تو اسے چاہیئے کہ اسکو اطلاع کردے اسلئے میں تعمیل ارشاد نبوی تم سے کہتا ہوں کہ مجھے تم سے محبت ہے۔

(باقی آئندہ)

یہ انکا ہر ملاقات میں معمول رہا اور کبھی اسمیں تخلف نہیں ہوا۔

حاشیہ حکایت (۳۷) قولہ تخلف نہیں ہوا اقول یہ جوش ہے اتباع سنت کا جو مقتضی ہوتا تھا تکرار کو ورنہ کافی ایک بار اطلاع کرنا بھی تھا۔ (اشرف)

(۳۸) خانصاحب نے فرمایا کہ میں خواب کبھی نہیں دیکھتا ہوں۔ لیکن شاذونادر کبھی کوئی خواب نظر آجاتا ہے اور ان میں سے بعض خواب بالکل سچے ہوتے ہیں میں نے لڑکپن میں غالبًا بلوغ سے پہلے ایک خواب دیکھا کہ مولوی اسمٰعیل صاحب اور مولوی عبدالحی صاحب تشریف فرما ہیں اور یہ خبر ہے کہ سید صاحب بھی تشریف لارہے ہیں۔ مولوی عبدالحی صاحب ایک چارپائی پر سرہانے بیٹھے ہیں۔ میں اونکی پائنتیوں بیٹھا ہوا ہوں اور ان سے ایسی بے تکلفی کے ساتھ باتیں کررہا ہون جیسے بہت دنوں کی ملاقات ہو چنانچہ میں نے ان سے پوچھا۔ کہ حضرت آپکا علم کتنا بڑا ہے مولانا نے مسکراکر فرمایا۔ کہ بقدر ضرورت۔ اُسکے بعد میں مولانا اسمٰعیل صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا وہ مسجد میں ایک ایسے حجرہ میں ٹھہرے ہوئے تھے جو مسجد سے بہت نیچا تہا جیسا آدہا تہ خانہ اور اوس حجرہ میں ایک چارپائی بچھی ہوئی تھی مولانا اوس سے کمر لگائے بیٹھے تھے اور ان کے پاس دس بارہ آدمی اور بیٹھے ہوئے تھے۔ جب میں جاکر بیٹھا تو مولانا نے ایک دیگچی نکالی جسمیں شربت تھا جسکا قوام کسیقدر گاڑہا تھا اور رنگت سُنہری اور نہایت براق تھی۔ مولانا نے اوسمیں سے پیالے بھر بھر کر لوگو نکو دینے شروع کئے اور تقسیم اپنے دائیں ہاتھ سے شروع کی۔ میں مولانا کے سامنے بیٹھا ہوا تھا اور میرے پھوپھا میرے برابر میں بیٹھے ہوئے تھے جب میرا نمبر آیا مولانا نے اوس پیالہ کو اوروں سے زیادہ بھرا اور میری طرف دیکھکر مسکرائے وہ پیالہ مجھے دینے ہی کو تھے کہ میرے پھوپھا نے مجھے کسی کام کو بھیجدیا اور وہ پیالہ مجھے نہ مل سکا۔ مجھے اسکا بڑا قلق ہوا۔ اور میں چاہتا تھا کہ نہ جاؤں مگر اول تو پھوپھا صاحب کے حکم کی تعمیل ضروری تھی دوسرے یہ بھی خیال ہوا کہ پھوپھا یہ سمجھیں گے کہ یہ بڑا ندیدہ ہے۔ اسلئے جانا ہی پڑا مجھے اسکی تعمیل کرنی پڑی۔ میں اس کام کو کرکے واپس آیا اور جہاں پہلے بیٹھا تھا وہیں بیٹھ گیا مولانا نے مجھے دیکھکر فرمایا کہ ارے تو رہ گیا کہاں چلا گیا تھا اوسکے بعد دیگچی منگائی اور شربت کو دیکھا اسمیں شربت موجود تھا مگر اتنا نہ تھا جتنا اور و نکو دیا تہا اوسکے بعد مولانا نے

وہ پیالہ منگایا جس میں آپ نے پیا تھا تو اس پیالہ میں مولانا کا بچا ہوا شربت موجود تھا مولانا نے دیگچی کا شربت اس پیالہ میں ڈالا اور دیگچی کو اپنے ہاتھ سے پونچھ پونچھ کر بالکل صاف کر دیا اس سے وہ پیالہ اتنا تو نہ بھرا جتنا پہلی مرتبہ میرے لئے بھرا تھا مگر اوروں کی برابر ہو گیا اور وہ پیالہ میں نے پی لیا اس روز سے میری یہ حالت ہو گئی کہ میں مولانا کی کتابوں کو اتنا تو نہیں جتنا وہ خود سمجھتے تھے مگر اپنی حیثیت کے موافق خوب سمجھنے لگا۔

حاشیہ حکایت (۳۸) قولہ اوس روز سے میری یہ حالت ہو گئی الخ۔
اقول خواب اس حالت میں دخیل نہیں بلکہ مبشر ہے اس حالت کے حصول کی مستقبل میں اور وہ حصول کبھی وہبی ہوتا ہے اور کبھی مکتسب کسی عمل سے بہرحال خواب کو مؤثر نہ سمجھا جاوے اگر کوئی چیز مؤثر ہے وہ عمل ہے اور خواب محض مبشر (**شت**)

(۳۹) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی عبدالرحمن خورجوی جو مورچہ والے مشہور ہیں اونکے نانا احمد خان خورجوی مورچہ والے پڑھے لکھے کچھ نہ تھے مگر مولوی محبوب علی صاحب کی صحبت میں رہے ہوئے تھے اور مولوی محبوب علی صاحب مولوی محمد اسحٰق صاحب و مولوی محمد یعقوب صاحب پر نہایت فریفتہ تھے حنفی نہایت پکے اور بہت خوش عقیدہ تھے۔ اتنا قصہ میں اتنی بات اور سن لو کہ میں مولانا نانوتوی سے بیعت بھی ہوا تھا اور انکا نہایت معتقد بھی تھا لیکن انکی باتیں میری سمجھ میں نہیں آتی تھیں۔ اسلئے میں انکی بزرگی کا اعتقاد رکھتے ہوئے اکثر تعجب کیا کرتا تھا کہ لوگ مولانا کی تعریف کرتے ہیں۔ مگر میں نہیں سمجھتا تھا وہ ان کی کس بات کی تعریف کرتے ہیں۔ اب پھر قصہ سنو مولوی احمد حسن صاحب امروہی اس زمانہ میں خورجہ میں مدرس تھے۔ مولانا نانوتوی بھی خورجہ میں تشریف لے آئے۔ اور مولوی عبدالرحمن صاحب مورچہ والوں کے مکان پر قیام فرمایا۔ مولانا ایک چارپائی پر بیٹھے ہوئے تھے اور میں انکے سامنے مونڈھے پر بیٹھا تھا اتنے میں احمد خان مورچہ والے بھی تشریف لے آئے اور آکر مولانا کی پائنتیوں بیٹھ گئے اور بیٹھنے کے بعد مولانا سے دریافت کیا۔ کہ حضرت بعض اشعار مولوی رومی کے اور شیخ فریدالدین عطار کے اور شیخ سعدی کے اور بہت سے شعر حافظ کے ایسے ہیں جو قریب قریب کفر صریح کے ہیں لیکن اچھے اچھے علماء کو دیکھا ہے

کہ وہ ان اشعار کو حد کفر سے خارج کرنے میں امکانی کوشش کرتے ہیں اور ممکن سے ممکن تاویل
اونکی تصحیح کے لئے کرتے ہیں لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ امام محمدؒ ابو یوسف امام ابو حنیفہ کے قول کی
مخالفت کرتے ہیں اور ابو حنیفہ کے قول کی توجیہ نہیں کرتے۔ علے ہذا بعد کے لوگ جب امام ابو حنیفہ
کے قول کو کمزور پاتے ہیں تو اسکو چھوڑ کر امام ابو یوسف کے یا امام محمدؒ کے قول پر فتوے دیتے ہیں
اور امام صاحب کے قول کی تاویل نہیں کرتے اس میں کیا راز ہے اس سوال کے جواب میں
مولانا نے مجھے مخاطب بنایا اور ایک لمبی تقریر کی جسکا خلاصہ مجھے یاد رہگیا ہے اور تقریر بعینہٖ
محفوظ نہیں رہی، وہ خلاصہ یہ ہے کہ ابو حنیفہ کے ایمان کے مقابلہ میں ان حضرات کے ایمان
بہت ضعیف ہیں اسلئے اگر انکے اقوال کی توجیہ نہ کیجاوے تو لوگ بیدریغ انکی تکفیر کر دینگے
اور ابو حنیفہ کا ایمان اسقدر قوی ہے کہ اگر انکے تمام مسائل کو بھی ضعیف کر دیا جاوے تب بھی
انپر کسی بدگمانی کا خطرہ نہیں ہو سکتا اسلئے ابو حنیفہ کے اقوال کی توجیہ کی ضرورت نہ ہوئی اور ان
بزرگوں کے اقوال کی توجیہ کی ضرورت ہوئی اھ مجھ پر مولانا کی اس التفات آمیز تقریر کا یہ اثر ہوا کہ میں مولانا کی
تقریر کو سمجھنے لگا اور میرا وہ خطرہ دور ہو گیا کہ لوگ انکی اسقدر تعریف کیون کرتے ہیں۔

حاشیہ حکایت (۳۹) قولہ ابو حنیفہ کے مقابلہ میں الخ **اقول** یہ جواب
سائل کے خاص مذاق کے اعتبار سے ہو گا اور عام مذاق کے اعتبار سے یہ جواب ہے کہ ان حضرات
کے ایسے اقوال کا مدلول ظاہری موجب کفر ہے اور اونکی مقبولیت جو دلائل صحیحہ سے ثابت ہے
منافی کفر ہے اسلئے تاویل ضروری ہوئی کہ معانی ظاہری مراد نہیں بخلاف ائمہ مجتہدین وعلماء
ظاہر کے کہ اونکے اقوال کا مدلول ظاہری موجب کفر نہیں بلکہ صرف موجب خطا ہیں اور اونکے کمالات
جو دلائل صحیحہ سے ثابت ہیں منافی خطا نہیں اسلئے تاویل کی ضرورت نہ ہوئی بلکہ معانی ظاہرہ کو
مراد لیکر اونکو خطا کہدیا جاویگا **(شت)**

(۴۰) خانصاحب نے فرمایا کہ لوگ شاہ عبدالعزیز صاحب کو متساہل کہتے ہیں۔ مگر یہ لوگ
ان مشکلات سے واقف نہیں ہیں جو شاہ صاحب کے سامنے تھیں شاہ صاحب کا زمانہ ایک نہایت
سخت فتنہ کا زمانہ تھا جس میں اظہار حق نہایت دشوار تھا اسلئے شاہ صاحب ترویج دین نہایت
حزم وتدبیر کے ساتھ کرتے تھے اور فتنہ انگیز عنوانات سے احتراز فرماتے تھے یہی وجہ ہے کہ میں نے

۴۳

اپنے جتنے بزرگوں کو دیکھا ہے وہ سب جتنے شاہ عبدالعزیز صاحب کے معتقد تھے اسقدر نہ مولوی اسمٰعیل صاحب کے معتقد تھے اور نہ کسی اور کے حالانکہ ان حضرات نے نہایت آزادی اور جانفروشی کے ساتھ دین کو رائج کیا ہے وجہ اسکی یہ تھی کہ شاہ صاحب کو جن لوگوں سے واسطہ پڑا تہا وہ دین سے بالکل آشنا نہ تھے ایسے لوگونکو راہ پر لگانا سخت دشوار تہا اور شاہ صاحب نے انکو راہ پر لگایا یہ دلیل ہے انکے کمال عقل اور حکیم کامل ہونے کی اور جن لوگوں سے مولوی اسمٰعیل صاحب وغیرہ کو واسطہ پڑا ہے یہ وہ لوگ تھے جو یا تو راہ راست پر آچکے تھے یا کم از کم دین سے بہت زیادہ بعد نہ رہا تھا۔ اب میں اس زمانہ کے حالات دکہلاتا ہوں جس سے معلوم ہوگا کہ وہ زمانہ کسقدر سخت فتنہ کا تہا اور سہیں اظہار حق کتنا مشکل تھا اوس زمانہ میں ایک تو روافض کا نہایت غلبہ تہا۔ چنانچہ دہلی میں نجف علی خان کا تسلط تھا۔ جس نے شاہ ولی اللہ صاحب کے پہنچے اتروا کر ہاتھ بیکار کردیئے تھے تاکہ وہ کوئی کتاب یا مضمون نہ تحریر کرسکیں اور مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کو شہید کرادیا تہا اور شاہ عبدالعزیز صاحب اور شاہ رفیع الدین کو اپنے قلمرو سے نکالدیا تہا اور یہ ہردو صاحبان مع زنانوں کے شاہدرہ تک پیدل آئے تھے اوسکے بعد مولانا فخرالدین صاحب کی سعی ۴۴ سے زنانوں کو تو سواری ملگئی تھی اور وہ پہلے روانہ ہوگئے تھے مگر شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالعزیز صاحب کو سواری بھی نہ ملی تھی اور شاہ رفیع الدین صاحب تو پیدل لکہنؤ چلے گئے تھے اور شاہ عبدالعزیز صاحب پیدل جونپور چلے گئے تھے کیونکہ نہ ان دونوں کو سوار ہونے کا حکم تھا اور نہ ساتھ رہنے کا۔ اور دو دفعہ روافض نے شاہ صاحب کو زہر دیا تہا اور ایک مرتبہ چھپکلی کا اُبٹن ملوادیا تھا جس سے شاہ صاحب کو برص اور جذام ہوگیا تھا اور جونپور کے سفر میں شاہ صاحب کو لو بھی لگی تھی جس سے مزاج میں سخت حدت پیدا ہوگئی تھی جس سے جوانی ہی میں بینائی جاتی رہی تھی اور ہمیشہ سخت بیچین رہتے تھے اور دوسرے مصنوعی صوفیوں کا غلبہ تھا جنکا اثر بادشاہ پر اور شاہزادوں شاہزادیوں پر اور عوام پر تہا اور اسوجہ سے انکی جرآت اور گستاخی اسقدر بڑہ گئی تھی۔ کہ علماء کے پاس آتے تھے اور کہتے تھے کہ او مسجد کے مینڈھے کچھ دلواہم رنڈی رکھیں گے شراب پئینگے بھنگ پئینگے علماء کو مجبوراً دینا پڑتا تھا حتیٰ کہ شاہ عبدالقادر صاحب بھی دیتے تھے مگر وہ کہتے تھے کہ میاں صاحب لو کھانا کھالینا لیکن شاہ عبدالعزیز صاحب نے کبھی کسیکو نہیں دیا۔

(باقی آئندہ)

اور ہمیشہ لطائف الحیل سے پیچھا چھوڑا دیا چنانچہ اسپر ایک قصہ سناتا ہوں یہ قصہ میں نے
مولوی عبدالقیوم صاحب مولانا گنگوہی صاحب اور دوسرے بہت سے اشخاص سے
سنا ہے وہ قصہ یہ ہے کہ قطب صاحب کا ایک مجاور دہلی میں آیا اور علماء کے پاس
گیا وہ جس عالم کے پاس جاتا اوس سے یہ کہتا کہ مجھ سے قطب صاحب نے فرمایا ہے
کہ تم فلاں کے پاس جاؤ اور انکو ایک ٹکہ دو اور کلاوہ انکے سر پہ باندہ آؤ ہذا میں تعمیل
حکم کے لئے آیا ہوں اور یہ کہکر وہ ٹکہ پیش کرتا اور وہ کلاوہ باندہ دیتا اور کچھہ نذرانہ لیکر
چلتا ہوتا۔ یہ شخص شاہ صاحب کے پاس بھی آیا اور آکر ان سے بھی یہ ہی کہا مگر شاہ صاحب
نے حکمت علمی سے کام لیا اور فرمایا کہ رکھدو اسوقت مجھے وضو نہیں ہے اس نے وہ کلاوہ
اور ٹکہ رکھدیا اور منتظر ہوا کہ شاہ صاحب کچھ دینگے مگر شاہ صاحب نے کچھ نہ دیا جب
اس نے دیکھا کہ یہ کچھ نہیں دیتے تو اس نے کہا کہ حضرت مجھے کچھ تبرک ملجاوے شاہ
صاحب نے فرمایا کہ آپ قطب صاحب کے فرستادہ تھے آپ نے تعمیل حکم کردی
جب قطب صاحب مجھے حکم دینگے میں بھی خدمت میں پیش کردونگا وہ مجبوراً رخصت ہوگیا
اب ایک اور قصہ سنئے اس زمانہ میں ایک صاحب مولوی نصیرالدین صاحب تھے جو
مدنی الاصل قوم کے سید اور شاہ صاحب کے شاگرد تھے یہ صاحب خانم کے بازار
میں رہتے تھے اور نہایت خوش بیان اور ذہین عالم تھے ایک مرتبہ یہ صاحب اور
شاہ صاحب چاندنی چوک گئے شاہ صاحب چونکہ نابینا تھے اس لئے انکے کندھے پر
ہاتھ رکھے ہوئے تھے وہاں پہونچکر شاہ صاحب کو معلوم ہوا کہ ایک شور مچ رہا ہے
انھوں نے مولوی نصیرالدین صاحب سے فرمایا کہ جاکر دیکھو کہ کیا شور ہے وہ گئے اور
واپس آکر شاہ صاحب سے کہدیا کہ حضرت کوئی بات نہیں یوں ہی بیہودہ شور ہے
شاہ صاحب نے فرمایا کہ علم شئی بہ از جہل شئی تم جاکر اس شور کا اصل منشا معلوم کرو
جب شاہ صاحب نے اصرار فرمایا تو انھوں نے مجبوراً عرض کیا کہ حضرت ایک فقیر بیٹھا
ہوا ہے اور اپنے اعضائے تناسل کو تانتے ہوئے اور اس میں ڈورا باندھے ہوئے ہے
اور یہ کہتا ہے کہ نعوذ باللہ یہ الف ہے اللہ کا شاہ صاحب نے فرمایا کہ جاؤ اور اوسکی

۴۵

کمر میں اتنی زور سے لات مارو کہ وہ گر پڑے اور کہا او بے وحدت خود منڈے کیا بکتا ہے
(خود منڈے بے پیرے خود رو) الف خالی ہوتا ہے اور اسکے نیچے دو نقطے ہیں چنانچہ
مولوی نصیر الدین صاحب نے ایسا ہی کیا اور اسکا اثر یہ ہوا کہ اس فقیر کے پیچھے تالی
بج گئی اور وہ نہایت خفیف ہو کر چلدیا غرض ان حکمتوں سے شاہ صاحب نے باطل کو شکست
دی ہے ایک اور قصہ سنو اس زمانہ میں بددین صوفیوں کا ایک فرقہ امام شاہی تھا جو
چار ابرو کا صفایا کرتا تھا اور بیہودہ باتیں کیا کرتا اس فرقہ کا موجد ایک شخص امام شاہ تھا۔
اور یہ فرقہ شکار پور سے نکلا تھا چونکہ امام شاہ کی قبر ایک باغیچہ میں تھی اسلئے اسکے سلسلہ
والے اپنا نام باغ کی مناسبت سے رکھتے تھے اور کسیکا نام گلاب شاہ تھا کسی کا
چنبیلی شاہ کسیکا بہار شاہ وغیرہ وغیرہ جب ہندوستان میں انگریزی حکومت ہوئی تو
فوجیوں کی بہت قدر تھی اور رسالداروں وغیرہ کی بڑی بڑی تنخواہیں ہوتی تھیں اور اختیارات
بھی وسیع ہوتے تھے اس زمانہ میں ایک شخص نسیم خاں نام شاہ جہانپور کے رہنے والے
تھے جو بہت خوبصورت اور تنومند تھے اور شاعر بھی تھے چنانچہ نواب مصطفٰے خاں شیفتہ
نے انکے حالات اپنے تذکرہ میں لکھے ہیں یہ نسیم خان انگریزی فوج میں رسالدار تھے
اور رخصت لیکر شاہجہانپور کو جا رہے تھے راستہ میں شکار پور میں قیام کیا۔ جس
سرائے میں یہ مقیم تھے اسکے سامنے ایک باغ تھا جس میں امام شاہ مدفون تھا۔
اتفاق سے نسیم خاں ٹہلنے کو نکلے اور اس باغ میں پہونچ گئے اس باغ میں ایک
مکان تھا جسمیں امام شاہ کا سجادہ نشین رہتا تھا اور اس مکان کو اس زمانہ کے محاورہ
کے مطابق منڈف (یعنی کٹی) کہا جاتا تھا اس زمانہ میں جو سجادہ نشین اس مکان میں
رہتا تھا اسکا نام گلزار شاہ تھا نسیم خاں ٹہلتے ٹہلتے جب اس مکان کے قریب
پہونچے تو گلزار شاہ کو انکے پاؤں کی آہٹ معلوم ہوئی اور اس نے اندر سے آواز دی
کون ہے چونکہ انکا نام نسیم خان تھا اور اس زمانہ میں یہ عادت تھی کہ اپنا پورا نام نہ
لیتے تھے اس لئے انھوں نے جواب دیا کہ نسیم گلزار شاہ نے اندر سے کہا کہ نسیم ہی
تو گلزار سے نہ جائیگی۔ یہ سنتے ہی نسیم خاں پر کچھ ایسا اثر ہوا کہ گلزار شاہ کے مرید

٤٦

ہوگئے اور چار ابرو کا صفایا کر کے فقیری اختیار کرلی اور اپنے ہمراہیونکو بلا کر ان سے کہدیا کہ یہ جسقدر ساز و سامان ہے اسکا تم کو اختیار ہے چاہے تم میرے گھر دیدینا اور چاہے تم خود رکھ لینا مجھے نہ اب گھر بار سے کوئی تعلق ہے اور نہ تم سے کچھ سرو کار ہے تم سب لوگ اپنے اپنے گھر چلے جاؤ میں تو یہاں رہونگا اور بیوی کو طلاق لکھکر اور اسپر گواہیاں کرا کر انکے حوالہ کر دی اور کہدیا کہ یہ طلاق نامہ میری بیوی کے پاس پہونچا دینا الغرض انکے ہمراہی روانہ ہوگئے اور وہ گلزار شاہ کے پاس رہ پڑے گلزار شاہ کا یہ تصرف چونکہ ایک عجیب تصرف تھا اسلئے عوام پر اسکا بہت اثر ہوا اور امام شاہی سلسلہ کو بہت ترقی ہوگئی تھوڑے دنوں کے بعد گلزار شاہ کا انتقال ہوگیا اور اسکی جگہ نسیم خاں سجادہ نشین ہوگئے اور انکی طرف بہت کچھ رجوعات ہوئی کچھ زمانے کے بعد انھوں نے سیر کی غرض سے دلی کا سفر کیا اور دلی پہونچکر شاہ صاحب کی خدمت میں بھی پہونچے مخلوقات کی رجوعات سے نسیم خاں کا دماغ آسمان پر پہونچ چکا تھا اسلئے انھوں نے شاہ صاحب کی کوئی تعظیم و تکریم نہیں کی بلکہ آزادانہ انکے پاس گئے اور جاکر اپنے محاورہ کے مطابق سلام کیا اور کہا کہ شاہ صاحب شریعت کی قید میں کب تک رہوگے نکلو اس قید سے اور چھوڑ دو شریعت کو شاہ صاحب نے نہایت اخلاق سے فرمایا آئیے شاہ صاحب تشریف لائیے اور اپنے پاس بٹھالیا اور بہت دیر تک اِدہر اُدہر کی باتیں کرتے رہے اسکے بعد باتوں ہی باتوں میں شاہ صاحب نے فرمایا کہ میاں صاحب آپ نے قرآن بھی پڑھا ہے اُنھوں نے کہا ہاں اُسکے بعد پوچھا کہ کچھ فارسی بھی پڑھی ہے اونھوں نے کہا جی ہاں پھر پوچھا کہ کچھ عربی بھی پڑھی ہے انھوں نے کہا کہ جی ہاں میر قطبی تک پڑھی ہے اُسکے بعد پوچھا کہ گھوڑے کی سواری بھی سیکھی ہے اُس نے کہا جی ہاں پھر پوچھا فنون سپہ گری بھی سیکھے ہیں اُسنے کہا کہ جی ہاں بکیتی بنکیتی اور تیر اندازی وغیرہ سب سیکھے ہیں پھر پوچھا کہ آپ پہلے کیا کام کرتے تھے اس نے کہا کہ فوج میں رسالدار تھا پھر پوچھا کہ قرآن کتنے زمانہ میں پڑھا اور فارسی کتنے زمانہ میں اور عربی کتنے زمانہ میں اور فنون سپہ گری کتنے عرصہ میں سیکھے اور ملازمت کتنے زمانہ کی۔

۴۷

اس نے ان تمام باتوں کا بھی جواب دیا پھر پوچھا کہ اس سلسلہ میں کب سے داخل ہوئے اُس نے اسکا بھی جواب دیا جب شاہ صاحب نے ان تمام باتوں کا اقرار لے لیا تو للکار کر فرمایا کہ فقیر سنبھل کر بیٹھ اور سن. تو نو مہینہ تو ماں کے پیٹ کی قید میں رہا اور اس سے باختیار خود نہ نکل سکا اور اتنے دنوں تو ماں کے پستانوں کی قید میں رہا اور اس سے نہ نکل سکا اور اتنے دن تو انگلی پکڑنے کی قید میں رہا اور اتنے دن تو مونڈھوں کی قید میں رہا اور اتنے دن تو قرآن کی قید میں رہا اوستاد نے تھپڑ بھی لگائے ہونگے قمچیاں بھی لگائی ہونگی مگر تو اوس قید سے نہ نکل سکا اور اتنے دن تو فارسی کی قید میں رہا اور اتنے دن تو عربی کی قید میں رہا اور اتنے دن کشتی کی قید میں رہا اتنے دن پھکیتی کی قید میں رہا اتنے دن بکیتی کی قید میں رہا اتنے دن سواری کی قید میں رہا اتنے دن تیر اندازی کی قید میں رہا اتنے دن انگریزونکی قید میں رہا اور اب چار ابرو کی صفائی کی قید میں ہے پھر تو اپنے آپ کو آزاد کیسے کہہ سکتا ہے الحاصل اس عالم میں کوئی ایسا نہیں جو کسی نہ کسی قید میں نہ ہو تو چار ابرو کی صفائی کی قید میں ہو اور ہم شریعت کی قید میں ہیں مگر یا د رہے کہ تمہاری قید کچی چاندی ہے تم اسکی قیمت مانگو گے تو اسکو تپایا جاویگا اور بغیر تپائے کوئی نہ لیگا اور ہماری قید پر سکہ شاہی لگا ہوا ہے جہاں چاہیں گے بھنا لیں گے وہ فقیر نہایت شرمندہ ہوا اور اُٹھ کر چلا گیا اس قسم کے اور قصے بہت ہیں جن سے اس زمانہ کی حالت معلوم ہوتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے اس زمانہ میں کسقدر ہوشیاری سے دین کو سنبھالا ہے۔

۴۸

حاشیہ حکایت (۴۸) **قولہ** متساہل کہتے ہیں **اقول** اس حکایت میں تو کوئی بات موہم تساہل مذکور نہیں بعضے قصے جو اس طرح کے مشہور ہیں اوسکی تحقیق یہ ہے کہ اسکا استعمال دفع مضرت دنیویہ کے لئے ہو یا مخاطب کے جلب مصلحت دینیہ کے لئے ہو تو محمود ہے اور اگر اپنے جلب منفعت دنیویہ مالیہ یا جاہیہ کے لئے ہو تو مذموم ہے خوب سمجھ لو اسمیں اکثر دھوکہ ہو جاتا ہے گاہے بزرگوں پر بدگمانی کا گاہے اپنے پر تقلید بزرگان کی نیک گمانی کا (اشرف)

(باقی آئندہ)

(۴۱) خانصاحب نے فرمایا کہ میں نے اس قصہ کو بہت لوگوں سے سُنا ہے لیکن کسی نے خواب دیکھنے والے کا نام نہیں لیا مگر جب میں نے مولوی ماجد علی صاحب اور مولوی احمد علی خیر آبادی سے اسکو بیان کیا تو انھوں نے کہا کہ یہ خواب مولوی فضل امام صاحب کا تھا۔ مولوی فضل امام صاحب نے خواب دیکھا کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میرے مکان میں تشریف لائے ہیں اور مکان کے فلاں کمرے میں بیٹھے ہیں۔ اس کی تعبیر میں شاہ عبدالعزیز صاحب نے فرمایا کہ تم فوراً جاکر اپنا تمام سامان اُس کمرے سے نکال لو اور اس کو بالکل خالی کر دو۔ انھوں نے ایسا ہی کیا اسکے بعد وہ کمرہ فوراً گر گیا (جس سے تعبیر کا صحیح ہونا معلوم ہو گیا) مگر یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ اس خواب کی یہ تعبیر کیونکر ہوئی کیونکہ ہزاروں لوگ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری خواب میں دیکھتے ہیں اور کچھ بھی ضرر نہیں ہوتا آپ نے فرمایا کہ اسوقت بے اختیار یہ آیت ذہن میں آگئی تھی ان الملوك اذا دخلوا قرية افسدوها۔

حاشیہ حکایت (۴۱) **قولہ** تو انھوں نے کہا **اقول** میں نے کسی ثقہ سے یہی نام سُنا ہے مگر راوی یاد نہیں رہے **قولہ** اسکی تعبیر میں **اقول** میں نے ان راوی سے یہ بھی سنا ہے کہ انھوں نے مولوی فضل حق صاحب کو حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں تعبیر پوچھنے بھیجا تھا **قولہ** یہ آیت ذہن میں آئی **اقول** عجب نہیں کہ شاہانہ لباس میں زیارت ہونا بیان کیا ہو اسپر یہ آیت ذہن میں آئی اور عام طور سے جو زیارت ہوتی ہے تو لباس انبیاء میں اور ہر تعبیر کا اطراد ضروری نہیں اس میں خصوصیات مقام کو دخل ہوتا ہے (**ش ت**)

۴۹

(۴۲) خانصاحب نے فرمایا کہ میرے پھوپھا کا انتقال ایکسو پانچ برس کی عمر میں ہوا ہے اور ۲۲ برس کی عمر میں انھوں نے یہ خواب دیکھا کہ ایک کشتی بالکل پاخانہ سے بھری ہے اور اس کشتی کے کنارہ پر میں کھڑا ہوں اور اپنے پاؤں کی حرکت سے اس کشتی کو کنارہ کی طرف لیجا رہا ہوں مگر اپنے جسم اور کپڑوں کو نہایت احتیاط کے ساتھ اس پاخانہ سے بچاتا ہوں اور بہت کچھ بچ گیا ہوں مگر کسیقدر پاخانہ پاؤں میں لگ گیا ہے

جب کشتی کنارہ پر آگئی تو میں اس میں سے کود گیا۔ اس خواب کو انھوں نے شاہ عبدالعزیز
صاحب کی خدمت میں بیان کیا شاہ صاحب نے فرمایا کہ تم بہت جلد کسی اچھی ریاست
میں نوکر ہو جاؤ گے اور اس کا پورا انتظام تمہارے متعلق ہو گا چنانچہ اسی سال پھوپھا
صاحب مالاگڈھ کی ریاست میں نواب ولی داد خاں کے یہاں ملازم ہوگئے اور تا بقدر
ملازم رہے اور نہایت دیانت کے ساتھ کام کیا یہ واقعہ خود میرے پھوپھا نے مجھ سے
بیان کیا ہے۔

حاشیہ حکایت (۴۲) غالباً یہ تعبیر اس پر مبنی ہے کہ دنیا کی صورت
مثالیہ یہ ہے اور اس سے دنیائے مباحہ کا حرام ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ پاخانہ سے
ہر قسم کا انتفاع تو حرام نہیں ہے مثلاً کھیت ہی میں ڈالنا اس کا جائز ہے اسیطرح
دنیائے مباحہ سے انتفاع کے بھی قیود ہیں اور اصل اور مثال میں اتنا تناسب کافی
ہے جو کہ بنا ہوتی ہے تعبیر کی (ش ت)

(۴۳) خانصاحب نے فرمایا کہ پھوپھا صاحب نے مذکورہ بالا اپنا خواب بیان
کرکے فرمایا کہ ایک شخص اکثر یہ خواب دیکھتا تھا کہ میرے گھر میں چھپکلیاں لڑتی ہیں
اس خواب کو اس نے شاہ صاحب سے بیان کیا شاہ صاحب نے اس خواب کو سُنکر
فرمایا کہ تیری بیوی موئے زہار قینچی سے کترتی ہے اس نے آکر اپنی بیوی سے دریافت
کیا بیوی نے تصدیق کی۔

حاشیہ حکایت (۴۳) قولہ قینچی سے **اقول** مناسبت ظاہر ہے
اور اس میں اس فعل کے ناجائز ہونے کی کوئی دلیل نہیں (ش ت)

(۴۴) خانصاحب نے فرمایا کہ ہندوستان میں السلام علیکم کا رواج بالکل
متروک ہو گیا تھا حتیٰ کہ شاہ صاحب کے خاندان میں بھی اس کا رواج نہ تھا اور جب وہ
سلام کرتے تھے تو کہتے تھے عبد القادر تسلیمات عرض کرتا ہے رفیع الدین تسلیمات
عرض کرتا ہے سید صاحب پہلے پہل ولی شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے
ہیں تو سب سے پہلے انھوں نے شاہ صاحب کو سلام کرتے ہوئے السلام علیکم کہا ہے۔

جب شاہ صاحب نے ان کا سلام سُنا تو بہت خوش ہوئے اور آپ نے حکم دیدیا کہ آیندہ سلام بطریق مسنون کیا جاوے اسی دفعہ میں سید صاحب شاہ صاحب سے بیعت ہوئے اور چھ روز قیام فرما کر تشریف لے گئے چھ مہینے کے بعد پھر آئے اور چھ مہینے شاہ عبد العزیز صاحب کی تربیت میں رہے اسکے بعد شاہ عبد القادر صاحب نے ان کو شاہ صاحب سے مانگ لیا اور پورے ڈھائی برس اکبری مسجد میں اپنی خدمت میں رکھا جسکی تفصیل نمبر آیندہ میں آتی ہے۔

حاشیہ حکایت (۴۴) قولہ اسکا رواج نہ تھا **اقول** غالبًا مخالفت عامہ میں فتنہ کا خوف ہوگا بعد میں اسکو گوارا کر لیا ہوگا یا خوف کم ہوگیا ہوگا (**شت**)

(۴۵) خانصاحب نے فرمایا کہ جب سیّد صاحب بیعت ہونے کے بعد دوسری مرتبہ بغرض تعلیم حاضر ہوئے ہیں تو شاہ صاحب نے انکو اس مسجد میں ٹھہرا دیا جو انکے مدرسہ سے تقریبًا پچاس قدم کے فاصلہ پر واقع تھی جس میں شاہ صاحب اور طلبہ نماز پڑھا کرتے تھے اور تعلیم اشغال فرما کر حکم دیا کہ آٹھویں روز ہم سے ملا کرو اور تین شخصوں کو ان کی خدمت کے لئے مقرر کر دیا اور کہدیا کہ جس چیز کی سیّد صاحب کو ضرورت ہو تم لوگ اسکا انتظام کر دیا کرو اور ایک ٹھلیا اپنے پاس سے دی اور فرمایا کہ روزانہ اس ٹھلیا میں سید صاحب کے لئے جمنا سے پانی لایا کرو یہ تین شخص جن کو شاہ صاحب نے مامور فرمایا تھا ایک سید ثمن علی خانپوری تھے اور دوسرے قاری نسیم رامپوری اور تیسرے انکے چھوٹے بھائی جن کا نام مجھے یاد نہیں رہا ان میں سے تیسرے صاحب کو میں نے بھی دیکھا ہے قاری نسیم مذکور اور ان کے چھوٹے بھائی دونوں اتنے بزرگ تھے کہ لوگ مولوی مظفر حسین صاحب کے تقوی کو ان کے تقوی سے تشبیہ دیا کرتے تھے اور یہ کہا کرتے تھے کہ مولوی مظفر حسین صاحب قاری نسیم اور انکے چھوٹے بھائی کا نمونہ ہیں) سید صاحب نے چھ مہینے تک تعلیم حاصل کی چھ مہینے کے بعد شاہ صاحب کے خاندان میں کسی کے یہاں شادی کی تقریب ہوئی اس تقریب میں شاہ عبد العزیز صاحب شاہ عبد القادر صاحب اور شاہ رفیع الدین صاحب تینوں بھائی موجود تھے

اور شامیانہ تانا جارہا تھا اس مقام پر ایک نیم تھا جسکی وجہ سے شامیانہ اچھی طرح نہ تنتا تھا بلکہ اسمیں جھول رہتا تھا۔ اتنے میں سید صاحب بھی مسجد میں سے تشریف لے آئے جب آپ نے یہ رنگ دیکھا تو کرتہ کو کمر سے باندھکر نیم پر چڑھ گئے اور نیم پر چڑھکر جو شامیانہ کو کھینچا تو شامیانہ بالکل ٹھیک تن گیا اور جھول بالکل نکل گیا۔ سید صاحب کی یہ دہج شاہ عبد القادر صاحب کو پسند آگئی اور انھوں نے شاہ عبد العزیز صاحب سے عرض کیا کہ سید احمد کو مجھے دیدیجئے شاہ صاحب نے فرمایا کہ لیجاؤ اور سید صاحب سے کہدیا کہ میاں عبد القادر کے ساتھ جاؤ شاہ عبد القادر صاحب انکو اپنے پاس اکبری مسجد میں لے آئے اور ایک حجرہ میں رکھدیا اور اشغال کے لئے فرمایا کہ میری سہ دری کے پاس بیٹھکر کیا کرو۔ سید صاحب نے اس حکم کی تعمیل کی۔ اور شاہ عبد القادر صاحب کے حکم کے مطابق ذکر و شغل کرتے رہے اور جو جگہ شاہ صاحب نے انکو بتادی تھی سید صاحب خواہ مینہ ہو یا آندھی یا دھوپ برابر اپنی جگہ بیٹھے رہتے تھے اور جبتک شاہ صاحب نہ کہتے تھے کہ اب یہاں سے اٹھ جاؤ اس وقت تک نہ اُٹھتے تھے شاہ صاحب نے سید صاحب کو ڈھائی برس اپنی خدمت میں رکھا اور ڈھائی برس کے بعد ان کو لیکر شاہ عبد العزیز صاحب کی خدمت میں آئے اور شاہ صاحب سے عرض کیا کہ سید احمد حاضر ہیں ان کو پرکھ لیجئے یہ کہا لیجئے شاہ صاحب نے فرمایا کہ میاں عبد القادر تم جو کچھ کہتے ہو ٹھیک کہتے ہو اب ان کو بیعت کی اجازت دیدو۔ شاہ عبد القادر صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اجازت تو آپ ہی دینگے اور ان سے آپ ہی کا سلسلہ چلیگا شاہ صاحب نے ان کو بیعت کی اجازت دیدی۔

۵۲

حاشیہ حکایت (۴۵) **قولہ** سید صاحب سے کہدیا الخ **اقول** اگر شیخ مرید کو کسی کے سپرد کردے اُسکے ماننے میں ذرا تردد نہ کرے جیسا خود رایوں کی عادت ہے **قولہ** جبتک شاہ صاحب الخ **اقول** یہ ہے انقیاد شیخ کہاں ہیں وہ حضرات جو ان حضرات کو درویشی کا منکر اور بزرگوں کی شان میں بے ادب کہتے ہیں آئیں اور آنکھیں کھولکر دیکھیں (**ش ت**)

(باقی آئندہ)

(۴۵) خانصاحب نے فرمایا۔ کہ جس زمانہ میں سید صاحب شاہ عبدالعزیز صاحب سے تعلیم سلوک حاصل کر رہے تھے اس زمانہ میں شاہ صاحب نے ان کو تصور شیخ کی تعلیم کی سید صاحب نے فرمایا کہ حضرت اگر تصور شیخ طریقت کا موقوف علیہ ہے تو میں اس طریقت ہی کو چھوڑتا ہوں اور اگر یہ اسکا موقوف علیہ نہیں ہے تو (اختیار طریق میں) کچھ مضائقہ نہیں (مگر اس تصور کو حذف فرما دیجئے) شاہ صاحب نے فرمایا کہ طریقت اس پر موقوف نہیں ہے تم تصور شیخ نہ کرو۔

حاشیہ حکایت (۴۶) قولہ سید صاحب نے فرمایا وقولہ شاہ صاحب نے فرمایا اقول یہ ہے اظہار حق اور یہ ہے اقرار حق۔ مرید ایسا ہو اور پیر ایسا ہو اور مبنی اس عذر کا یہ ہے کہ اس عمل کو غیر مشروع سمجھا مرید کو یہی چاہیئے کہ ایسے موقع پر عذر کر دے مگر دو امر کا لحاظ لازم ہے ایک یہ کہ ادب سے عذر کرے ردوکد و اعتراض و اعراض و مقابلہ و مجادلہ کی صورت نہ ہو دوسرے یہ کہ شیخ کو چھوڑ نہ دے بلکہ اُسکے ساتھ حسن ظن رکھے اور اُسکے فعل کی کچھ تاویل مناسب کرے اگر تاویل سمجھ میں نہ آوے تو یہی سمجھ لے کہ کچھ تاویل ہوگی جو میرے ذہن میں نہیں آئی اسکے بعد یہ دیکھے کہ شیخ نے اسکے عذر کو قبول کیا یا نہیں اگر کر لیا جیسے حضرت شاہ صاحب نے کر لیا تہا اور اگر نہیں کیا بلکہ اپنے تجویز پر اصرار کیا یا مرید سے مکدر ہو گیا تو اُس شیخ کو چھوڑ دے اور دوسرے کامل سے رجوع کرے مگر اُسکی شان میں بھی گستاخی نہ کرے کیونکہ ابتداءً راہ پر لگا دینے میں وہ اس کا محسن ہے (**تشت**)

(۴۷) خانصاحب نے فرمایا کہ میرے استاد میانجی محمدی صاحب فرماتے تھے کہ میں نے مولانا اسحٰق صاحب سے کافیہ شروع کیا تھا اور سید صاحب جب تشریف لائے تو انھوں نے شاہ اسحٰق صاحب سے میزان شروع کی تھی اور اتنی جلدی ترقی کی کہ نصف سے آگے مجھے کافیہ میں پکڑ لیا اور کافیہ ہی پڑھتے ہوئے انھوں نے مشکوٰۃ بھی شاہ صاحب سے شروع کر دی اور کوئی کتاب مولوی اسمٰعیل صاحب سے بھی پڑھتے تھے یہ قصہ تو میں نے اپنے استاد سے سُنا ہے اور مولوی عبدالقیوم صاحب فرماتے تھے کہ جب سید صاحب تعلیم علوم

حاصل کررہے تھے اثنائے تحصیل میں انکی یہ کیفیت ہوئی کہ جب وہ کتاب میں نظر کرتے تو انکی نظر سے حروف غائب ہوجاتے تھے اسکے لئے طبیبوں کی طرف بھی رجوع کی گئی مگر کچھ نہ ہوا یہ قصہ جب شاہ عبدالعزیز صاحب کی خدمت میں عرض کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ تم جالی وغیرہ باریک چیزوں پر نظر جاؤ اور دیکھو کہ وہ بھی تمہاری نظر کے سامنے سے اڑتی ہیں یا نہیں سید صاحب نے اسکا تجربہ کیا تو کوئی باریک سے باریک چیز بھی نہ اُڑی۔ اسکی اطلاع شاہ صاحب سے کی تو آپ نے فرمایا کہ پڑھنا چھوڑ دو اسپر کسی خادم نے (جسکا نام مجھے یاد تھا مگر اب بھول گیا) عرض کیا کہ حضرت یہ بات کیا ہے اور آپ نے پڑھنا چھوڑنے کا حکم کیوں دیا آپ نے فرمایا کہ میں نے امتحان کا اسلئے حکم دیا تھا کہ اگر اور باریک چیزیں بھی اڑتی ہوں تو جانا جاوے کہ مرض ہے اور اسکا علاج کیا جاوے جب معلوم ہوا کہ دوسری چیزیں نہیں اڑتیں تو ثابت ہوا کہ مرض نہیں ہے بلکہ اسکا سبب یہ ہے کہ علم ظاہری انکی قسمت میں نہیں ہے لہذا میں نے کہدیا کہ پڑھنا چھوڑ دو اور فرمایا ان کو تعلم سے پڑھنا نہ آئیگا بلکہ علم لدنی حاصل ہوگا۔ ۵۴

حاشیہ حکایت (۴۷) قولہ تعلم سے پڑھنا نہ آئے گا اقول ہو کما

قال الرومی رح ؎ بینی اندر خود علوم انبیا ✤ بے کتاب و بے معید و اوستا۔ مگر اس سے علوم احکام مستثنےٰ ہیں ان میں بجز نقل کے کوئی سبیل حجت نہیں خواہ وہ نقل کتاب سے ہو یا اہل علم سے (ش ت)

(۴۸) خانصاحب نے فرمایا یہ قصہ جو میں بیان کرونگا میں نے اپنے اُستاد میانجی محمدی صاحب سے سُنا ہے وہ فرماتے تھے کہ سید صاحب سہارنپور تشریف لے گئے تو یونی کی مسجد میں منبر کے اوپر کی سیڑہی پر بیٹھکر وعظ فرمایا انکے دونوں پاؤں کے بیچ میں مولوی عبدالقیوم ابن جناب مولوی عبدالحی صاحب بیٹھے ہوئے تھے جو کہ اسوقت بچے تھے اور مسجد میں ایک طرف مولوی عبدالحی صاحب اور مولوی اسمٰعیل صاحب پاس پاس بیٹھے ہوئے تھے وعظ جب نصف سے زیادہ ہوگیا تو مولوی عبدالحی صاحب نے مولوی اسمٰعیل صاحب کو اشارہ سے اٹھایا اور اٹھا کر اس طرف لے گئے جس طرف قبریں ہیں میں بھی

پیچھے پیچھے گیا اور وہاں جا کر فرمایا کہ سید صاحب نے یہ مضمون پہلے بھی بیان فرمایا ہے اور میں نے اور تم نے اس کو لکھ بھی لیا ہے لیکن اسوقت جو کچھ فرما رہے ہیں یہ تمہاری سمجھ میں آتا ہے یا نہیں مولوی اسمٰعیل صاحب نے کہا کہ کچھ کچھ آتا ہے اسپر مولوی عبدالحی صاحب نے فرمایا کہ سچی بات یہ ہے کہ میں نے تو بہت زور لگایا مگر میری سمجھ میں تو نہیں آیا اب اس سمندر کو ہم اپنی کلھیا میں کیونکر بند کریں سید صاحب سے عرض کرنا چاہیئے کہ حضرت مضمون کو ذرا آسان کرکے بیان فرمایا کریں تاکہ ہم لوگ سمجھ سکیں یہ کہکر دونوں صاحبان پھر اپنی اپنی جگہ آ بیٹھے قصہ ختم ہوا۔ خانصاحب نے فرمایا اس قصہ کو میں نے مولوی عبدالقیوم صاحب کے سامنے بیان کیا انھوں نے اسکی تصدیق کی اور فرمایا کہ جب اس وعظ میں میں سید صاحب کے دونوں پاؤں کے درمیان بیٹھا تھا تو چونکہ میں چھوٹا بچہ تھا اسلئے سید صاحب کے پاؤں کو چھیڑ رہا تھا کبھی اس پاؤں کو چھیڑتا تھا کبھی دوسرے پاؤں کو۔ اور چھیڑتا اس طرح تھا کہ قدم پر ہاتھ کو رکھکر گدگداتا ہوا اوپر کو لیجاتا تھا لیکن جب میرا ہاتھ نصف ساق سے اوپر جاتا فوراً سید صاحب اسے نیچے اتار دیتے تھے بہت سی دفعہ میں نے ایسا ہی کیا اور سید صاحب نے ہمیشہ میرے ہاتھ کو نیچے اتار دیا اس قصہ کو بیان فرما کر خانصاحب نے فرمایا کہ جب میں اول مرتبہ حضرت گنگوہی کی زیارت کے لئے گنگوہ جا رہا تھا تو سہارنپور ہو کر مغرب کی نماز میں نے پونبی کی مسجد میں پڑھی گو مجھے معلوم نہ تھا کہ یہ پونبی کی مسجد ہے مگر میں نے اسے پہچان لیا اور جب لوگوں سے دریافت کیا تو معلوم ہو کہ واقعی پونبی ہی کی مسجد ہے اور میں نے صحیح سمجھا تھا۔

حاشیہ حکایت (۴۸) قولہ گدگداتا ہوں الخ **اقول** اس سے دو کمال ثابت ہوتے ہیں ایک مجذوبیت سے بعد کہ یہ امر ناگوار نہیں ہوا دوسرا تقوی کہ زانو سے آگے ہاتھ نہیں جانے دیا (**اشرف**)

(۴۹) خانصاحب نے فرمایا کہ یہ قصہ میں نے ابوبکر خاں خورجہ والے سے سُنا ہے جو کہ شاہ عبدالقادر صاحب کے دیکھنے والوں میں تھے یہ صاحب فرماتے تھے کہ بعد مغرب سید صاحب نے اکبرآباد کی جامع مسجد کے بیچ کے در میں بیٹھکر وعظ

فرمایا اور اس وعظ میں آپ نے شیخین کے بھی کچھ فضائل بیان فرمائے چار رافضی حوض پر کھڑے تھے اسوقت روافض کا فتنہ گو سابق کی نسبت بہت کم ہو گیا تھا مگر تاہم موجود تھا ان رافضیوں نے تالی بجائی اور قہقہہ لگا کر بھاگنا چاہا سید صاحب نے انکی آواز سنکر زور سے الا اللہ کہا اس آواز سے ایک رافضی تو حوض کے قریب ہی گر پڑا اور ایک حوض سے کچھ آگے گرا ایک دروازہ کے پاس گرا ایک مسجد سے نکل گیا اور سید صاحب ضرب الا اللہ کے بعد خاموش بیٹھ گئے اسوقت مسجد کی یہ حالت ہو گئی کہ وہ تنور کی طرح گرم ہو گئی اور لوگ چلے جانے لگے میں چونکہ کسیقدر بے تکلف تھا اسلئے میں نے سید صاحب کے گھٹنہ پر ہاتھ رکھکر عرض کیا کہ حضور بس اب لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے فرمایا کہ بہت اچھا اسکے بعد آپ نے عشاء کی اذان کا حکم دیا اور فرمایا کہ ان تینوں رافضیوں سے کہدو کہ عشاء کی نماز پڑھکر جاویں اسکے بعد عشاء کی نماز ہوئی اور اس میں تینوں رافضی شریک ہوئے اور سُنی ہو کر سید صاحب سے بیعت ہو گئے خانصاحب نے فرمایا کہ میں نے اپنے بچپن میں سُنا تھا کہ سید صاحب نے ہزاروں امام باڑے توڑ والے ہیں مگر حکیم جمیل الدین صاحب جو کہ پورب میں بہت رہے ہیں وہ فرماتے تھے کہ سید صاحب نے پچاس ہزار امام باڑے توڑوا دیے ہیں۔ ۵۶

حاشیہ حکایت (۴۹) قولہ اس آواز سے ایک رافضی **اقول** تصرفات کے کمال مقصود ہونے کا اس سے شبہ نہ کیا جاوے اور اسیطرح اہل کمال کے نزدیک پسندیدہ نہ ہونا اور باوجود اسکے سید صاحب کا اس سے کام لینا بھی محل اشکال نہ ہونا چاہیئے کیونکہ یہ بضرورت و باذن تھا پس جیسے قوی جسمانیہ سے اہل باطل کو مغلوب کرنے کا حکم ہے ویسے ہی قوی نفسانیہ سے (**اشرف**)

(۵۰) خانصاحب نے فرمایا کہ لدھیانہ میرٹھ ہاپوڑ گلاوٹی بلند شہر کا حال تو مجھے معلوم ہے کہ یہاں کے لوگ سب تفضیلی بلکہ بعض بعض تو رافضی تھے اور سُنا ہے کہ دیوبند میں بھی سب تفضیلی تھے۔ یہ بات کہ یہ مقامات بدعت تفضیل سے پاک ہیں یہ سب سید صاحب ہی کا صدقہ ہے اور سنیوں اور شیعوں میں جو شادی بیاہ ہوتے تھے

یہ بھی سید صاحب ہی نے رُکوائے ہیں۔

حاشیہ حکایت (۵۰) یہ ہیں برکات جو کرامات و تصرفات سے بھی اکمل ہیں (شفیع)

(۵۱) خانصاحب نے فرمایا کہ میرے اُستاد میانجی محمدی صاحب بیان فرماتے تھے کہ جب سید صاحب سیر کو تشریف لیجاتے تھے تو بڑے بڑے لوگ شکار بند پکڑا کرتے تھے ہم بھی چاہتے تھے کہ یہ شرف ہمیں بھی نصیب ہو مگر ہمیں موقع نہ ملتا تھا لیکن ایک روز موقع ملگیا اور میں شکار بند پکڑے ہوئے سید صاحب کے ساتھ چلا۔ خانم کے بازار میں ایک کوچہ تھا اور اس کوچہ کے نکڑ پہ ایک رنڈی کا مکان تھا اور اسمیں جو رنڈی رہتی تھی وہ نہایت حسین اور پڑھی لکھی تھی اور اسکے یہاں معمولی آدمیوں کا گذر نہ تھا بلکہ بڑے بڑے لوگ بیٹھا کرتے تھے سید صاحب جب اسکے مکان کے پاس کو نکلے تو اتفاق سے وہ اپنے دروازہ پہ کھڑی تھی اور تمام لباس سرخ تھا سید صاحب اس جگہ ذرا ٹھٹکے اور ایک نظر اسکی طرف دیکھا اسکے بعد گھوڑا بڑھا کر آگے روانہ ہوگئے۔ آپ بیس پچیس قدم ہی چلے ہونگے کہ اتنے میں وہ رنڈی روتی ہوئی اور یہ آواز دیتی ہوئی آئی کہ اے میاں سوار خدا کے واسطے ذرا گھوڑا روک لے آپ نے گھوڑا روک لیا اور وہ بے تحاشا گھوڑے کے اگلے دونوں پاؤں کو لپٹ گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی سید صاحب ہر چند فرماتے ہیں کہ بی بی سُن تو سہی بات تو بتلا تو کون ہے اور کیوں روتی ہے گھوڑے کے پاؤں چھوڑ دے اور اپنا مطلب کہہ مگر وہ نہیں مانتی اور برابر گھوڑے کے پاؤں پکڑے ہوئے رو رہی ہے تھوڑی دیر میں اسے افاقہ ہوا اور اسنے کہا کہ میاں میں بیوہ ہوں اور توبہ چاہتی ہوں اور کچھ نہیں چاہتی سید صاحب نے فرمایا کہ اسوقت تیرے مکان میں کچھ لوگ ہیں اسنے کہا کہ جی ہاں۔ سید صاحب نے فرمایا کہ توبہ کے بعد نکاح بھی کریگی اسنے کہا کہ جی ہاں نکاح بھی کرونگی اور جو آپ فرمائینگے وہ کرونگی آپ نے فرمایا کہ تیرا دل کسی سے نکاح کو چاہتا ہے تو اسنے کہا کہ جی ہاں فلاں سے آپ نے فرمایا کہ وہ کہاں ہے۔ اس نے کہا کہ اسوقت میرے مکان میں ہے۔

آپ نے فرمایا کہ مکان میں کوئی اور بھی ہے اُس نے کہا کہ جی ہاں کئی آدمی ہیں سید صاحب نے اُس طوائف سے اور مجھ سے فرمایا کہ جاؤ سب کو بلا لاؤ۔ ہم گئے تو اُسوقت دس آدمی تھے ان میں سے نو تو آ گئے مگر وہ نہیں آیا جس سے وہ نکاح کرنا چاہتی تھی جس شان سے وہ رنڈی آئی تھی اُسی شان سے یہ لوگ بھی آئے اور وہ بھی سب کے سب تائب ہو گئے اب آپ نے رنڈی سمیت سب سے فرمایا کہ تم لوگ اکبری مسجد میں چلو میں بھی آتا ہوں چنانچہ وہ سب اکبری مسجد میں چلے گئے اور آپ آگے بڑھ گئے اُسکے بعد آپ نے مجھ سے فرمایا کہ میاں محمدی تم نے دیکھا کہ یہ ہم نے کیا کیا میں نے عرض کیا کہ ہاں حضور دیکھ لیا آپ نے فرمایا کہ میاں سُنو اس قسم کی باتیں یہود نصاری مجوس اور جوگی بھی کرتے ہیں بعض میں نظر کی قوت ہوتی ہے بعض میں دماغی بعض میں قلبی بعض میں آواز کی قوت ہوتی ہے مگر وہ قوت کسبی ہوتی ہے اور مجھے جو قوت عطا ہوئی ہے وہ یہی ہے اگر تم کسی کے اندر ایسی قوت دیکھو تو میں نصیحت کرتا ہوں کہ فوراً اُسکے معتقد نہ ہو جانا اور اُسکو بزرگ نہ سمجھ لینا بلکہ جسکو متبع سنت دیکھو تو گو ان قوتوں میں سے کوئی قوت بھی اُسکے اندر نہ دیکھو اُسکے معتقد ہونا یہ فرماکر آگے چلے اور جنگل میں پہونچکر فرمایا کہ الحمدللہ میں اللہ کا وہ بندہ ہوں جسکے لئے مچھلیاں پانی میں اور چیونٹیاں سوراخوں میں دعا کرتی ہیں اور جس طرف کو میں نکل جاتا ہوں وہاں کے درخت اور جانور تک مجھے پہچانتے اور سلام کرتے ہیں اس قصہ کو یہاں چھوڑ کر میں اسوقت مولانا نانوتوی کا ایک ملفوظ سناتا ہوں جو اس مقام کے مناسب ہے آپ نے فرمایا کہ قبول عام کی دو صورتیں ہیں ایک وہ قبول جو خواص سے شروع ہو کر عوام تک پہونچے اور دوسرا وہ جو عوام سے شروع ہو اور اسکا اثر خواص تک بھی پہونچ جائے پہلا قبول علامت مقبولیت ہے نہ کہ دوسرا کیونکہ حدیث میں جو مضمون علامت مقبولیت آیا ہے وہ یہ ہے کہ اول بندہ سے اللہ تعالیٰ محبت کرتے ہیں پھر وہ ملاء اعلےٰ کو محبت کا حکم دیتے ہیں اور ملاء اعلےٰ اپنے سے نیچے والوں کو اور وہ اپنے سے نیچے والوں کو یہانتک کہ وہ حکم اہل دنیا تک آتا ہے اور جو

۵۸

ترتیب ملاء اعلےٰ میں تھی اُسی ترتیب سے اُسکی محبت دُنیا میں پھیلتی ہے کہ پہلے اس سے اچھے لوگوں کو محبت ہوتی ہے اسکے بعد دوسروں کو پس جو مقبولیت اسکے برعکس ہوگی وہ دلیل مقبولیت نہ ہوگی اسکے بعد فرمایا کہ دیکھو جب جناب رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی رسالت کا اعلان فرمایا ہے تو اوّل وہ لوگ معتقد ہوئے جو اس زمانہ میں سب سے اچھے تھے اُسکے بعد وہ لوگ جو ان سے کم تھے اسکے بعد وہ لوگ جو ان سے کم تھے اور اخیر میں اچھے اور بُرے سب زیر اثر آگئے حتیٰ کہ کچھ آپکے ماننے والے منافقین بھی تھے اور اسی بنا پر جو ہجرت سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے وہ سب سے افضل ہیں اور انکے بعد وہ جو بدر سے پہلے مُسلمان ہوئے اور انکے بعد وہ جو احد سے پہلے مُسلمان ہوئے۔ پھر وہ جو خندق سے پہلے مُسلمان ہوئے پھر وہ جو صلح حدیبیہ سے پہلے مسلمان ہوئے پھر وہ جو فتح مکّہ سے پہلے مسلمان ہوئے اور فتح مکہ کے بعد تو سبھی مطیع ہوگئے اور آپ کی مقبولیت بہت ہی عام ہوگئی۔ یہ بیان فرماکر فرمایا کہ سید صاحب اور شاہ عبد العزیز صاحب اور انکے خاندان کی مقبولیت بھی اسی ترتیب سے ہوئی ہے کہ اوّل اُنکے معتقد اہل کمال ہوئے ہیں اور اُسکے بعد انکی مقبولیت عام ہوئی ہے اور اسیطرح ہمارے حضرت حاجی صاحب کی مقبولیت ہوئی ہے کہ اول انکے معتقد خواص ہوئے اسکے بعد انکی مقبولیت عام ہوئی مگر حاجی..... شاہ کی مقبولیت اول کم لوگوں میں ہوئی وایسے ہی وسیوں میں۔ اور عموم شہرت کے بعد اگر کوئی اللہ کا بندہ پھنس گیا تو وہ قابل اعتبار نہیں اسی سلسلہ میں مجھے ایک اور قصہ یاد آگیا وہ یہ کہ ایک مرتبہ حاجی...... شاہ علی گڈھ آئے چونکہ مشہور آدمی تھے اسلئے نواب لطف علی خان صاحب کو بھی ان سے ملنے کا شوق ہوا اور انھوں نے گاڑی منگائی جب انھوں نے پائدان پر پانوں رکھا تو اتفاق سے ایک خادم نے کہا کہ میاں آج حاجی صاحب کے پاس تمام شہر کی رنڈیاں اکھٹی ہوکر آئی تھیں مگر نواب صاحب نے اسکو غلط سمجھا اور بہت ناخوش ہوئے جب دوسرے خادم نے دیکھا کہ نواب صاحب کو یقین نہیں آیا تو اس نے کہا کہ میاں واقعی ایسا ہوا ہے جب انھوں نے سمجھ لیا کہ واقعہ ٹھیک ہے تو نواب یوسف علی خاں سے فرمایا

کہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ یہ شخص ملنے کے قابل ہے ہم تو اسواسطے جاتے تھے کہ انکی صحبت سے خدا کی محبت نیکیوں کی طرف رغبت گذشتہ گناہوں پر ندامت اور آیندہ گناہوں سے نفرت پیدا ہوگی۔ مگر معلوم ہوا کہ وہ بڑا شہدہ ہے ہم چھوٹے شہدے۔ پھر کیوں جائیں یہ کہکر جانا موقوف کردیا اور گاڑی بان کو حکم دیا کہ گاڑی لیجاؤ ہم نہ جائینگے۔ اسکے بعد ایک قصہ اور یاد آگیا۔ نواب لطف علی خاں کوئی مقدس لوگوں میں نہ تھے مگر بزرگوں سے تعلق تھا لیکن اس تعلق کا یہ اثر تھا کہ باوجودیکہ سرسید سے انکی بہت دوستی تھی مگر جب انکے تیجے کے چنے پڑھے گئے ہیں اور مولوی ...... انصاری اس میں شریک ہوئے تو اس روز سے نواب صاحب نے مولوی ...... سے سلام کرنا چھوڑ دیا تھا۔ یہ شاہ صاحب کے خاندان کے ان متوسلین کی حالت تھی جو دنیادار تھے ان ضمنی مضامین کے بعد میں اصل قصہ کی طرف لوٹتا ہوں میانجی صاحب نے فرمایا کہ سید صاحب سیر سے لوٹ کر اکبری مسجد میں آئے تو وہ رنڈی اور وہ نو آدمی سب کے سب اکبری مسجد میں موجود تھے آپ نے سب کو بیعت کیا اور ان میں سے ایک شخص کے ساتھ جس سے وہ رنڈی رضامند ہوگئی تھی اُسکا نکاح کردیا اور وہ رنڈی باوجودیکہ بہت دولتمند تھی مگر اس نے اپنی تمام دولت اور گھر بار کو چھوڑ دیا اور پھر اپنے گھر نہیں گئی۔ جب سید صاحب نے سکھوں پر جہاد کیا ہے تو یہ سب لوگ جہاد میں شریک ہوئے اور وہ نو آدمی تو شہید ہوگئے مگر اس رنڈی کا حال نہیں معلوم ہوا کہ اسکا کیا انجام ہوا یہ رنڈی ایک دوسری رنڈی کے ساتھ (جو مولوی اسمٰعیل صاحب شہید کے ہاتھ پر تائب ہوئی تھی اور اس رنڈی کا نام موتی تھا اور اسکی توبہ کا قصہ حکایت نمبر ۵۵ میں آئیگا) مجاہدین کے گھوڑوں کا وانہ دلا کرتی تھی اور وانہ دیتے دیتے اسکے ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے تھے حافظ محمد اکبر صاحب خانپوری بیان فرماتے تھے کہ میں نے ان دونوں رنڈیوں کو دیکھا ہے۔ ایک مرتبہ میں نے ان سے پوچھا کہ بتلاؤ تو سہی تم اپنی پہلی حالت میں خوش تھیں یا اس حالت میں تو انھوں نے جواب دیا کہ ہم درحقیقت مصیبت میں تھے اور اب ہمیں جو راحت ہے اسکو ہم بیان نہیں کرسکتی اسوقت ہمارے ایمان کی یہ حالت ہے کہ اگر ہم اپنے ایمان کو پہاڑ پر رکھدیں تو پہاڑ بھی زمین میں دھنس جائے

۶۰

(باقی آیندہ)

حاشیہ حکایت (۵۱) قولہ مجھے جو قوت عطا ہوئی ہے وہ وہی ہے اگر تم کسی کے اندر ایسی قوت دیکھو الخ **اقول** ایسی قوت عام ہے کسبی اور وہبی سے جیسے قوت جسیمہ کہ کبھی ریاضت سے حاصل ہوتی ہے کبھی فطری وخلقی طور پر اور کمال دینی ان میں سے کوئی بھی نہیں البتہ دیکھا یہ جاویگا کہ اس قوت کو صرف کہاں کیا اسیکا اعتبار ہوگا پس کمال مطلوب عمل ہوا نہ کہ یہ قوت **قولہ** میں اللہ کا وہ بندہ ہوں **اقول** اس سے افتخار مقصود نہیں بلکہ محض تحدث بالنعمۃ اور کبھی اس اظہار سے یہ بھی مقصود ہوتا ہے کہ سننے والے ان بزرگ سے دینی فائدہ حاصل کریں (**شت**)

(۵۲) خانصاحب نے فرمایا کہ میرے استاد میانجی محمدی صاحب نے ایک روز ارشاد فرمایا کہ سید صاحب ایک روز اکبری مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک نوجوان سر سے پا تک حریر کا لباس پہنے ہوئے اور ڈاڑھی منڈائے ہوئے اور پوری پوری میں انگوٹھی چھلے پہنے ہوئے حاضر ہوا اور سلام کر کے بیٹھ گیا اور چونکہ اس زمانہ میں بانکوں کی وضع یہ تھی کہ ڈھیلا پاجامہ کلیوں دار پہنا کرتے تھے اس لئے یہ شخص بھی ڈھیلا ہی پاجامہ پہنے ہوئے تھا یہ شخص فوج میں ملازم تھا مگر یہ یاد نہیں کہ رفعدار تھا یا اور کچھ اس نے عرض کیا کہ حضور میں فوج میں ملازم ہوں اور ہماری فوج کو یہاں چھ مہینے رہنے کا حکم ہے میں چاہتا ہوں کہ حضور مجھے بیعت کرلیں سید صاحب نے فرمایا کہ بیعت! کیا یہ صورت بیعت کی ہے ڈاڑھی آپکی منڈی ہوئی ہے لباس سارا حریر کا ہے ہاتھوں میں مہندی ہے پوری پوری میں چھلے ہیں اُس نے جواب دیا کہ میں ان باتوں سے توبہ کرتا ہوں اور چھلے تو میں اسی وقت اُتارے دیتا ہوں لیکن کپڑے ابھی نہیں اتار سکتا کیونکہ نہ دوسرے کپڑے یہاں میرے پاس ہیں اور نہ گھر رہی مہندی اور ڈاڑھی سو میں مہندی کے زائل کرنے سے بھی اسوقت عاجز ہوں اور ڈاڑھی بھی نہیں پیدا کرسکتا۔ سید صاحب نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ ان کے لئے کپڑوں کا انتظام کرایا جاوے چنانچہ لوگوں نے کرتہ پاجامہ وغیرہ

۶۱

دیدیا اور سید صاحب نے اپنا عمامہ اور چادر دی اس سے کپڑے اتار کر یہ کپڑے خوشی خوشی پہن لئے اسکے بعد سید صاحب نے اُسے بیعت کیا اور علیحدہ لیجا کر کچھ تعلیم فرمایا بیعت ہونے کے بعد یہ شخص چھ سات روز تک صبح کے وقت اور عصر روزانہ آتا رہا لیکن ساتویں یا آٹھویں روز جو وہ آیا تو نہایت پریشان اور روتا ہوا آیا اور عرض کیا کہ میں تو سمجھتا تھا کہ ہمارا قیام چھ سات مہینہ ہوگا اور میں حضور سے مستفید ہونگا۔ مگر آج ہماری فوج کے تبادلہ کا حکم آگیا ہے اور کل کو ہمیں یہاں سے جانا ہوگا۔ مجھے اپنی محرومی اور حضور کی مفارقت کا نہایت صدمہ ہے سید صاحب اسکا ہاتھ پکڑ کر شاہ عبدالقادر صاحب کے حجرہ میں لے گئے اور آدہ گھنٹہ یا پون گھنٹہ حجرہ میں رہے اُسکے بعد سید صاحب تنہا حجرہ سے نکلے اور ہم لوگوں سے فرمایا کہ ان کو باہر اٹھا لاؤ اور ہوا دو اور یہ کہکر تیز قدمی کے ساتھ دوسرے حجرہ میں تشریف لے گئے ہم لوگ جب اندر گئے ہیں تو دیکھا کہ وہ شخص بالکل بیہوش تھا ہم اسے حجرہ سے سہ دری میں لے آئے اور پانی کے چھینٹے وسے پنڈول سونگھایا کچھ دیر کے بعد اسے ہوش آیا تو اس کی یہ حالت تھی کہ بالکل مست تھا اور آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں اور کہتا تھا کہ واللہ باللہ جس طرف آنکھ اٹھا کر دیکھتا ہوں سید صاحب ہی نظر آتے ہیں وہ میری آنکھوں میں بھی ہیں اور میرے قلب میں بھی ہیں یہ الفاظ اس نے تین دفعہ زور زور سے کہے۔ سید صاحب نے کواڑ کھولکر اپنا چہرہ نکالا اور زور سے فرمایا کہ خاموش اور مجھ کتے کی صورت اپنے سامنے سے منہدم کر اور یہ الفاظ آپ نے بھی تین مرتبہ فرمائے۔ اسکا اثر یہ ہوا کہ وہ بالکل اچھا ہو گیا یہ قصہ بیان فرما کر میرے اُستاد بیان فرماتے تھے کہ تصور دو قسم کا ہوتا ہے ایک تو وہ کہ جو از خود ہو اور دوسرا وہ جو تصور کرنے سے ہو۔ سید صاحب جو تصور شیخ کو منع فرماتے تھے وہ وہ تصور تھا جو قصداً اور بتکلف کیا جاوے اور جو تصور از خود ہو اسکو منع نہیں فرماتے تھے کیونکہ ایسے تصور کا ثبوت حدیثوں سے ہے چنانچہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ نہا کر نکلے آپ اپنے بالوں کو دو حصے کرتے تھے اور آپ کے درمیان مانگ

مانگ تھی گویا کہ میں دیکھ رہی ہوں جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو نیز ابوہریرہؓ
ایک مرتبہ لوگوں کو اپنے ہاتھ کے اشارہ سے بٹھا رہے تھے اور فرماتے تھے کہ
جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بھی یوں ہی بٹھاتے تھے گویا کہ میں دیکھ رہا
ہوں جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ تصوّر جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم
کا تھا مگر از خود تھا نہ کہ بتکلف و بالقصد۔

حاشیہ حکایت (۵۲) قولہ جس طرف آنکھ اٹھا کر الخ **اقول**
شاید یہ تصرف اُسکے رنج مفارقت کے تدارک کے لئے کیا گیا ہو کہ اس طرح نظر
آجانے سے تسلی رہیگی اور اچھا ہو جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ نظر آنا بند ہو گیا
ہو بلکہ اُس میں تقلیل و تعدیل ہو گئی ہو **قولہ** وہ تصور تھا جو قصداً اور بتکلف الخ۔
اقول اس سے بھی وہ درجہ مراد ہے جسمیں مقصودیت کی شان ہو جیسے بطور شغل مستقل
کے کرتے ہیں جسمیں قلب سے غیر کی نفی کا اہتمام کرتے ہیں کہ اسمیں مشابہت ہے شرک
کی ورنہ اگر محبت میں قصداً بھی تصور کرے تو کچھ حرج نہیں اور جن بزرگوں سے
اجازت منقول ہے وہ بقدر ضرورت ہے کہ خطرات دفع نہ ہوں تو کسی مشاہد چیز کے
تصور سے حسب قاعدہ النفس لا تتوجہ الی شیئین فی ان واحد وہ خطرات دفع
ہو جاتے ہیں اور اس میں صورت شیخ و صورت دیگر اشیاء سب متساوی ہیں مگر
شیخ سے چونکہ طبعاً محبت زائد ہوتی ہے اُسکی طرف توجہ اقوی ہونے سے دفع سہلتر
ہوتا ہے گو بعد دفع خطرات کے پھر اسکو بھی زائل کر دیتے ہیں اور عین تصور کے وقت
بھی اسکا اہتمام نہیں کرتے کہ دوسرا کوئی تصور آنے نہ پاوے گو اس سے زیادہ
محمود یا مقصود ہو **قولہ** چنانچہ حضرت عائشہ الخ **اقول** ان حدیثوں کی تحقیق کر لیجاوے
باقی ایسا جملہ کانی انظر حدیثوں میں وارد بکثرت ہے (**شت**)

(۵۳) خانصاحب نے فرمایا کہ میانجی عظیم اللہ ایک شخص تھے جو خورجہ کے
رہنے والے تھے پڑھے لکھے چنداں نہ تھے معمولی فارسی جانتے تھے اور لڑکے
پڑھایا کرتے تھے مگر شاہ عبد العزیز صاحب کے صحبت یافتہ اور انکے مرید تھے

۶۳

اسلئے دین میں انکی سمجھ نہایت اعلےٰ تھی انھوں نے ایک مرتبہ تصور شیخ کے متعلق تقریر فرمائی اور فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ کی قوت افاضہ نہایت کامل تھی اسلئے صحابہ کی اصلاح باطن کے لیئے صرف آپ کی تعلیم کافی تھی اور انکو اشغال متعارفہ بین الصوفیہ کی ضرورت نہ تھی اور بدون ان اشغال کے انکی اصلاح ہوجاتی تھی جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد رفتہ رفتہ یہ قوت مضمحل ہوتی گئی اور نوبت یہانتک پہنچی کہ صوفیہ کو اصلاح باطن کیں اشغال متعارفہ مثل ذکر بالجہر وحبس دم و پاس انفاس وغیرہ سے مدد لینے کی ضرورت محسوس ہوئی اور انھوں نے ان اشغال متعارفہ سے کام لیا یہ اشغال جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ تھے اسلئے بدعت تھے مگر بدعت فی الدین نہ تھے بلکہ بدعت للدین تھے یعنی ان امور کو دین میں داخل نہیں کیا گیا تھا بلکہ جو امور شرعًا مامور بہ تھے انکو ان کی تحصیل کا ذریعہ بنایا گیا تھا اور اسلئے یہ اشغال للدین تھے نہ کہ داخل دین یہ اسکو یوں سمجھو ایک طبیب نے نسخہ میں شربت بنفشہ لکھا مریض کو شربت بنفشہ کی ضرورت ہے مگر بازار میں شربت بنفشہ نہیں ملتا اسلئے وہ لکڑیاں لاتا ہے آگ جلاتا ہے دیگچی لاتا ہے شکر لاتا ہے پانی لاتا ہے بنفشہ وغیرہ لاتا ہے اور شکر و بنفشہ وغیرہ کو دیگچی میں ڈالکر آگ پر پکاتا ہے اور شربت بنفشہ تیار کر کے نسخہ کی تکمیل کرتا ہے تو یہ لکڑیاں لانا آگ جلانا وغیرہ زیادہ فی النسخہ نہیں بلکہ للتکمیل النسخہ ہیں اسیطرح سمجھو کہ تحصیل مرتبۂ احسان اور اصلاح نفس شرعًا مامور بہ ہیں اور شریعت نے ان کا کوئی طریق خاص معین نہیں فرمایا اسلئے یہ مامور بہ جس طریق مباح سے بھی حاصل ہوں اس طریق کو اختیار کیا جائیگا اور وہ طریق خاص جزو دین نہ ہو گا مگر ذریعہ دین ہو گا جب یہ معلوم ہو گیا تو اب سمجھو کہ آدمی کے لئے سیکڑوں بت ہیں جو اسکو توجہ الی الحق سے مانع ہیں کہیں اسکا دل مال میں الجھا ہوا ہے کہیں جاہ میں کہیں جورو میں کہیں اولاد میں کہیں معشوق میں الی غیر ذلک غرضکہ اسکا ایک دل ہزاروں مطلوبات میں مشغول ہے اور یہ مشغولی اسکو توجہ الی الحق سے مانع ہے جب مشائخ نے جو اطباء روحانی ہیں اس مانع کو محسوس کیا تو

(باقی آئندہ)

اسکا علاج تصور شیخ تجویز کیا تاکہ اسکا قلب سب طرف سے ہٹکر ایک مرکز پر ٹھہرے اور اسمیں مقصود اصلی کی طرف توجہ کی استعداد پیدا ہوجاوے اور گویہ تصور خود بھی بت یعنی غیر مقصود تھا مگر بضرورت جمع خاطر اسکو اختیار کیا گیا تھا جب انکے خیالات و افکار ایک مرکز پر جمع ہوکر اس قابل ہوجاتے تھے کہ وہ مقصود اصلی و حقیقی یعنی حضرت حق کی طرف متوجہ ہوسکیں تو اس بت کو بھی توڑ دیتے تھے اور تصور شیخ کو بیچ میں سے ہٹا کر اسکے قلب کو براہ راست حق تعالے سے وابستہ کردیا جاتا تھا یہ اصلی غرض تھی تصور شیخ کی۔ اور یہ مقصد تھا اسکا اب بعد کے لوگوں نے تصور شیخ کو جو حقیقت میں بت مگر ذریعہ تھا استعداد توجہ الی الحق کا مقصود اصلی بنا لیا اور اسی پر جم کر رہ گئے اور وہ بجائے ذریعہ توجہ الی الحق ہونے کے (اور موانع سے بھی زیادہ) توجہ الی الحق سے مانع تام ہوگیا جب سید صاحب پر یہ منکشف ہوا کہ اب تصور شیخ موصل الی الحق نہیں رہا بلکہ حق سے مانع ہوگیا ہے تو انھوں نے اسکو منع فرمایا اور نہایت سختی کے ساتھ رد کا یہ وجہ تھی سیّد صاحب کے تصور شیخ سے انکار کی۔

65

حاشیہ حکایت (۵۳) قولہ اسکا علاج تصور شیخ الخ **اقول** یہ تفصیل ہے اسی تحقیق کی جو حواشی حکایت بالا میں اجمالاً بیان کی گئی (شت)

(۵۴) خانصاحب نے فرمایا کہ حکیم خادم علی صاحب فرماتے تھے کہ یہ لوگ

(صوفیہ زمانہ) لا معبود الا اللہ لا مقصود الا اللہ لا موجود الا اللہ لا محبوب الا اللہ کی تعلیم حاصل کرتے ہیں اور اسکا مقتضے یہ ہے کہ اور جملہ ماسوی اللہ کو چھوڑکر ایک خدائے واحد کو اپنا معبود اپنا مقصود اپنا مطلوب اپنا محبوب بنالیں پھر سمجھہ میں نہیں آتا کہ باوجود اس تعلیم کے یہ لوگ قبر پرستی کیسے کرتے ہیں پھر فرمایا کہ بعض صحابہ نے ملوک عجم میں سجدہ کی رسم دیکھکر جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ حضور لوگ سلاطین کو سجدہ کرتے ہیں تو ہم آپ کو سجدہ کیوں نہ کریں آپ تو سلاطین عجم سے کہیں زیادہ سجدہ کے مستحق ہیں تو آپ نے فرمایا کہ اگر تمہارا میری قبر پر گذر ہو تب بھی تم مجھے سجدہ کروگے

اُنھوں نے عرض کیا کہ نہیں اسپر آپ نے فرمایا کہ پھراُسے سجدہ کس لئے کیا جاوے
اب بھی نہ ہونا چاہیئے کیونکہ فانی سجدہ کا مستحق نہیں ہے۔ اور سجدہ کا مستحق صرف
حی قیوم ہے اس سے معلوم ہوا کہ مردہ کو سجدہ کرنا زندہ سے زیادہ خلاف عقل
ہے اور اسکی شناخت اسقدر ظاہر ہے کہ وہ صحابی جو جناب رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم سے سجدہ کی درخواست کرتے ہیں جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم
کے انتقال کے بعد آپ کو بھی سجدہ کرنا خلاف عقل اور برا سمجھتے ہیں حالانکہ آپ کی
موت محض صوری ہے اور ایسی نہیں جیسے غیر انبیاء کی موت۔ پس سمجھ میں نہیں آتا
کہ قبور اولیاء اللہ کو سجدہ کرنا کیونکر معقول ہو سکتا ہے۔

حاشیہ حکایت (۵۴) نہایت لطیف و لاجواب تقریر ہے
مگر یہ سوال باقی ہے کہ پھر اسکا وقوع ہی کیوں ہوا معلوم ہوتا ہے کہ اہل ضلال
نے ان دونوں میں منافات نہیں سمجھی بلکہ قریب قریب اتحاد و حلول کا عقیدہ
کرکے انکو غیر نہیں سمجھا تعالی اللہ عما یقولون علوا کبیرا (شت) ۶۶

(۵۵) خانصاحب نے فرمایا کہ جو قصہ میں اسوقت بیان کرنا چاہتا ہوں
یہ میں نے بہت سے لوگوں سے سُنا ہے اور غالباً ان بیان کرنیوالونکی تعداد
سو سے کم نہ ہوگی اس لئے میں سب کے نام تو نہیں لکھواتا صرف چند آدمیوں
کے لکھواتا ہوں حکیم خادم علی صاحب۔ مولوی سراج احمد صاحب۔ قاری عبدالرحمن
صاحب پانی پتی مولانا گنگوہی مولانا نانوتوی۔ ڈاکٹر عبدالرحمن مظفر نگری۔ مولوی
عبدالقیوم صاحب میانجی محمدی صاحب ان سب سے میں نے سُنا ہے مگر مجھے
جو بسند متصل یہ قصہ پہونچا ہے تو اس میں اور دوسرے لوگونکی روایت میں
اخیر میں ذرا سا فرق ہے اب میں قصہ سُناتا ہوں (یہ تمہید ہے قصہ کی) حاجی
منیر خانصاحب رئیس خانپور ان لوگوں میں سے ہیں جنکی ولایت پر خود انکی صورت
شاہد تھی اور اسکے لئے کسی دوسری دلیل کی ضرورت نہ تھی۔ یہ صاحب مولوی
محمد یعقوب صاحب (مولوی محمد اسحٰق صاحب کے چھوٹے بھائی) سے بیعت تھے

جب مولانا اسحٰق صاحب و مولانا محمد یعقوب صاحب نے ہجرت کی ہے تو یہ ساندٹنی پر مولانا یعقوب صاحب کے ردیف ہوکر قطب صاحب تک ساتھ گئے تھے یہ فرماتے تھے کہ میں نے راستہ میں مولوی محمد یعقوب سے اُنکے خاندان کے بزرگوں کے حالات پوچھے انھوں نے انکے حالات بیان فرمائے اور فرمایا کہ فلاں ایسا ہے اور فلاں ایسا ہے۔ مولانا اسحٰق صاحب کی نسبت فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے انسان کی صورت میں ایک فرشتہ بھیجا ہے تاکہ لوگ ان سے ملکر فرشتوں کی قدر کریں اور مولوی اسمٰعیل صاحب جیسا عالی ہمت اور بلند حوصلہ اس خاندان میں کوئی پیدا نہیں ہوا ان وعظوں کی وجہ سے دلّی کے شہدے اور بدمعاش آپکے یہانتک دشمن ہوگئے تھے کہ انکے قتل کی فکر میں تھے اسلئے ہم لوگ انکی بہت حفاظت کیا کرتے تھے (اصل قصہ یہان سے شروع ہوتا ہے) ایک مرتبہ وہ عشاء کی نماز جامع مسجد میں پڑھکر اس دروازہ میں کو چلدیے جو قلعہ کی جانب ہے میں نے لپک کر ان کو پکڑا اور پوچھا کہ کہاں جاتے ہو میں اسوقت تمہیں تنہا نہ جانے دونگا اگر تم کہیں جاؤ گے میں تمہارے ساتھ جاؤنگا۔ مولانا نے فرمایا کہ میں ایک خاص ضرورت سے جا رہا ہون تم مجھے جانے دو اور میرے ساتھ نہ آؤ میں نے اصرار کیا مگر وہ نہ مانے اور تنہا چلدیئے میں بھی ذرا فاصلہ سے انکے پیچھے پیچھے ہو لیا خانم کے بازار میں ایک بڑی مالدار اور مشہور رنڈی کا مکان تھا اور اسکا نام موتی تھا مولانا اُس مکان پر پہونچے اور آواز دی تھوڑی دیر میں مکان سے ایک لڑکی نکلی اور پوچھا کہ تم کون ہو اور کیا کام ہے انھوں نے کہا کہ میں فقیر ہوں وہ لونڈی یہ سنکر چلی گئی اور جاکر کہدیا کہ ایک فقیر کھڑا ہے رنڈی نے کچھ پیسے دئے اور کہا جاکر دیدے وہ لڑکی پیسے لیکر آئی اور مولانا کو دینا چاہا۔ مولانا نے کہا کہ میں ایک صدا کہا کرتا ہوں اور بغیر صدا کہے لینا میری عادت نہیں تم اپنی بی بی سے کہو کہ میری صدا سُن لے اُس نے جاکر کہدیا رنڈی نے کہا کہ اچھا بلالے وہ بلا کرلیگئی مولانا جاکر صحن میں رومال بچھاکر بیٹھ گئے اور آپ نے سُورۃ والتین تم ردد ناہ

۶۷

اسفل سافلین تک تلاوت فرمائی میں بھی وہاں پہونچ گیا اور جاکر مولانا کے پیچھے کھڑا ہوگیا مولانا نے اسقدر بلیغ اور موثر تقریر فرمائی کہ گویا جنت اور دوزخ کا مشاہدہ کرادیا اس رنڈی کے یہاں بہت سی رنڈیاں بھی تھیں اور انکے علاوہ اور لوگ بھی بہت سے تھے انپر اسکا یہ اثر ہوا کہ سب لوگ چیخ چیخ کر رونے لگے اور کہرام مچگیا اور انھوں نے ڈہولک ستار وغیرہ توڑنے شروع کئے اور موتی اور اسکے علاوہ اور کئی رنڈیاں تائب ہوگئیں۔ اسکے بعد مولانا اسمٰعیل صاحب اٹھکر چلدیئے میں بھی پیچھے پیچھے چلدیا یہانتک تو باستثنا مضمون تمہیدی تمام روایت کرنے والوں کا اتفاق ہے یہاں سے خاص حاجی منیر خان کی روایت ہے وہ فرماتے تھے کہ مولانا محمد یعقوب صاحب نے فرمایا کہ جب مولانا جامع مسجد کی سیڑھیوں پر پہنچے ہیں تو میں نے مولانا سے کہا کہ میاں اسمٰعیل تمہارے دادا ایسے تھے اور تمہارے چچا ایسے تھے اور تم ایسے خاندان کے ہوجسکے سلامی بادشاہ رہے ہیں مگر تم نے اپنے آپ کو بہت ذلیل کرلیا اتنی ذلت ٹھیک نہیں ہے اسپر مولانا نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور حیرت سے میری طرف دیکھا اور کھڑے ہوگئے اور مجھ سے فرمایا کہ مولانا آپ نے یہ کیا فرمایا آپ تو اسکو میری ذلت سمجھتے ہیں یہ تو کچھ بھی نہیں ہیں تو اس روز سمجھونگا کہ آج کچھ میری عزت ہوئی ہے جس روز دلی کے شہدے میرا منہ کالا کرکے اور گدہے پر سوار کرکے مجھے چاندنی چوک میں کو نکالیں گے اور میں کہتا ہونگا قال اللہ کذا و قال رسول اللہ کذا یہ سنکر میری یہ حالت ہوئی کہ میں کہنے کو تو کہہ گیا مگر مارے شرم کے پانی پانی ہوگیا اور زبان بند ہوگئی اور اسکے بعد کبھی مجھے ان سے آنکھ ملاکر بات کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔

حاشیہ حکایت (۵۵) قولہ فی آخر القصۃ میں تو اس روز سمجھونگا الخ **اقول** اللہ اکبر مدعیان فنا آئیں اور دیکھیں فنا اسکو کہتے ہیں ایک عاشق نے اسی منظر سے عارف شیرازی کے اس شعر کی تفسیر کی ہے ؎

من حال دل اے زاہد باخلق نخواہم گفت کاین نغمہ اگر گویم باچنگ و رباب اولےٰ (گفت)

(باقی آئندہ)

(۵۶) خانصاحب نے فرمایا کہ جب سید صاحب کا قافلہ حج سے واپس آرہا تھا تو واپسی میں لکھنؤ میں ٹھہرا۔ علی نقی خاں اُس زمانہ میں وزیر تھا اور سبحان علی خاں اس کا میر منشی علی نقی خاں نے تمام قافلہ کی دعوت کی۔ اور کہانے کے لئے سب کو ایک بڑے مکان میں مدعو کیا اُس جلسہ میں علماء فرنگی محل وغیرہ بہی مدعو تھے جب سب لوگ اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے علی نقی خاں نے سید صاحب سے عرض کیا کہ حضور کہانے میں ذرا ابھی دیر ہے۔ بہتر ہو کہ جناب مولوی اسمٰعیل صاحب کچھ بیان فرماویں مولانا اسمٰعیل صاحب کا قاعدہ تہا کہ جس جلسہ میں سید صاحب ہوتے تھے اُس جلسہ میں تقریر نہ کرتے تھے۔ اس لئے سید صاحب نے مولانا عبدالحیٔ صاحب سے فرمایا کہ مولانا آپ کچھ فرما دیجئے۔ مولانا عبدالحیٔ صاحب نہایت ہی کم گو تھے اور جب تک کوئی سوال کئی مرتبہ نہ کیا جاوے اُس وقت تک جواب ہی نہ دیتے تھے اس لئے وہ خاموش رہے اور کچھ جواب نہ دیا تھوڑی دیر میں علی نقی خاں نے پھر عرض کیا اس پر سید صاحب نے پھر مولانا عبدالحیٔ صاحب سے فرمایا اس مرتبہ بھی انہوں نے کچھ جواب نہ دیا تھوڑی دیر میں علی نقی خاں نے پھر عرض کیا اور سید صاحب نے مولانا عبدالحیٔ صاحب سے پھر فرمایا مولانا پھر بھی خاموش رہے۔ اسپر سبحان علی خاں بولا۔ کہ جناب اس مجمع میں علماء فریقین موجود ہیں ایسے مجمع میں تقریر فرماتے ہوئے مولانا کو شرم آتی ہے اس لئے یا جناب خود کچھ فرمائیں یا مولوی اسمٰعیل صاحب کو حکم فرمادیں یہ سنکر مولانا عبدالحیٔ صاحب نے زور سے ہوں کرکے (کیونکہ اُن کی عادت تہی کہ جب وعظ فرمانے کو ہوتے تو اول ہوں کرتے) فرمایا الحیاء شعبۃ من الایمان اور یہ فرماکر سلسلہ تقریر شروع فرمایا۔ اور اول ثابت کیا۔ کہ حضرت آدم علیہ السلام باحیا تھے۔ اور ابلیس بے حیاء اُس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کا باحیاء ہونا اور انکی قوم کا بے حیاء ہونا ثابت فرمایا۔ پھر دوسرے انبیاء کا باحیا ہونا۔ اور انکے مخالفین کا بے حیاء ہونا ثابت فرمایا اور آخیر میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا باحیاء ہونا اور اُنکے مخالفین کا بیحیاء ہونا ثابت فرمایا۔ اُس کے بعد صحابہ کا باحیاء ہونا اور

۶۹

اُنکے مخالفین کا بے حیاء ہونا ثابت فرمایا اس کے بعد فرقِ اسلامیہ میں اہل سنت کا با حیاء ہونا
اور اُنکے مخالفین کا بے حیاء ہونا ثابت کیا اور خاتمہ تقریر پر ریش مبارک پر ہاتھ پھیر کر
فرمایا کہ الحمد للہ سنت انبیاء اور اُنکے متبعین کے مطابق عبدالحئی با حیاء ہے۔ اور
روافض بالخصوص روافض اور وہ اپنے اسلاف کے سنت کے مطابق بے حیاء اور
اس پر تقریر کو ختم فرمادیا یہ مضمون تو ختم ہوا اثناء تقریر میں سبحان علی خاں مولوی
عبدالحئی صاحب سے جگہ جگہ پر سوال کرتا تھا، اور مولانا اسمٰعیل صاحب اس کا
جواب دیتے تھے وہ سوالات وجوابات سب تو مجھے محفوظ نہیں رہے جس قدر یاد
ہیں وہ لکھواتا ہوں مولانا عبدالحئی صاحب کی تقریر میں حضرت عمرؓ کی فتوحات
کا اور ان منافع کا بھی ذکر آگیا جو آپ کی ذات سے اسلام کو پہونچے اس پر
سبحان علی خاں نے بآواز بلند حدیث پڑھی ان اللہ لیؤید ہذا الدین بالرجل
الفاجر اس پر مولانا اسمٰعیل صاحب اُٹھے اور مولوی عبدالحئی صاحب سے فرمایا کہ
ذرا تقریر کو روک دیجئے۔ اس کا جواب میرے ذمہ ہے۔ اور سبحان علی خاں کیطرف
مخاطب ہوکر فرمایا کہ سبحان علی خاں تم اس کو تسلیم کرتے ہو کہ حضرت عمر کی ذات
سے دین کو مدد پہونچی اُس نے اقرار کیا کہ ہاں آپ نے پھر بھی سوال کیا اُس نے
پھر وہی جواب دیا جب سب کے سامنے کئی بار اُس سے اقرار کرا لیا تب فرمایا کہ
یہ بحث تو پھر ہوگی کہ حضرت عمر فاجر تھے یا نہ تھے لیکن اس وقت آپ نے اتنا
تسلیم کر لیا کہ حضرت عمر کی ذات سے دین کو مدد پہونچی اب اتنا ذرا اور بتا دو کہ
اصول تشیع کے مطابق دین کو نفع پہونچایا اصول سنت کے مطابق۔ اس کے
جواب میں سبحان علی خاں بالکل خاموش ہوگیا۔ جب وہ جواب نہ دے سکا تو
خود مولانا نے فرمایا کہ یہ تو آپ کہہ نہیں سکتے کہ اصول تشیع کے مطابق دین کو
نفع پہونچا اس لئے ضرور یہی کہا جاویگا کہ اصول اہل سنت کے مطابق نفع
پہونچا لپس ثابت ہوا کہ دین حق مذہب اہل سنت ہے ایک موقع پر مولوی
عبدالحئی صاحب نے حضرت علی کے متعلق کچھ بیان فرمایا تو اسی موقع پر سبحان علی خاں

۷۰

نے حدیث لحمک لحمی ودمک دمی پڑھی اس پر بھی مولانا اسمٰعیل صاحب کھڑے
ہوئے اور فرمایا کہ مولانا ذرا تقریر کو روک دیجئے اس کا بھی جواب میں دونگا اور
اس کے بعد سبحان علی خاں سے فرمایا کہ سبحان علی خاں سنو اول تو یہ حدیث ثابت
نہیں اور بر تقدیر ثبوت میں دریافت کرتا ہوں کہ یہ حدیث اپنے حقیقی معنی پر
محمول ہے یا مجازی معنی پر۔ اسکے جواب میں سبحان علی خاں نے کہا کہ حقیقی معنی پر
اسکے جواب میں مولانا نے فرمایا کہ اگر حقیقی معنی پر محمول ہے تو حضرت علی کا نکاح
حضرت فاطمہ سے صحیح نہ ہوا سبحان علی خاں سے کچھ جواب نہ بن آیا اور خاموش
ہو گیا ایک موقع پر سبحان علی خاں نے مولانا عبدالحئی صاحب کی تقریر پر اعتراض
کرتے ہوئے کہا کہ آپ کے یہاں یہ حدیث ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام جزیہ
نہ لیں گے بلکہ انکے زمانہ میں یا اسلام ہوگا یا قتل اور جناب رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم جزیہ لیتے تھے تو ثابت ہوا کہ عیسی علیہ السلام جناب رسول اللہ صلی اللہ
کے حکم کو منسوخ کر سکتے ہیں اس کے جواب میں بھی مولانا اسمٰعیل صاحب کھڑے
ہوئے اور فرمایا کہ انکا جزیہ نہ لینا خود اسی حدیث کی بنا پر ہوگا پس یہ تعمیل ہے
حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہ کہ نسخ حکم نبوی اسکے جواب میں بھی
سبحان علی خاں خاموش ہو گیا اور کوئی جواب نہ بن آیا غرض کہ اسی طرح اور
بھی کئی سوال و جواب ہوئے جو مجھے یاد نہیں رہے اور سبحان علی خاں ہر مرتبہ
ساکت ہوا آخر میں ایک موقع پر پھر اُس نے اعتراض کرنا چاہا اور صرف اتنا
کہا تھا کہ مولانا کہ اتنے میں علی نقی خاں نے سبحان علی خاں سے کہا کہ بس کرو۔
بہت گالیاں سنوا چکے ہو اب نہ چھیڑو اپنے بہنوئی کو۔

حاشیہ حکایت (۵۶) **قولہ** فی اول القصۃ کہانے کے لئے سب کو
اقول شیعی کی دعوت قبول کرنے پر شبہ نہ کیا جاوے کیونکہ مصلحت دینیہ
کا موقع مستثنی ہے باقی کسی چیز کے ملا دینے کی ممانعت سو ایسی حرکت کمینہ طبع
لوگ کر سکتے ہیں شرفا اور عالی رتبہ لوگ نہیں کر سکتے خصوص جب اُس جماعت

والے بھی شریک ہوں (رشت)

(۵۷) خانصاحب نے فرمایا کہ یہ قصہ جو میں لکھوانا چاہتا ہوں اپنے استاد میانجی محمدی صاحب حکیم خادم علی صاحب حکیم عبدالسلام صاحب ملیح آبادی قاضی عبدالرزاق جیوری اور مولوی عبدالقیوم صاحب سے سُنا ہے۔ قصہ یہ ہے کہ مولانا اسمٰعیل صاحب نے لکھنؤ میں اعلان فرمایا کہ کل ہم شیعوں کی عیدگاہ میں وعظ کہیں گے چنانچہ آپ حسب اعلان وعظ کہنے کے لئے عیدگاہ تشریف لے گئے اس اعلان کی اطلاع عام طور پر ہو چکی تھی اس لئے دونوں فریق کے لوگ جمع ہو گئے اور بہت بڑا مجمع ہو گیا مولانا منبر پر تشریف لائے اور وعظ شروع فرمایا مولوی عبدالقیوم صاحب مولوی عبدالحئی صاحب کے صاحبزادے آپ کے پاؤں کے پاس بیٹھے تھے وعظ میں آپ نے مذہب تشیع کی خوب دھجیاں اُڑائیں اُس وعظ میں دو نوعمر اور نوجوان لڑکے جو آپس میں بھائی بھائی تھے جن میں سے ایک کا نام محمد ارتضا تھا اور دوسرے کا نام محمد مرتضے مولانا کے قریب ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ ان پر اس وعظ کا اثر ہوا اور انہیں سے چھوٹے بھائی نے بڑے بھائی سے کہا کہ مولانا کی تقریر کو سُنکر میرے دل میں یہ بات آئی ہے کہ اس شہر میں ہماری حکومت ہے اور یہ شخص جو مذہب تشیع کی اس بیباکی سے تردید کر رہا ہے محض ایک معمولی اور دبلا پتلا آدمی ہے نہ کہیں کا بادشاہ ہے نہ نواب نہ اس کے پاس فوج ہے نہ ہتیار پھر باوجود اس بے کسی و بے بسی کے جو یہ اس قدر جرأت دکھلا رہا ہے تو وہ کونسی بات ہے جو اس کو اس بیباکی اور سر فروشی پر آمادہ کر رہی ہے وہ صرف اس کا ایمان ہے اب ہم اپنے ائمہ پر نظر کرتے ہیں ہمارے ائمہ ہمارے مذہب کی روایات کے مطابق اس قدر قوی اور شجاع تھے کہ اُن کی قوت کو نہ کسی فرشتے کی قوت پہونچتی تھی اور نہ جن کی اور اسکے ساتھ ہی وہ تقیہ بھی اس قدر کرتے تھے کہ مخالف تو درکنار خود اپنے شیعوں سے بھی صاف بات نہ کہتے تھے اس سے میں سمجھتا ہوں۔ کہ مذہب تشیع تو کسی طرح حق نہیں ہو سکتا کیونکہ

۷۲:

(باقی آئندہ)

یا تو اُن کے بہادری کے افسانہ جھوٹے ہیں یا اُن کے تقیہ کی کہانی غلط ہے اب صرف دو مذہب سچے ہو سکتے ہیں یا مذہب خوارج جو انکو کافر کہتے ہیں یا مذہب اہل سنت و جماعت جو کہتے ہیں کہ آئمہ نہایت راستگو اور نہایت با ایمان تھے اور اُن کی شان لایخافون فی اللہ لومۃ لائم تھی اور ان کا مذہب وہی تھا جو اہل سنت کا مذہب ہے اور جو باتیں اُن کی طرف شیعہ نسبت کرتے ہیں وہ انکا افترا ہے اور جب مذہب تشیع بالکل افسانہ ثابت ہوا اور حق دائرہ ہوگیا خوارج اور اہل سنت کے مذہب کے درمیان تو پھر جب میں ان دونوں مذہبوں کے درمیان فیصلہ کرتا ہوں تو مجھے اہل سنت کا مذہب اقرب الی الصواب معلوم ہوتا ہے اس کو سُنکر بڑے بھائی نے کہا کہ مجھے بھی یہ ہی خیال ہوتا ہے جب وہ دونوں متفق ہو گئے تو چھوٹا بھائی اُٹھا اور کہا کہ مولانا ذرا منبر پر سے اتر جائیے مجھے کچھ عرض کرنا ہے۔ مولانا سمجھے کہ شاید میری تردید کریگا۔ اور یہ خیال کر کے آپ نیچے تشریف لے آئے اس لڑکے نے منبر پر جاکر تمام شیعوں سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ صاحبو آپ کو معلوم ہے کہ اس مقام پر شیعوں کی حکومت ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ یہ مولانا جو اس جرأت سے مذہب تشیع کی تردید فرما رہے تھے اور نہ ان کو بادشاہ کا خوف تھا نہ ارکان دولت کا۔ اور نہ عام رعایا کا محض ایک معمولی شخص ہیں کہ نہ انکو کوئی جسمانی قوت ہم لوگوں سے ممتاز حاصل ہے اور نہ اُن کے پاس کوئی فوجی قوت ہے پھر باوجود اس بے کسی اور بے بسی اور کمزوری کے جو وہ اس قدر جرأت دکھلا رہے تھے اس کا سبب کیا ہے اور وہ کونسی قوت ہے جس نے اُن کو اِس قدر جانباز اور جری بنا دیا ہے میرے نزدیک وہ قوت صرف قوت ایمانی ہے اب میں دریافت کرتا ہوں کہ ہمارے آئمہ جو عمر بھر تقیہ کرتے رہے حتیٰ کہ خود اپنے شیعوں سے بھی ڈرتے رہے تو اس کمزوری کا کیا سبب ہے۔ اگر اس کا سبب یہ ہے کہ ان میں قوت نہ تھی تو اول تو مذہب تشیع اس کا انکار کرتا ہے اور اُن کے اندر انسانی طاقت سے زیادہ طاقت بتلاتا ہے پھر اگر اس کو تسلیم بھی کر لیا جاوے تو وہ قوت میں مولوی اسمٰعیل صاحب سے کسی صورت سے کم نہ ہونگے پھر کیا وجہ ہے کہ ان میں مولوی اسمٰعیل کی سی جرأت نہ تھی اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ ایمان میں

۷۳

مولوی اسمٰعیل سے بھی کمزور تھے اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مذہب تشیع تو کسی طرح حق نہیں ہو سکتا اگر حق ہو سکتا ہے تو مذہب خوارج یا مذہب اہل سنت اور یا تو ائمہ (العیاذ باللہ) سراسر بے ایمان تھے جیسے خوارج کہتے ہیں اور زیادہ پکے سنی تھے جیسے اہل سنت کہتے ہیں یہ میرا شبہ ہے اگر کسی شیعی کے پاس اس کا جواب ہو تو اُس کا جواب دے ورنہ میں مذہب تشیع سے تائب ہوتا ہوں اور میرے ساتھ میرا بڑا بھائی بھی تائب ہوگا اس مجمع میں مجتہدین بھی تھے مگر کسی نے کوئی جواب نہ دیا اُس نے پھر کہا کہ یا تو کوئی صاحب جواب دیں ورنہ میں سنی ہوتا ہوں اس کا بھی کچھ جواب نہ ملا آخر وہ منبر پر سے اُترا اور مولانا سے عرض کیا کہ میں اپنا کام کر چکا۔ اب آپ وعظ فرمائیں مولانا نے فرمایا کہ وعظ سے جو میرا مقصود تھا وہ حاصل ہو گیا اور جو تقریر تم نے کی ہیں ایسی نہ کرتا اس لئے اب مجھے کہنے کی ضرورت نہیں رہی یہ دونوں لڑکے کسی بڑے وثیقہ دار کے لڑکے تھے جب یہ سنی ہو گئے تو انھوں نے اپنا سب گھر بار چھوڑ دیا اور چھوڑ کر مولانا کے ساتھ ہو گئے اور انہی کے ساتھ رہے یہانتک کہ جہاد میں مولانا کے ساتھ شہید ہو گئے۔ ۴۷

حاشیہ حکایت (۵۷) قولہ فی آخر القصۃ اس لئے اب مجھے کہنے کی ضرورت نہیں رہی **اقول** یہ ہے اخلاص فی النیۃ والعمل کہ وعظ سے جو مقصود تھا جب دوسرے شخص کے واسطے سے حاصل ہو گیا گو وہ عامی ہی تھا تو وعظ کے منقطع فرما دینے میں کوئی تردد نہ ہوا اور نہ طالبان جاہ اس سبکی کو کب گوارا کر سکتے ہیں یہی حقیقت ہے حضرت علی خواص رح کے اس ارشاد کی کہ علامت اخلاص کی یہ ہے کہ جو شخص کوئی دینی خدمت مثل وعظ یا بیعت و تلقین کرتا ہو اگر دوسرا کوئی اچھا کام کرنے والا آجاوے تو یہ طالبوں کو اُسکی طرف متوجہ کر دے اور یہ وہی کر سکتا ہے جس کو تصدر و تقدم و ترفع مقصود نہ ہو (اشرف)

(۵۸) خانصاحب نے فرمایا کہ پھلاودہ ضلع میرٹھ میں لاوڑ کے قریب ایک مقام ہے وہاں کے رہنے والے ایک شخص تھے جن کا نام مجھے یاد نہیں رہا یہ صاحب حافظ عبد الغنی صاحب کے (جو کہ پھلاودہ کے رہنے والے اور مولوی احمد حسن صاحب امروہی کے شاگرد ہیں) دادا کے چھوٹے بھائی تھے اور رئیس بھی تھے ان صاحب نے مجھ سے بیان فرمایا کہ جو بچہ بکری

کا پیدا ہوتا تھا میں اُس کی اُون کتروالیتا تھا اس طرح میں نے اون جمع کروا کے حاجی صاحب کے لئے ایک کملی بنوائی اور اُس وقت تک میں حاجی صاحب کی زیارت سے مشرف نہ ہوا تھا بلکہ غائبانہ طور پر معتقد تھا جب میں حج کے لئے گیا تو اُس کملی کو اپنے ساتھ لے گیا ایک جگہ ہمارا جہاز طغیانی میں آگیا اور جہاز میں ایک شور مچ گیا میں چھتری پر تھا وہاں سے اُتر کر تنق کی جالیوں سے کمر لگا کر اور مُنہ لپیٹ کر ڈوبنے کے لئے بیٹھ گیا کیونکہ میں سمجھتا تھا اب کچھ دیر میں جہاز ڈوبے گا اسی اثنا میں مجھپر غفلت طاری ہوئی میں نہیں سمجھتا کہ وہ نیند تھی یا غم کی بدحواسی اسی غفلت میں مجھ سے ایک شخص نے کہا کہ فلانے اُٹھو اور پریشان مت ہو ہوا موافق ہوگئی ہے کچھ دیر میں جہاز طغیانی سے نکل جاویگا اور میرا نام امداد اللہ ہے مجھے میری کملی دو میں نے گھبرا کر کملی دینی چاہی اس گھبراہٹ میں آنکھ کھل گئی اور میں نے لوگوں سے کہدیا کہ تم مطمئن ہوجاؤ جہاز ڈوبے گا نہیں کیونکہ مجھ سے حاجی صاحب نے خواب میں فرمایا ہے کہ جہاز ڈوبے گا نہیں اُس کے بعد میں نے لوگوں سے پوچھا کہ تم میں سے کوئی حاجی امداد اللہ صاحب کو جانتا ہے مگر کسی نے اقرار نہیں کیا آخر جہاز طغیانی سے نکل گیا اور ہم مکہ پہونچ گئے میں نے لوگوں سے کہدیا تھا کہ کوئی مجھے حاجی صاحب کو نہ بتلائے میں خود اُن کو پہچانوں گا جب میں طواف قدوم کر رہا تھا تو میں نے طواف کرتے ہوئے حاجی صاحب کو مالکی مصلے کے قریب کھڑے دیکھا اور دیکھتے ہی پہچان لیا کیونکہ اُن کی شکل اور لباس وہی تھا جو میں نے خواب میں دیکھا تھا صرف فرق اتنا تھا کہ جب میں نے جہاز میں دیکھا تھا تو اُس وقت آپ لنگی پہنے ہوئے تھے اور اُس وقت پاجامہ میں نہیں سمجھتا کہ اتنا فرق کیوں تھا خانصاحب فرماتے ہیں۔ کہ میں نے یہ وجہ بیان کی کہ جہاز کو طغیانی سے نکالنے کے لئے لنگی ہی مناسب تھی اس لئے آپ نے لنگی پہنے دیکھا تھا۔ سُن کر وہ بہت خوش ہوئے اُس کے بعد اُنہوں نے فرمایا کہ میں طواف سے فارغ ہو کر حاجی صاحب سے ملا اور کملی پیش کی اور جہاز کا قصہ عرض کیا آپ نے فرمایا کہ بھائی مجھے تو خبر بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ بعض وقت اپنے کسی بندہ کی صورت سے کام لے لیتے ہیں۔

۷۵

حاشیہ حکایت (۵۸) قولہ فی آخر القصۃ مجھے تو خبر ہی نہیں الخ **اقول** اکثر تو ایسا ہی ہوتا ہے اور وہ کوئی غیبی لطیفہ ہوتا ہے جو کسی مانوس شکل میں متمثل ہو جاتا ہے اور کبھی خبر بھی ہوتی ہے بطور کرامت کے مگر اس کی کوئی یقینی پہچان نہیں زیادہ مدار اس بزرگ کے قول پر ہے وہ بھی جب کہ کسی مصلحت سے اخفاء نہ کریں (اشت)

(۵۹) خانصاحب نے فرمایا کہ مولانا گنگوہی نے جو ۹۹ھ میں حج کیا ہے اُس میں آپ کے ہمراہ یہ اشخاص تھے امیر شاہ (یعنی خود خانصاحب) حافظ عطاء اللہ مرحوم حاجی محمد یعقوب دہلوی، گھڑی ساز محمد عاشق، مولوی مسعود صاحب کے پہلے سسر (جن کا نام مجھے یاد نہیں) منشی تجمل حسین صاحب انبہٹوی (حضرت حاجی صاحب کے بھتیجے) ہم سب لوگ ذی قعدہ کی کسی تاریخ میں بمبئی پہونچ گئے تھے۔ لیکن جس جہاز کے ارادہ سے چلے تھے وہ جہاز ہم سے ایک روز پہلے چلا گیا تھا دوسرا جہاز ریڈسی کھڑا تھا مگر اُس کے روانہ ہونے میں دیر تھی اس لئے ہم کو بمبئی میں گیارہ روز اور ٹھہرنا پڑا اور ہم ۲۰ تاریخ کو جہاز ریڈسی میں سوار ہوئے ہمارے سوار ہونے کے بعد ہی وہ جہاز کھڑا ہی رہا نہ بیس۲۰ کو چلا نہ اکیس۲۱ کو نہ بائیس۲۲ کو۔ اب لوگ گھبرا گئے اور سمجھا کہ اب حج نہیں مل سکتا کیونکہ دن تھوڑے باقی ہیں اور ادھر اتنا لمبا رستہ قطع کرنا ہے اور اس کے ساتھ گیارہ شب کا قرنطینہ بھی کرنا ہے اور یہ خیال کر کے لوگوں نے جہاز سے اُترنا شروع کر دیا۔ جب مولانا کو معلوم ہوا کہ لوگ اُترنے لگے ہیں تو آپ نے ہم لوگوں سے فرمایا کہ لوگوں سے کہدو کہ عزم حج فسخ نہ کریں ہمیں حج ضرور ملے گا کیونکہ میں اپنے کو عرفات میں۔ اور مزدلفہ میں اور منیٰ میں دیکھ چکا ہوں ہم نے اطلاع کر دی اس پر کچھ لوگ تو رہ گئے۔ اور کچھ پھر بھی اُتر گئے حافظ...... بھی اس جہاز میں تھے اور اُنہوں نے بھی جہاز سے اترنیکا ارادہ کیا تھا مولانا کو چونکہ اُن سے حسن ظن تھا اس لئے مولانا نے حافظ عطاء اللہ سے اور مجھ سے کہا کہ حافظ ...... کو سمجھاؤ کہ وہ ارادہ فسخ نہ کریں ہمیں حج ضرور ملے گا ہمنے اُنہیں سمجھایا اس پر وہ خود مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے مولانا نے اپنی عادت کے خلاف خود اُن کو سمجھایا اور اُنہوں نے اقرار کر لیا کہ اب میں نہ اُترونگا۔ مگر باوجود اس کے بھی وہ اُتر گئے۔

(باقی آیندہ)

مولانا کو جب انکا اُترنا معلوم ہوا تو آپ کو بہت ملال ہوا اور آپ نے فرمایا کہ ناحق اُتر گئے
بس جی انکی قسمت ہی میں حج نہیں اسکے بعد حافظ ...... ہر سال حج کا ارادہ کرتے تھے
مگر کوئی نہ کوئی مانع پیش آجاتا تھا اور تا انتقال انکو حج میسر نہیں ہوا ایک دفعہ تو یہانتک
ہوا کہ تیاری پوری ہوگئی۔ یکہ بھی گھر پہ آگیا اور وہ سوار ہونے ہی کو تھے کہ یکایک انکو
خیال ہوا کہ ذرا دیر لیٹ جائیں لیٹ کر سوار ہونگے اور وہ لیٹ گئے لیٹنے میں انکی کمر
میں اتنا زور سے جھٹکا آیا کہ اب وہ سفر کے قابل نہ رہے اب انھوں نے جھٹکا نکل جانے
تک سفر کو ملتوی کیا اور اسکے بعد ارادہ ہی فسخ کر دیا جب مجھے معلوم ہوا کہ حافظ ......
ہر سال ارادہ کرتے ہیں مگر انکو حج نصیب نہیں ہوتا تو میں نے ایک جلسہ میں مولانا سے عرض کیا کہ حضرت حافظ ......
ہر سال حج کا ارادہ کرتے ہیں مگر انکو حج نصیب نہیں ہوتا ایکمرتبہ حضور نے فرمایا تھا کہ انکی قسمت ہی میں حج نہیں ہے
آپ ان کیلئے دُعا فرما دیجئے کہ انکو حج ملجائے جس جلسہ میں میں نے عرض کیا تھا اسمیں مولوی حبیب الرحمن صاحب حافظ احمد صاحب
مولوی خلیل احمد صاحب مولانا محمود حسن صاحب حافظ عطاء اللہ نواب یوسف علیخان
وغیرہ موجود تھے مگر مولانا نے دعا نہیں فرمائی اور فرمایا کہ یہ تمہارا خیال ہے مگر میں
اس قابل نہیں ہوں میں نے پھر عرض کیا مگر آپ نے ہر مرتبہ یہی فرمایا کہ میں اس قابل
نہیں ہوں یہ قصہ تو ختم ہوا اب جہاز کی سنئے۔ اللہ اللہ کر کے ہمارا جہاز ۲۳ کی عصر کو روانہ
ہوا جب عدن سے آگے پہنچا تو اس میں جسقدر ولایتی تھے سب تبر لیکر جہاز والوں پر
چڑھ گئے اور کہا کہ اگر تم نے جہاز کا رُخ کامران کی طرف پھیرا تو ہم تمہیں مار ڈالیں گے
سیدھا جدہ کو چلو جہاز والے ڈر گئے اور مجبوراً انکو جہاز جدہ لیجانا پڑا جب جہاز جدہ
پہونچا تو وہاں معلوم ہوا کہ مسافروں کو اُترنے کی اجازت نہ ہوگی اور جہاز کو قرنطینہ کیلئے
کامران واپس کیا جاویگا اس خبر سے حاجیوں کو سخت پریشانی ہوئی کہ اللہ اللہ کر کے
تو ہم نے قرنطینہ کی قید سے نجات پائی تھی اب پھر وہیں جانا ہوگا تھوڑی دیر میں ایک
عرب صاحب تشریف لائے اور انھوں نے کہا گودی کے افسر رشوت خوار ہیں اور وہ
لینے کے لئے یہ حجت کر رہے ہیں تم جلدی کچھ چندہ کر دو میں انہیں دے دلا کر راضی کر لونگا
جب یہ خبر مولانا تک پہونچی تو آپ نے فرمایا یہ شخص بالکل جھوٹا ہے کوئی اسے کچھ نہ دے

۷۷

ہم کو کامران واپس ہونا نہین پڑیگا اور ہم یہیں اُتر ینگے لیکن آج نہیں اُتر ینگے کل اتر ینگے
چنانچہ دوسرے روز یہ حکم ہوگیا کہ حاجیون کو اُتر جانا چاہیئے ان کا کوئی قصور نہیں قصور جہاز
والون کا ہے اسلئے اسکی سزا مین جہاز کو دونا قرنطینہ کرنا ہوگا اسپر حاجی اتر گئے اور ہم
۸ رتاریخ کو مکہ پہونچ گئے۔ حاجی صاحب ہم کو شہر سے باہر کھڑے ہوئے ملے سُنا ہے
کہ حاجی صاحب فرماتے تھے کہ اگر مولوی رشید احمد صاحب اس جہاز میں نہ ہوتے
توکسیکو حج نہ ملتا مگر یہ یاد نہیں کہ کس سے سُنا ہے۔

حاشیہ حکایت (۵۹) قولہ مگر مولانا نے دُعا نہیں فرمائی اقول
یہ دعا مستحب تھی اسکے ترک کے لئے عدم استجابت کا مکشوف ہوجانا کافی ہے خصوص جب
یہ بھی مکشوف ہوجاوے کہ جسکے لئے دُعا کی درخواست ہے وہ اس عمل کا ارادہ ہی
نہ کرے گا (**ش ت**)

(۶۰) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی عبدالقیوم صاحب فرماتے تھے کہ مولانا
اسمٰعیل صاحب کی عادت ہنسی مذاق کی بہت تھی اسلئے وہ سید صاحب کے پاس نہ ٹھیرتے
تھے بلکہ الگ ٹھیرا کرتے تھے اور سید صاحب کے ساتھ مولوی عبدالحی صاحب ٹھیرتے
تھے جب سید صاحب کا قافلہ حج کو گیا ہے تو مولانا اسمٰعیل صاحب سید صاحب کے
جہاز مین سوار نہیں ہوئے بلکہ دوسرے جہاز مین سوار ہوئے مولوی وجیہ الدین صاحب
یعنی مولوی احمد علی صاحب محدث سہارنپوری کے تایا مولوی عبدالحی صاحب کے بھی شاگرد
تھے اور مفتی الٰہی بخش صاحب کاندہلوی کے بھی شاگرد تھے ان کا بدن بھاری اور پیٹ
بڑا تھا رنگت کالی تھی ابتداء میں یہ مولوی اسمٰعیل صاحب کے مخالف تھے اور انھون نے
تقویۃ الایمان کا رد بھی لکھا تھا اور مولوی عبداللہ صاحب ایک شخص تھے جو کاندہلہ کے رہنے
والے اور قوم کے رائین تھے نہایت ذہین اور بڑے عالم تھے اور مفتی صاحب کے شاگرد
تھے مولوی وجیہ الدین صاحب اور مولوی عبداللہ صاحب کے درمیان ایک مرتبہ مناظرہ
بھی ہوا ہے جسکا خلاصہ یہ ہے مولوی اسمعیل صاحب نے تقویۃ الایمان میں شرک کی دو قسمیں
کی ہین ایک جلی دوسرے خفی مولوی وجیہ الدین صاحب اسکو تسلیم نہ کرتے تھے اسپر ان سے

اور مولوی عبداللہ صاحب سے مناظرہ ہوا اور مولوی عبداللہ غالب آئے اسپر مولوی وجیہ الدین صاحب مولانا شہید کی مخالفت سے تائب ہوئے اور اپنی کتاب جو انھوں نے مولانا کے رد میں لکھی تھی دہلی جاکر مولانا کے سامنے پھاڑ ڈالی اور اس روز سے مولانا شہید کے عاشق زار بن گئے یہ مولوی وجیہ الدین صاحب بھی مولانا شہید کے ساتھ جہاز میں تھے اور دونوں ملکر حجاج کے سلئے آٹا پیسا کرتے تھے آٹا پیستے ہوئے مولانا شہید انکو چھیڑا کرتے تھے کبھی آٹا انکے مُنہ پر مل دیتے تھے کبھی پیٹ پر کبھی کوئی اور مذاق کرتے تھے انکے علاوہ مولانا اور حاجیوں سے بھی ہنسی مذاق کرتے رہتے تھے میں (یعنی مولوی عبدالقیوم صاحب اس زمانہ میں بچہ تھا اور مولانا کو مجھ سے بہت محبت تھی اسلئے مولانا اکثر مجھے اپنے پاس رکھتے تھے اور جہاز مین بھی مجھے اپنے ہی ساتھ رکھا تہا۔ اس زمانہ میں بادی جہاز تھے اور مسافرون کو روزانہ فی کس ایک بوتل پانی ملا کرتا تھا اتفاق سے ہوا ناموافق ہوگئی اور جہاز میں پانی کم رہ گیا اسلئے جہاز والون نے اعلان کردیا کہ کل سے پانی آدہی بوتل ملے گا دو دن تک آدہی بوتل پانی دیا اسکے بعد جب پانی بالکل ختم ہوگیا تو جہاز والون نے کہدیا کہ اب پانی بالکل نہیں رہا ہے اسلئے ہم پانی نہیں دیسکتے سب لوگ نہایت پریشان ہوئے اس جہاز میں علاوہ سید صاحب کے قافلہ والون کے اور بھی بڑے بڑے لوگ سوار تھے اب ان لوگون میں یہ سرگوشیان ہونے لگیں کہ یہ شخص (مولانا شہید) لوگون سے ہنسی مذاق کرتا ہے اسی کی شامت سے ہم پر یہ بلا آئی ہے لہذا اسکو روکنا چاہیئے اور دعائیں کرنی چاہئیں اسکی اطلاع مولوی وجیہ الدین صاحب اور دوسرے لوگون کو ہوئی مولوی وجیہ الدین مع چند دیگر اشخاص کے ان لوگون کے پاس پہونچے اور انکو مولانا شہید کی عظمت شان سے آگاہ کیا اور کہا کہ یہ شامت تمہاری اس گستاخی اور بدگمانی کی ہے کہ تم انکی نسبت ایسا خیال کرتے ہو تم کو چاہیئے کہ انکی خدمت میں حاضر ہوکر ان سے معافی چاہو اور ان سے دُعا کی درخواست کرو چنانچہ وہ سب لوگ آئے اور سب نے مولانا سے دُعا کی درخواست کی مولانا نے فرمایا کہ تم سب دعا کرو مین بھی دعا کرونگا مگر میری دُعا تو مٹھائی کے بغیر چلتی

۷۹

نہیں اسپر ایک شخص نے وعدہ کیا کہ سب جہازون کے لوگون کو مستقطی حلوا کہلاؤن گا اسکی مقدار مجھے یاد نہیں رہی مگر اتنا یاد ہے کہ فی کس پاؤ بھر سے زیادہ تھا اسپر آپ نے دوسرے لوگون کے ساتھ ملکر دُعا کی جسکا اثر اُسیوقت ظاہر ہوا اور ایک چشمہ شیرین پانی کا جو لمبا ؤ چوڑاؤ مین دو بڑی چارپائیون کے برابر ہوگا دوڑتا ہوا آیا اور جہاز کے پاس آکر ٹہر گیا مولانا نے اسکو دیکھکر فرمایا کہ اس پانی کو تو دیکھو کیسا ہے لوگون نے جو چکھا تو نہایت ٹھنڈا اور شیرین تھا اسپر سب لوگون نے اپنے اپنے برتن بھر لئے اور جہاز والون نے بھی اپنے ظروف خوب بھر لئے جب سب بھر چکے تو وہ پانی غائب ہوگیا اور اُسکے بعد لوگون نے ہوا کے موافقت کے لئے دعا کی درخواست کی پھر آپ نے وہی فرمایا کہ سب دعا کرو میں بھی شریک ہوجاؤنگا مگر میری دعا بغیر مٹھائی کے نہیں چلتی اسپر کسی اور امیر نے کچھ وعدہ کیا جو مجھے یاد نہیں رہا اسپر آپ نے سب لوگون کے ساتھ ملکر موافقت ہوا کی دُعا کی اور ہوا موافق ہوگئی جہاز کا لنگر کھولدیا گیا اور جتنے دنون میں اچھی ہوا کی حالت مین جہاز جدہ پہونچتا تھا اُس سے نصف دنون میں ہمارا جہاز جدہ پہنچ گیا۔ ۸

حاشیہ حکایت (۶۰) قولہ مذاق کرتے تھے **اقول** لا یسخر قوم من قوم کے خلاف کا شبہ نہ کیا جاوے اسکا محمل یہ ہے کہ جس سے مزاح کیا جاتا ہی اُسکو حقیر سمجھے چنانچہ اسکی علت میں عسیٰ ان یکونوا خیرا منھم ارشاد فرمانا اسکی قطعی دلیل ہے اور مٹھائی کی شرط یہ بھی اسی مزاح کا ایک شعبہ ہے (**ش ت**)

(۶۱) خانصاحب نے فرمایا کہ یہ قصہ میں نے حکیم خادم علی صاحب و حکیم عبدالسلام صاحب و مولوی سراج احمد صاحب خورجوی سے سنا ہے یہ حضرات فرماتے تھے کہ خانہ کعبہ مین مردون و عورتون کا داخلہ ساتھ ساتھ ہوتا تھا جب مولانا اسمٰعیل صاحب نے یہ حالت دیکھی تو وہ اور انکے ساتھی ننگی تلواریں لیکر خانہ کعبہ پر کھڑی ہوگئے اور فرمایا کہ اگر عورتوں کے ساتھ مرد اور مردوں کے ساتھ عورتیں داخل ہونگی تو ہم تلوار سے سر اڑا دینگے اسپر بہت شور و شغب ہوا مگر مولانا اور انکے ساتھی اپنی بات پر جمے رہے اور شریف مکہ نے داخلہ کو بند کرا کر چھوڑا۔ یہ قصہ مین نے یہیں تک سُنا تھا جب مین نے

(باقی آیندہ)

اس قصہ کو شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری سے بیان کیا تو انھون نے فرمایا کہ بس اتنا ہی سُنا ہے اسکے بعد فرمایا کہ ایک مرتبہ ملاجیون کے زمانہ مین بھی ایسا ہی ہوا ہے اسوقت بھی مردون اور عورتون کا داخلہ ساتھ ہوتا تھا مگر ملاجیون نے اسکو روکا تھا مگر پھر معلوم نہیں یہ مشترکہ داخلہ کب سے جاری ہوگیا جسکو دوسری دفعہ مولانا شہید نے روکا۔

حاشیہ حکایت (۶۱) قولہ ہم تلوار سے سر اڑا دینگے **اقول** یہ تہدید تھی مراد نہ تھی (**ش ت**)

(۶۲) خانصاحب نے فرمایا کہ خورجہ مین ایک شخص تھے حاجی محمد اسحٰق خان نہایت پابند صوم وصلوٰۃ اور ذاکر وشاغل تھے یہ صاحب مولانا نانوتوی سے بیعت تھے اتفاق سے ایکمرتبہ دو تین روز مسجد مین نہیں آئے مین سمجھا کہ شاید کچھ بیمار ہوگئے ہیں اسلئے میں انکی عیادت کے لئے گیا جاکر دیکھا تو ایک کوٹھڑی میں چھپے بیٹھے تھے اور کانون میں روئی ٹھونس رکھا تھا میں نے پوچھا کہ کیا حالت ہے تم کئی روز سے نماز کے لئے نہیں آئے انھوں نے کہا کہ اچھا ہون مگر کوئی چار روز سے ایک سخت عذاب مین مبتلا ہون وہ یہ کہ جب کوئی گاڑی نکلتی ہے تو میں سمجھتا ہون کہ میرے اوپر چل رہی ہے جب بیلون کے سانٹا مارا جاتا ہے تو مین سمجھتا ہون کہ میرے لگتا ہے اور جب کتون میں آپس مین لڑائی ہوتی ہے تو مین سمجھتا ہون کہ وہ میرے کاٹتے ہیں جب چکی چلتی ہے تو میں سمجھتا ہون کہ گیہوں کے بدلہ میں پیس رہا ہون لڑکے بھاگتے ہیں تو میں سمجھتا ہون کہ مجھ پر دوڑتے ہین اس سے میں سخت تکلیف میں ہون اور باہر نہیں نکل سکتا اور نہ چکی کی آواز سُن سکتا ہون اسی لئے مین چھپا ہوا بیٹھا ہون اور میں نے کانون میں روئی ٹھونس رکھا ہے میں نے کہا کہ اپنی اس حالت کی مولانا (نانوتوی) کو اطلاع کرو انہون نے کہا کہ تم ہی لکھدو میں نے کہا کہ تم لکھکر مجھے دیدو میں اپنے خط مین بھیجدونگا انھوں نے اپنی حالت لکھکر مجھے دیدی اور میں نے اپنے عریضہ کے ساتھ اسکو مولانا کی خدمت مین روانہ کردیا مولانا اس زمانہ مین دہلی مین تھے مولانا نے جواب دیا کہ اس کا جواب تحریر سے نہیں ہوسکتا تم ان سے کہدو کہ وہ میرے پاس چلے آئیں چنانچہ یہ گئے

۸۱

مولانا نے کچھ نہیں کیا صرف اوراد و اشغال کے اوقات بدل دئے یہ شخص دوسرے ہی دن اچھے ہو گئے۔

حاشیہ حکایت (۶۲) قولہ کچھ نہیں کیا صرف اوراد اشغال کے اوقات بدل دئے **اقول** احقر کا وجدان یہ ہے کہ مولانا نے تصرف فرمایا ہے اور اخفاء تصرف کے لئے اوراد و اشغال کے اوقات بدلے ہیں و اللہ علم باسرار عبادہ (**اشرف**)

(۶۳) خانصاحب نے فرمایا کہ حکیم عبدالواحد جلیسر کے رہنے والے ایک شخص تھے جو ہاترس میں مطب کرتے تھے نہایت صالح اور متبع سنت تھے کسی نقشبندی بزرگ سے بیعت تھے مجھے ان سے اور انکو مجھ سے بہت محبت تھی میں نے ایک مرتبہ انکو کچھ دبلا پایا تو ان سے حالت دریافت کی انھوں نے فرمایا کہ میں چند روز سے سخت تکلیف میں ہوں میرے اوپر بجلی گرتی ہے کبھی رات کو کبھی دن کو اور میں مرجاتا ہوں اور سخت تکلیف سے مرتا ہوں اور اسکے بعد زندہ ہوتا ہوں تو تکلیف سے ہوتا ہوں یہ بجلی اگر سوتے میں گرتی ہے تو بالکل خاکستر ہوجاتا ہوں انکے پیر کا انتقال ہوچکا تھا اسلئے انھوں نے مجھ سے مشورہ لیا میں نے کہا کہ مولانا گنگوہی کو لکھو انھوں نے مجھ سے کہا کہ تم لکھدو میں نے کہا کہ آپ لکھکر مجھے دیدیں میں اپنے عریضہ کے ہمراہ اسے روانہ کردونگا انھوں نے اپنی حالت لکھکر مجھے دیدی میں نے اسے مولانا کی خدمت میں روانہ کردیا مولانا نے جواب دیا کہ یہ باتیں تحریر میں آنے کی نہیں ہیں انکو میرے پاس بھیجدو اسپر وہ گئے اور جاتے ہی بلا کچھ کہے سنے اچھے ہو گئے۔

حاشیہ حکایت (۶۳) قولہ بلا کچھ کہے سنے اچھے ہو گئے **اقول** اگر یہ تصرف تھا تو اسکے اخفا کے لئے کسی حیلہ کا اہتمام نہ فرمانا یہ بھی ایک مذاق ہے جیساکہ اسکے قبل کی حکایت میں اخفاء ایک مذاق ہے منشاء اخفا کا بعد ہے ریاء سے اور منشاء عدم اخفاء کا بعد ہے وسوسہ ریا سے یعنی یہ احتمال ہی نہیں ہوا کہ اسمیں ریاء ہوگی۔
ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر ست (**اشرف**)

(۶۴) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی عبدالقیوم صاحب کے صاحبزادے

۸۲

مولوی یوسف صاحب فرماتے تھے کہ جب انگریزون کا تسلط ہوا تو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے فرمایا کہ اب ہندوستان کی سلطنت حکماء کے ہاتھ مین آگئی ہے انکے ہاتھ سے نکلنا بہت مشکل ہے یہ روایت میں نے مولوی یوسف سے بلا واسطہ بھی سُنی ہے اور بواسطہ مولوی محی الدین خان صاحب مرادآبادی بھی سُنی ہے۔

حاشیہ حکایت (۶۴) قولہ انکے ہاتھ سے نکلنا بہت مشکل ہے۔ **اقول** اس پیشینگوئی کا مبنی کرامت و فراست دونون ہوسکتے ہیں انفراداً یا اجتماعاً (**شت**)

(۶۵) خانصاحب نے فرمایا کہ مولانا نانوتوی نے خواب دیکھا تھا کہ میں خانہ کعبہ کی چھت پر کسی اونچی شئے پر بیٹھا ہون اور کوفہ کی طرف میرا منہ ہے اور ادھر سے ایک نہر آتی ہے جو میرے پاؤن سے ٹکرا کر جاتی ہے اس خواب کو انھوں نے مولوی محمد یعقوب صاحب برادر شاہ محمد اسحٰق صاحب سے اس عنوان سے بیان فرمایا کہ حضرت ایک شخص نے اس قسم کا خواب دیکھا ہے تو انھون نے یہ تعبیر دی کہ اس شخص سے مذہب حنفی کو بہت تقویت ہوگی اور وہ پکا حنفی ہوگا اور اسکی خوب شہرت ہوگی لیکن شہرت کے بعد اس کا جلدی انتقال ہوجاویگا اھ مین نے یہ خواب اور اسکی تعبیر خود مولانا نانوتوی سے سُنی ہے مولانا کا قاعدہ تھا کہ جب عام لوگوں میں اس خواب کو بیان فرماتے تو فرماتے ایک شخص نے ایسا خواب دیکھا تھا لیکن خاص لوگوں سے فرمادیتے تھے کہ یہ خواب میرا ہے جب مولانا نے مجھ سے یہ خواب بیان فرمایا تو اُسوقت میں اکیلا تھا اور پاؤں دبا رہا تھا اور مولانا نے بے تکلف مجھ سے اپنا نام لیا تھا۔

حاشیہ حکایت (۶۵) قولہ جلدی انتقال ہوجاویگا **اقول** یوں ہی واقع ہوا (**شت**)

(۶۶) خانصاحب نے بیان فرمایا کہ دلّی کے ایک شہزادہ نے جسکا نام اسوقت مجھے یاد نہین رہا مجھ سے خود اپنا خواب بیان کیا کہ مین نے مکہ معظمہ مین خواب مین دیکھا کہ ایک گٹھڑی آسمان سے میری طرف آرہی ہے میں نے اٹھ کر اس گٹھڑی کو

لپک لیا جب وہ میرے ہاتھ میں آئی تو اسوقت مجھے معلوم ہوا کہ وہ گھڑی نہیں ہے بلکہ ذبح شدہ اور کھال اُتری ہوئی مسلم مُرغی ہے جسکے پنجے بھی موجود ہین اور وہ پانی مین تر ہے اس خواب کو مین نے مولانا یعقوب صاحب سے بیان کیا تو انھون نے سُنکر تامل کیا مین نے عرض کیا کہ حضرت اسکی تعبیر فرما دیجے تب آپ نے فرمایا کہ تمہاری بیوی کو حمل ہے مجھے حمل کا علم نہ تھا بیوی سے تحقیق کیا تو معلوم ہوا کہ واقعی حمل ہے مین نے عرض کیا کہ حضرت واقعی حمل ہے تو آپ نے فرمایا کہ لڑکی پیدا ہوگی مگر پانی کے صدمہ سے مر جاویگی جب ایام حمل ختم ہوئے تو لڑکی ہی پیدا ہوئی جب ہم واپسی مین جہاز مین سوار ہوئے تو ایک مقام پر سمندر مین طغیانی ہوئی اور اسکی چھال مجھ پر اور اسکی مان پر اور لڑکی پر گری لڑکی دو تین سسکیان لیکر مر گئی۔

حاشیہ حکایت (۶۶) قولہ سسکیان لیکر مر گئی اقول مولانا اپنے وقت کے ابن سیرین تھے (شت)

۴۴

(۶۷) خانصاحب نے فرمایا کہ اسی شہزادے نے بیان کیا کہ میرے ایک عزیز نے خواب دیکھا کہ مین جمنا پر کھڑا ہون اور جمنا کی سیر کر رہا ہون اتنے مین میرے منہ سے ایک کبوتر نکلا جو نہایت خوبصورت اور حسین تھا اور ایک درخت پر جا بیٹھا اور میری طرف منہ کرکے بولنے لگا مین نے اس خواب کو چھوٹے میان صاحب (مولوی محمد یعقوب صاحب) سے بیان کیا انھون نے کوئی تعبیر نہین دی اور فرمایا کہ سوچونگا وہ (عزیز) اُٹھکر چلے گئے مگر مین (شہزادہ) بیٹھا رہا مین نے (شہزادے نے) عرض کیا کہ حضرت اسکی تعبیر کیا ہے فرمانے لگے کیا کہون ایمان اسکے اندر نہین رہا اور وہ جو اسکی طرف دیکھ دیکھ کر بول رہا ہے وہ اسے چڑا رہا ہے وہ عزیز تھوڑے ہی دنون کے بعد دہری ہو گئے۔

حاشیہ حکایت (۶۷) قولہ دہری ہو گئے اقول خواہ صانع کے انکار سے یا اختیار صانع کے انکار سے جیسا ہمارے زمانہ مین بہت لوگ دہری قسم کے ہین اور اپنے کو مسلمان کہتے ہین مگر صرف کہنے سے کچھ نہین ہوتا (شت)

(باقی آئندہ)

(۶۸) خانصاحب نے فرمایا کہ ایک مرتبہ مولانا نانوتوی نے فرمایا کہ مولوی محمد یعقوب صاحب دہلوی قلب کے اندر جو نہایت باریک چور ہوتے ہیں ان سے خوب واقف تھے۔

حاشیہ حکایت (۶۸) قولہ نہایت باریک چور اقول تو اپنے وقت کے غزالی بھی تھے (**شت**)

(۶۹) خانصاحب نے فرمایا کہ ایک روز مولانا گنگوہی نے فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب نے مجھ سے اور مولانا نانوتوی سے فرمایا کہ کل کو ہم مولوی محمد یعقوب صاحب کے پاس چلیں گے اور ان سے نسبت صلوۃ اور دورہ تادریہ حاصل کرینگے چنانچہ اگلے دن حاجی صاحب اور مولانا نانوتوی تو تشریف لے گئے مگر مجھے یاد نہ رہا تھا اسلئے میں رہگیا جب وہاں سے تشریف لائے تو مجھ سے فرمایا کہ میاں تم کہاں رہ گئے تھے میں نے نسیان کا عذر کیا آپ نے وہ دونوں باتیں مجھے تعلیم کیں۔

حاشیہ حکایت (۶۹) قولہ حاصل کرینگے اقول بڑا ہی کمال ہے اپنے مریدوں کو ساتھ لیجا کر کسی بزرگ سے کچھ حاصل کرنا (**شت**)

۸۵

(۷۰) خانصاحب نے فرمایا کہ مولانا گنگوہی کی طبیعت علیل تھی اور میں آپکے پاس اکیلا تھا اور پاؤں دبا رہا تھا یہ زمانہ وہ تھا جس زمانہ میں براہین قاطعہ شائع ہوئی تھی اور اسپر لوگوں میں شورش ہو رہی تھی حضرت نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تخت پر جلوہ افروز ہیں اور مجھے سامنے کھڑا کیا ہے اور مجھ سے امتحانا سو مسئلے پوچھے اور سو کے سو کا میں نے جواب دیدیا ہے اور آپنے سب کی تصویب فرمائی اور نہایت مسرور ہوئے اُسکے بعد فرمایا کہ اس روز سے میں نہایت خوش ہوں اور سمجھتا ہوں کہ اگر سارے عالم میرے خلاف ہونگے تو انشاء اللہ حق میرے ہی جانب ہوگا۔

حاشیہ حکایت (۷۰) قولہ سارے عالم اقول اس سے معلوم ہوا کہ حضرت مولانا کے نزدیک کثیر کے مقابلہ میں واحد حق پر ہو سکتا ہے مولانا سے عقیدت رکھکر کوئی اسکے خلاف کا قائل ہو وہ اس سے محجوج ہے (**شت**)

(۱۷) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی عبد القیوم صاحب فرماتے تھے کہ سید صاحب مولوی عبد الحیٔ صاحب شاہ اسحٰق صاحب مولوی محمد یعقوب صاحب مولوی اسمٰعیل صاحب یہ حضرات سب کے سب متحد اور یک جان اور قوالب متعددہ تھے جب شاہ عبد العزیز صاحب کا انتقال ہو گیا تو سب کو خیال ہوا کہ شاہ صاحب کا جانشین کسکو بنایا جاوے مولوی اسمٰعیل صاحب شاہ اسحٰق صاحب سے تیرہ برس بڑے تھے اور مولوی محمد یعقوب صاحب دس[۵] برس اور سید صاحب آٹھ برس ان سب کی رائے ہوئی کہ شاہ اسحٰق صاحب کو جانشین قرار دیا جاوے اور یہ طے ہو گیا کہ مدرسہ کے اندر صدر پر شاہ محمد اسحٰق صاحب بیٹھیں اور کوئی نہ بیٹھے اور مدرسہ سے باہر جس طرح چاہیں بیٹھیں پس ان حضرات کا یہی معمول تھا کہ مدرسہ میں صدر پر شاہ صاحب بیٹھتے اور دوسرے لوگ خواہ سید صاحب ہوں یا مولوی عبد الحیٔ صاحب سب آپ کے سامنے باادب بیٹھتے اور مدرسہ سے باہر سید صاحب صدر پر ہوتے تھے اور اگر وہ نہ ہوتے تھے تو مولوی عبد الحیٔ صاحب صدر پر ہوتے تھے اور شاہ اسحٰق صاحب اور دوسرے لوگ انکے سامنے باادب بیٹھتے تھے اور مولوی اسمٰعیل صاحب نہ مدرسہ میں صدر ہوتے تھے نہ مدرسہ سے باہر۔

حاشیہ حکایت (۱۷) **قولہ** جانشین قرار دیا جاوے **اقول** اُسوقت اسمیں مصالح دینیہ ہونگے اور اب تو محض رسم مفاسد سے پُر رہ گئی ہے اسلئے نہ اوّل کو ثانی پر عدم جواز میں اور نہ ثانی کو اول پر جواز میں قیاس کیا جاوے **قولہ** سب آپ کے سامنے **اقول** کیا انتہا ہے اس بے نفسی کا **قولہ** نہ مدرسہ میں صدر **اقول** اے خوشا سرو کہ از بند غم آزاد آمد (ش ت)

۴۶

---

[۵] حکایت (۱۱) میں القاب سے اور حکایت (۵۵) میں صریح الفاظ سے شاہ محمد اسحٰق صاحب کا بڑا ہونا مذکور ہے اور یہاں اسکا عکس ذہن میں امر اول ہی تھا پھر اس تعارض کو دیکھکر مکرر حضرت مولانا عبد العلی صاحب سے بواسطہ حافظ محمد عثمان تحقیق کیا گیا امر اول ہی صحیح ہے اس مقام پر کچھ سہو ہوا ہے خواہ اصل راوی کو خواہ کاتب کو چونکہ دوسرے سب حضرات مذکورین مقام پر بڑے تھے تغلیبا ان کا بھی شمار ان میں بلا قصد ہو گیا مراد یہ ہوگی باوجودیکہ مولانا محمد یعقوب صاحب کو بھی کسی دوسری وجہ سے ترجیح ہوگی مثلاً انکا مصلحت اندیش ہونا جیسا آئندہ حکایت (۳۷) کے اخیر سے سفارش نکرنیکی مصلحت فرمانے سے معلوم ہوتا ہے مگر پھر بھی ان کو منتخب نہیں کیا گیا ۱۲ اشرف علی

(۷۲) خانصاحب نے فرمایا کہ مولانا گنگوہی فرماتے تھے کہ شاہ اسحٰق صاحب کے ایک شاگرد اجمیر میں رہا کرتے تھے اور وہاں مواعظ کے ذریعہ سے اشاعت دین کرتے تھے انھون نے حدیث لاتشدوا الرحال کا وعظ کہنا شروع کیا اور لوگون پر اثر بھی ہوا اتفاق سے شاہ اسحٰق صاحب کا اس زمانہ میں قصد ہجرت ہوگیا جب شاہ صاحب کے قصد کی انکو اطلاع ہوئی تو انھون نے شاہ صاحب کو لکھا کہ جب جناب عازم سفر ہجرت ہون تو اجمیر نہ تشریف لاوین کیونکہ میں لاتشدوا الرحال کا وعظ کہہ رہا ہون اور لوگ راہ پر آچلے ہین آپکی تشریف آوری سے جو کچھ اثر ہوا ہے اسکے غت ربود ہوجانے کا اندیشہ ہے شاہ صاحب نے اسکے جواب مین تحریر فرمایا کہ میں اجمیر کے قصد سے نہ آؤنگا لیکن چونکہ اجمیر راستہ میں پڑے گا اور خواجہ صاحب ہمارے مشائخ مین ہیں اسلئے مجھ سے نہ ہوسکے گا کہ میں بلا حاضر ہوئے بالا بالا چلا جاؤن ہاں جب میں آؤن تم وعظ کہنا اور وعظ میں بیان کرنا کہ اسحٰق نے غلطی کی جو وہ اجمیر آیا اسکا فعل حجت نہیں اور میرے سامنے کہنا اور یہ خیال نہ کرنا کہ شاید مجھ کو ناگوار ہو مجھے ہرگز ناگوار نہ ہوگا اور میں اقرار کرلونگا کہ واقعی میری غلطی ہے اس سے وہ ضرر دفع ہوجاویگا جسکا تم کو اندیشہ ہے اور شاہ صاحب نے یہ بھی تحریر فرمایا کہ یہ مجاور اور قبر پرست ہمارے رقیب ہیں رقیبوں کے ڈر سے محبوب کو نہیں چھوڑا جاسکتا۔

حاشیہ حکایت (۷۲) قولہ وعظ مین بیان کرنا الخ اقول کیا

انتہا ہے اس محبت دین و نصح مسلمین کا کہ اپنی شان کو انپر بالکل نثار کردیا حالانکہ اس مقام میں علاوہ اس جواب کے کہ حدیث کے کیا معنے ہیں کہ یہ جواب تو خلاف مصلحت وقتیہ تھا دوسرا سہل جواب یہ ہوسکتا تھا کہ ہم خاص اس قصد سے نہیں آئے آگے جاتے ہوئے ٹھیر گئے مگر ہکو بھی پسند نہیں کیا کہ ہر شخص ایسا بہانہ کرسکتا ہے وہ جواب تجویز کیا جس میں شغب بالکل ہی قطع ہوگیا گو اپنا جاہ بھی قطع ہوگیا (اشرف)

(۷۳) خانصاحب نے فرمایا کہ چار شخص شاہ صاحب کے خاندان میں بہت سخی تھے ایک شاہ رفیع الدین صاحب انکی نسبت سید احمد خان نے لکھا ہے کہ انکا

۸۷

کیسہ زر ہمیشہ خالی رہتا تھا اھ یہ مکان سے باہر چبوترہ پر بیٹھا کرتے تھے اور اس پر
فرش نہ ہوتا تھا بلکہ صرف چٹائی ہوتی تھی اور کبھی چٹائی بھی دیدیتے تھے اور خالی زمین
پر بیٹھتے تھے سارے محلے کی عورتون کا کام کیا کرتے تھے میرے اُستاد میانجی محمدی
صاحب فرماتے تھے کہ ایک روز شاہ صاحب عورتون کا سودا خریدنے گئے چونکہ
سودے مختلف اور متعدد تھے اسلیئے اوّل انھون نے سودے رومال مین باندہے
جب رومال مین گنجایش نہ رہی تو کرتہ مین رکھے جب اس مین بھی گنجایش نہ رہی اور ایک
سودا باقی رہگیا تو اسے ٹوپی مین لے لیا مین نے عرض کیا کہ حضرت دال مجھے دیدیجئے
اور ٹوپی خالی کرکے اوڑھ لیجئے تو آپ نے فرمایا کہ نہیں مسلمان کی ہر چیز کام مین
آنی چاہیئے۔ دوسرے سخی مولانا شاہ اسحٰق صاحب تھے جب یہ اجمیر پہونچے اور مجاور
انکے پیچھے لگے تو آپ نے فرمایا کہ اسوقت تم ہمارے پاس نہ آؤ ہم پہلے زیارت کرلین
جب زیارت کرکے اپنی قیام گاہ پر پہونچیں اسوقت ہمارے پاس آنا مجاورون نے
ایسا ہی کیا اور آپکے قیام گاہ پر پہونچے اسوقت آپ نے مجاورون کو بلا گنے ہوئے
اور لپیں بھر بھر کے روپے دئے یہ دیکھکر مجاورون نے کہا کہ ان کو کون وہابی کہتا ہے
ایسا تو ابتک بھی کوئی نہیں آیا صرف فلاں بیگم آئی تھی سو اس نے بھی اتنا نہیں دیا تھا
یہ تو اُنکا اپنے ذاتی روپے کے ساتھ برتاؤ تھا اور اگر کوئی درخواست کرتا کہ حضرت
فلان شخص سے میری سفارش کردیجئے تو آپ بے تکلف سفارش کردیتے تھے۔
چنانچہ فرخ آباد والے نواب کو ایک سال میں ایک ہزار سفارشی خط لکھے اور اُس نے
ہر خط کی تعمیل کی آخر مجبور ہوکر عرض کیا کہ حضرت کے سفارشی والا نامے اس سال
ایک ہزار پہنچے ہیں اسپر آپ نے فرمایا کہ واقعی آپ کو بہت تکلیف ہوئی مگر
مین سفارش کے بغیر رہ نہیں سکتا تم میری تحریروں پر عمل نہ کیا کرو مولانا گنگوہی نے
یہ قصہ بیان فرماکر فرمایا کہ اپنی اپنی طبیعت ہے چنانچہ مولوی محمد یعقوب صاحب کی
طبیعت اسکے خلاف تھی اور وہ کبھی کسیکو سفارشی خط نہ لکھتے تھے اور فرماتے تھے
کہ اس مین دو تکلیفیں ہوتی ہیں اگر سفارش نہ کیجاوے تو اسکو تکلیف ہوتی ہے

(باقی آئندہ)

جو خواہان سفارش ہے اور سفارش کیجاوے تو اسکو تکلیف ہوتی ہے جس سے سفارش کیجاتی ہے لیکن چونکہ طالب سفارش کی تکلیف کا منشا خود اُسکی طلب ہے اور جس سے سفارش کیجاتی ہے اُسکی تکلیف محض بلاوجہ اسلئے مین طالب سفارش کی تکلیف کو اُسکی تکلیف پر ترجیح دیتا ہون جس سے سفارش کیجاوے اور یہ بیان فرماکر مولانا گنگوہی نے فرمایا کہ میرا مذاق بھی وہ ہی ہے جو مولانا محمد یعقوب صاحب کا تھا اور مین بھی سفارش نہیں کرتا تیسری سخی مولوی اسمٰعیل صاحب شہید تھے مگر انمین یہ نسبت شاہ محمد اسحٰق صاحب کے کچھہ انتظامی شان تھی چوتھے سخی مولانا اسمٰعیل صاحب کے صاحبزادے مولوی محمد عمر صاحب تھے یہ پورے کھوج کھوؤ اور گھر کھوؤ تھے انکی حالت یہ تھی کہ اگر کوئی ٹوپی مانگتا تو ٹوپی دیتے اُسکے بعد کہتے کہ لو یہ عمامہ بھی لیجاؤ پھر کہتے کہ اچھا یہ کرتہ بھی لے لو حتی کہ پاجامہ تک بھی دیدیتے تھے۔

حاشیہ حکایت (۷۳) قولہ مین بھی سفارش نہین کرتا اقول

۸۹ احقر بھی اسی مذاق کا متبع ہے یعنی بشاشت سے سفارش نہیں کرتا کیونکہ جو سفارش مسنون ہے وہ اسوقت نہین رہی جبر و کراہت رہگئی جو کہ ناجائز ہے (اشرف)

(۷۴) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی اسمٰعیل صاحب نے تقویۃ الایمان اوّل عربی مین لکھی تھی چنانچہ اسکا ایک نسخہ میرے پاس اور ایک نسخہ مولانا گنگوہی کے پاس اور ایک نسخہ مولوی نصر اللہ خان خورجوی کے کتب خانہ مین بھی تھا اُسکے بعد مولانا نے اُسکو اُردو میں لکھا اور لکھنے کے بعد اپنے خاص خاص لوگونکو جمع کیا جن میں سید صاحب مولوی عبدالحیٔ صاحب شاہ اسحٰق صاحب مولانا محمد یعقوب صاحب مولوی فرید الدین صاحب مرادآبادی مومن خان عبداللہ خان علوی (استاذ امام بخش صہبائی) و مولانا مملوک علی صاحب بھی تھے اور انکے سامنے تقویۃ الایمان پیش کی اور فرمایا کہ مین نے یہ کتاب لکھی ہے اور مین جانتا ہون کہ اس مین بعض جگہ ذرا تیز الفاظ بھی آگئے ہین اور بعض جگہ تشدد بھی ہوگیا ہے مثلاً ان امور کو جو شرک خفی تھے شرک جلی لکھدیا گیا ہے ان وجوہ سے مجھے اندیشہ ہے کہ اسکی اشاعت سے شورش ضرور ہوگی اور اگر مین یہان رہتا تو

ان مضامین کو مین آٹھ دس برس مین بتدریج بیان کرتا لیکن اسوقت میرا ارادہ حج کا ہے اور وہان سے واپسی کے بعد عزم جہاد ہے اسلیئے مین اس کام سے معذور ہوگیا اور مین دیکھتا ہون کہ دوسرا اس بار کو اٹھائے گا نہیں اسلیئے مین نے یہ کتاب لکھدی ہے گو اس سے شورش ہوگی مگر توقع ہے کہ لڑ بھڑ کر خود ٹھیک ہوجاوینگے یہ میرا خیال ہے اگر آپ حضرات کی رائے اشاعت کی ہو تو اشاعت کیجاوے ورنہ اسے چاک کردیا جاوے اسپر ایک شخص نے کہا کہ اشاعت تو ضرور ہونی چاہیئے مگر فلان فلان مقام پر ترمیم ہوجانی چاہیئے اسپر مولوی عبدالحئی صاحب شاہ اسحٰق صاحب اور عبداللہ خان علوی مومن خان نے مخالفت کی اور کہا کہ ترمیم کی ضرورت نہیں اسپر آپس مین گفتگو ہوئی اور گفتگو کے بعد بالاتفاق یہ طے پایا کہ ترمیم کی ضرورت نہین ہے اور اسیطرح شائع ہونی چاہیئے چنانچہ اسیطرح اسکی اشاعت ہوگئی اشاعت کے بعد مولانا شہید حج کو تشریف لے گئے اور حج سے واپسی کے بعد چھ مہینے دہلی مین قیام رہا اس زمانہ مین مولانا اسمٰعیل گلی کوچون مین وعظ فرماتے تھے اور مولوی عبدالحئی صاحب مساجد مین چھ مہینے کے بعد جہاد کے لئے تشریف لے گئے یہ قصہ مین نے مولوی عبدالقیوم صاحب اور اپنے استاد میانجی محمدی صاحب وغیرہ سے سُنا ہے۔

حاشیہ حکایت (۴۷) قولہ تشددبھی ہوگیا ہے **اقول** اس تشدد فی العلاج کا سبب مرض کا شدید ہونا ہے **قولہ** اسے چاک کردیا جاوے **اقول** ایسے بزرگ پر ارشاد یا اظہار استعداد کا شبہ اگر ظلم نہیں تو کیا ہے **(رشید)**

(۵۷) خانصاحب نے فرمایا کہ مولانا گنگوہی تقویۃ الایمان کی نسبت فرماتے تھے کہ اس سے بہت ہی نفع ہوا چنانچہ مولوی اسمٰعیل صاحب کی حیات ہی مین ڈھائی لاکھ آدمی درست ہوگئے تھے اور انکے بعد جو کچھ نفع ہوا اس کا تو اندازہ ہی نہیں ہوسکتا۔

حاشیہ حکایت (۵۷) قولہ بہت ہی نفع ہوا **اقول** اسپر مولانا رومی کا ارشاد یاد آگیا ؎ کعبہ راہر دم تجلی می فزود۔ این زاخلاصات ابراہیم بود **(شفیع)**

(۷۶) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی تبارک اللہ صاحب اُلدہن کے رہنے والے ایک شخص تھے جو بہت بڈھے اور شاہ عبدالعزیز صاحب کے شاگرد تھے انھون نے ایک مرتبہ اورنگ آباد میں وعظ کہا وعظ کے بعد ان سے لوگون نے پوچھا کہ آپ تقویۃ الایمان کی نسبت کیا فرماتے ہین مین اس جلسہ مین موجود تھا میرے سامنے مولوی تبارک اللہ صاحب نے فرمایا کہ جب تقویۃ الایمان شائع ہو کر اُلدہن مین آئی ہے تو لوگون مین اسکا چرچا ہوا۔ کچھ لوگ مخالف ہوگئے اور کچھ موافق اور آپس مین بحث مباحثہ اور گفتگوئیں ہونے لگیں اسوقت میرے چچا حیات تھے جو بہت ضعیف العمر تھے آنکھوں سے بھی کم دکھائی دیتا تھا اور کانوں سے بھی اونچا سنتے تھے انھون نے جو یہ رنگ دیکھا تو ایک مرتبہ فرمایا کہ لڑکو مین چند روز سے دیکھ رہا ہون کہ تم لوگ کچھ ورق ہاتھ مین لیے ہوئے بحث مباحثہ کرتے ہو ہمین تو بتلاؤ کیا بات ہے ہم لوگون نے کہا کہ جناب ایک کتاب شائع ہوئی ہے اسپر یہ بحث مباحثے ہوتے ہین انھون نے فرمایا کہ وہ کتاب مجھے سناؤ ہم نے تقویۃ الایمان اول سے لیکر آخر تک سنائی اسکو سنکر آپ نے فرمایا کہ سب بستی کے لوگون کو جمع کرلو اسوقت مین اپنی رائے ظاہر کرونگا ہم لوگون نے لوگونکو جمع کیا جب سب لوگ جمع ہوگئے تو آپ نے فرمایا کہ مین اتبک دنیا کی حالت دیکھتا رہا اور جو کچھ لوگ کہتے تھے اور کرتے تھے وہ باتین بالکل میرے جی کو لگتی تھیں اور مین سمجھتا تھا کہ دنیا اسوقت گمراہی مین مبتلا ہے اور میرا جی ان باتون کو ڈھونڈتا تھا مگر کنوئیں میں بھانگ پڑی ہوئی تھی نہ کسیکو دین کی خبر تھی نہ کوئی بتلانے والا تھا مولوی اسمٰعیل کا احسان ہے کہ انھون نے پانی کو اور بھانگ کو الگ الگ کردیا اور سیدھا راستہ بتلا دیا اب تمہیں اختیار ہے چاہے مانو چاہے نہ مانو اور بھانگ ہی پیتے جاؤ۔

حاشیہ حکایت (۷۶) قولہ پانی کو اور بھانگ کو الخ اقول کیا اچھا فیصلہ ہے (شت)

(۷۷) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی حسین بخش صاحب نے فرمایا کہ ایک مرتبہ مین نے شاہ اسحٰق صاحب اور مولانا یعقوب صاحب کی دعوت کی جب کھانے کا وقت

ہوا تو میاں صاحب پالکی پر سوار ہو کر میرے مکان پر روانہ ہو گئے اور مولوی محمد یعقوب صاحب سے فرما گئے کہ حسین بخش کو اپنے ہمراہ لیتے آنا مولانا یعقوب صاحب کے یہاں ایک سانڈنی تھی جس پر وہ سوار ہوا کرتے تھے مولانا نے اپنی سانڈنی کی پچھلی نشست پر دوشالہ ڈالا اور اگلی نشست خالی رکھی اور مجھ سے کہا کہ تم پچھلی نشست پر سوار ہو جس پر دوشالہ پڑا ہوا تھا میں نے عرض کیا کہ حضرت میں اس قابل نہیں ہوں دوشالہ اپنے لئے رکھیئے آپ نے فرمایا کہ نہیں نہیں تم بیٹھ جاؤ۔ میانصاحب فرما گئے ہیں کہ انکو اپنے ساتھ لانا میں نے پھر عذر کیا آپ نے پھر یہی فرمایا کہ اجی بیٹھ بھی جاؤ میانصاحب فرما گئے ہیں کہ انہیں اپنے ساتھ لانا مجھے مجبوراً سوار ہونا پڑا۔

حاشیہ حکایت (۷۷) قولہ میانصاحب فرما گئے ہیں اقول کتنا ادب ہے کہ جسکو ساتھ لانے کو فرما گئے تھے اسکا اتنا ادب ہے بھلا پھر ان لوگوں کے بے ادب ہونے میں کیا شبہ ہے کہ بزرگوں کا ادب نہیں کرتے کتنا بڑا ظلم ہے (**شت**)

۹۲

(۷۸) خانصاحب نے فرمایا کہ شاہ اسحٰق صاحب کو بہت زور کی بواسیر تھی اور اسکی وجہ سے آپ کو بہت تکلیف تھی کسی شخص نے بواسیر کا عمل بتلایا کہ صبح کی سنتوں میں الم نشرح اور لایلاف پڑھ لیا کیجئے مگر شاہ صاحب نے اسکو پسند نہ فرمایا اسپر مولوی مظفر حسین صاحب اور نواب قطب الدین خانصاحب وغیرہ نے زور دیا کہ آپ یہ عمل ضرور کیجئے آپ نے فرمایا کہ اول تو ہم نیک عمل ہی نہیں کرتے صرف ٹوٹے پھوٹے فرض اور سنتیں پڑھ لیتے ہیں اُن میں بھی ہم خواہش نفسانی (اور دنیوی غرض) کو داخل کر دیں اور عبادت کو (دنیوی) عمل بنا لیں یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔

حاشیہ حکایت (۷۸) قولہ اچھا نہیں معلوم ہوتا اقول کسقدر دقیق اخلاص وتقوی ہے (**شت**)

(۷۹) خانصاحب نے فرمایا کہ مولانا نانوتوی فرماتے تھے کہ اطراف لکھنؤ میں ایک عالم رہتے تھے جو بڑے عالم تھے (مولانا نے انکا نام بھی لیا تھا مگر مجھے یاد نہیں رہا)

(باقی آئندہ)

یہ عالم ایک مسجد میں رہتے تھے اور مسجد کی جنوبی جانب ایک سہ دری تھی اسمین پڑ ہا یا کرتے تھے مولوی فضل رسول بدایونی ظہر کی نماز سے پہلے یا عصر کی نماز سے پہلے انکی خدمت میں پہنچے اور ان کو اپنی وہ تحریرات سُنائیں جو انھون نے مولانا شہید کے ردمین لکھی تہیں اور ان سے اُنکی تصدیق اور مولانا شہید کی تکفیر چاہی اتنے میں جماعت تیار ہوگئی مولوی صاحب نے فرمایا کہ پہلے نماز پڑھ لیں پھر غور کرینگے مولوی فضل رسول کے ساتھ ایک شخص بھی تھا مولوی صاحب اور مولوی فضل رسول تو نماز کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور وہ انکا ساتھی نہیں اُٹھا اور بیٹھا ہوا حقہ پیتا رہا جب مولوی صاحب نماز پڑھکر تشریف لائے تو اسے حقہ پیتے ہوئے دیکھا اسپر مولوی صاحب نے مولوی فضل رسول سے دریافت کیا کہ یہ کون صاحب ہین انھون نے کہا کہ یہ میرے عزیز ہیں مولوی صاحب نے پوچھا کہ یہ تمہارے ساتھ کتنے دنون سے ہین اُنھون نے مدت بتائی اسپر مولوی صاحب نے فرمایا کہ تکفیر کا میرا ارادہ پہلے بھی نہ تھا مگر اتنا ارادہ تھا کہ کچھ آپکے موافق لکھدونگا مگر الحمد للہ کہ اسوقت نماز کی برکت سے مجھ پر ایک حقیقت منکشف ہوئی وہ یہ کہ یہ شخص تمہارا عزیز بھی ہے اور اتنی مدت سے تمہارے ساتھ بھی ہے مگر باوجود اسکے تم اسے مُسلمان (نمازی) بھی نہ بنا سکے اور مولوی اسمٰعیل جس طرف کو نکل گیا ہے ہزاروں کو دیندار بنا گیا ہے پس قابل تکفیر تم ہو یا کہ مولوی اسمٰعیل لہذا تم میرے پاس سے چلے جاؤ میں کچھ نہ لکھونگا اسپر وہ بے نیل مرام واپس ہوگئے یہ قصہ بیان کر کے خانصاحب نے فرمایا کہ میں اس شخص سے ملا ہون جو مولوی فضل رسول کے ساتھ تھا حالانکہ وہ بڈھا ہوگیا تھا مگر بڑھاپے تک بے نماز تھا اور دنیا کی تمام بازیون مثل کبوتر بازی بٹیر بازی مرغ بازی وغیرہ میں ماہر تھا۔

۹۳

حاشیہ حکایت (۷۹) **قولہ** پس قابل تکفیر الخ **اقول** اس بناء پر نہیں کہ تمہارا اثر ساتھی پر نہ ہوا بلکہ اس بناء پر کہ اتنے بڑے خادم اسلام کی تکفیر کی جو بروئے حدیث موجب تکفیر ہے پس حدیث کے جو معنے بھی ہین اسی معنے کر یہ قابلیت بھی ہے تکفیر کی (اشرف)

(۸۰) خانصاحب نے فرمایا کہ مجھ سے شاہ عبدالرحیم صاحب نے بروایت مولانا گنگوہی بیان فرمایا کہ سید صاحب کے قافلہ کا ریاست رامپور جانے کا ارادہ ہوا یہ زمانہ نواب احمد علی خان کا تھا جب علماء رامپور کو اس ارادہ کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ جسطرح بھی ممکن ہو سید صاحب کے لوگوں کو بخصوص مولوی اسمٰعیل صاحب کو نیچا دکھایا جاوے اور مشورہ سے ایک عالم صاحب کو گفتگو کیلئے منتخب بھی کر لیا گیا اس زمانہ میں رامپور میں ایک صاحب شاہ عبدالعزیز صاحب کے شاگرد تھے جو رامپور ہی کے رہنے والے تھے جب ان کو اس مشورہ کی اطلاع ہوئی تو وہ رامپور سے پیدل روانہ ہوئے اور دو تین منزل چلکر سید صاحب کے قافلہ سے ملاقات کی اور ان لوگوں سے کہا کہ آپ صاحبوں کا رامپور تشریف لیجانا مصلحت نہیں ہے کیونکہ وہاں کے علماء نے آپ لوگوں سے مناظرہ کا مشورہ کیا ہے اور وہ مناظرہ پر تلے ہوئے ہیں اور اگر جانا ہی ہے تو اور لوگ جائیں مگر مولوی اسمٰعیل صاحب کا جانا کسیطرح مصلحت نہیں ہے کیونکہ وہاں کے علماء انکے خاص طور پر درپے ہیں۔ اِسکے بعد وہ خاص طور پر مولوی اسمٰعیل صاحب کے پاس گئے اور ان سے خصوصیت کے ساتھ اس واقعہ کو بیان کیا اور درخواست کی کہ آپ ہرگز رامپور تشریف نہ لیجائیں مولانا نے فرمایا کہ یہ آپ کا احسان ہے کہ آپ نے ہم لوگوں کی وجہ سے اسقدر تکلیف گوارا کی اور ہم آپکے ممنون ہیں لیکن یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جسکی وجہ سے اتنی پریشانی ہو کیونکہ وہ لوگ یا معقول میں گفتگو کرینگے یا منقول میں اگر منقول میں گفتگو کرینگے تو جو بات ہمیں معلوم ہوگی ہم اسکا جواب دینگے اور جو نہ معلوم ہوگی ہم صاف کہدینگے کہ ہم نہیں جانتے اور اگر وہ معقول میں گفتگو کرینگے تو عقل خدا نے ہمیں بھی دی ہے وہ اشراقیہ اور مشائیہ کا جمع کیا ہوا گوہ اچھالیں گے اسکے جواب میں ہم بھی اپنی عقل سے گوہ اچھالیں گے دیکھیں وہ کہانتک چلتے ہیں غرض مولانا نے اپنا ارادہ فسخ نہیں کیا اور قافلہ کے ہمراہ مولانا رامپور پہنچے جب وہ رامپور پہنچے ہیں تو حسب قرارداد باہمی علماء رامپور نے اپنے منتخب عالم کو مناظرہ کے لئے بھیجا اس نے

۹۴

پہنچکر مولانا سے سوالات شروع کئے اور مولانا نے تمام سوالات کا جواب دیا یہ گفتگو تین روز تک رہی جب سائل کے سوالات کا سلسلہ ختم ہوا تو مولانا نے فرمایا کہ آپ کے سوالات تو ختم ہوئے اب مجھے اجازت ہو تو چند سوالات میں بھی کرون انھون نے اجازت دی مولانا نے صرف چار سوال کئے دو معقول کے اور دو منقول کے مگر انکو جواب نہ بن آیا اسلئے انھون نے مہلت چاہی کہ مین کل جواب دونگا آپ نے اجازت دیدی اگلے دن صبح کی نماز کے وقت انکا حجرہ نہیں کھلا لوگون نے نماز کے لئے اٹھانا چاہا مگر وہان سے کوئی جواب نہ آیا تب لوگونکو شبہ ہوا تو لوگ کواڑ اتار کر اندر داخل ہوئے دیکھا تو وہ عالم صاحب مرے پڑے ہیں اور انھون نے سر مین پتھر مارکر خودکشی کرلی ہے۔

حاشیہ حکایت (۸۰) **قولہ** آپ کا احسان ہے **اقول** یہ ہے ادب مشیر کا کہ اگر اسکے مشورہ پر عمل بھی نہ کیا جاوے تب بھی اُسکی شکر گزاری کرے یہ نہیں کہ اسکو رد کرنا شروع کردے جیسا آج کل کے متکبرین کا شیوہ ہے **قولہ** ہم صاف کہدینگے کہ ہم نہیں جانتے **اقول** یہ ہے ادب علم دین کا کہ جو بات معلوم نہ ہو بے تکلف لا ادری کہدے یہ نہیں کہ اپنے جہل کو مختلف ایچ پیچ سے چھپاوے جیسا کہ آجکل متکبرین کا شیوہ ہے **قولہ** فی آخر القصہ پتھر مار کر الخ **اقول** ایسا رسوائی کا خوف کیا مگر اس رسوائی سے نہ بچے جبکہ اس قصہ کی شہرت ہوگئی یہ تو دنیا کا خسارہ ہوا کہ جان اور جاہ دونون برباد ہوئے اور آخرت کا خسارہ کہ خودکشی پر استحقاق مواخذہ ہے یہ جُدا رہا احقر کے وجدان میں یہ خسارۂ دارین سزا ہے اہل اللہ کیساتھ عداوت اور آویزش کی بقول عارف شیرازی ؎

بس تجربہ کردیم درین دیر مکافات ✤ با دُرد کشان ہرکہ درافتاد برافتاد (**شمت**)

(۸۱) خانصاحب نے فرمایا کہ خورجہ مین ایک رئیس تھے نواب اعظم علی خان یہ بہت بڑے رئیس تھے مگر اس زمانہ میں لڑکے تھے انکی والدہ مولوی عبدالقیوم صاحب سے بیعت تھیں اور مولوی عبدالقیوم صاحب جب بھوپال سے بڈہانہ وغیرہ جاتے

توخورجہ میں نواب صاحب کے یہان ٹھیرتے تھے چونکہ میں بھی خورجہ مین مقیم تھا اور میری
قیام کے زمانہ مین مولانا خورجہ مین تین مرتبہ تشریف لائے اور ہر مرتبہ میں نے
ان سے نیاز حاصل کی اسلیئے مجھ سے محبت کرنے لگے تھے اور انکے بڑے صاحبزادے
مولوی محمد یوسف صاحب بھی مجھ سے بہت محبت کرنے لگے ایک مرتبہ مولانا محمد قاسم
صاحب خورجہ تشریف لائے اور مولوی عبدالرحمن خان خورجوی کے مکان پر ٹھیرے سردیوںکا
موسم تھا اور چھت کے اوپر چارپائیاں بچھی ہوئی تھین اور مولانا دھوپ میں ٹوپی اتارے
ہوئے ایک چارپائی پر بیٹھے ہوئے تھے اور مولوی احمد حسن صاحب مولانا کی پائتی
بیٹھے ہوئے تھے اور مین دوسری چارپائی پر بیٹھا ہوا تھا اور میرا منہ مولانا کی طرف تھا
اور مولانا کا منہ اس زینہ کی طرف جو چھت پر چڑہنے کے لیئے تھا اتنے مین مولوی محمد یوسف
صاحب زینہ پر چڑہے مین نے منہ پھیر کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ مولوی محمد یوسف صاحب ہیں
مولانا نانوتوی نے پہلے انکو کبھی نہ دیکھا تہا اس لئے وہ ان سے واقف نہ تھے مین نے
عرض کیا کہ حضرت یہ مولوی محمد یوسف صاحب ہیں مولوی عبدالقیوم صاحب کے صاحبزادے
یہ سنکر مولانا گھبراکر ننگے پاؤن اُٹھے اور جاکر انکے قدم پکڑنے کے لیئے جھکنا چاہا مگر
مولوی محمد یوسف صاحب نے مولانا کو قدم نہ پکڑنے دیئے اب مولانا نے انکو اپنی
چارپائی پر سرہانے بٹھانا چاہا مگر مولوی محمد یوسف صاحب مولانا کے سرہانے بھی
نہ بیٹھے اور جس چارپائی پر مین بیٹھا تھا اسپر بیٹھ گئے تھوڑی دیر تک باتین ہوتی
رہیں اسکے بعد مولوی محمد یوسف صاحب تشریف لیگئے اسکے بعد مولانا ان سے ملنے
کے لیئے انکے قیام گاہ پر تشریف لے گئے مولوی محمد یوسف صاحب نواب اعظم علیخان
کے مکان پر تشریف رکھتے تھے اور نواب صاحب اس زمانہ مین بیمار تھے مولانا ممدوح
مولوی یوسف صاحب کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اسی اثناء میں نواب صاحب کے
چچا نے مولوی محمد یوسف صاحب کے کان مین کچھ کہا اُسکے بعد مولوی محمد یوسف صاحب
نے مولانا سے فرمایا کہ نواب صاحب تو عمر ہیں اور اسلیئے دین کی طرف ان کو چندان
توجہ نہیں ہے اگر آپ وعظ فرمادین تو ممکن ہے کہ آپ کی برکت سے انکو اعمال

۹۶

(باقی آئندہ)

صالحہ کی توفیق ہو جاوے مولانا امراء سے بہت مجتنب رہتے تھے مگر مولوی یوسف صاحب کے ارشاد کو رد نہ کر سکے اور مولوی صاحب کے ساتھ نواب صاحب کے پاس تشریف لے گئے جس کمرہ مین نواب صاحب تھے وہان مسند تکیہ لگا ہوا تھا جب مولانا وہان پہنچے ہین تو نواب صاحب نے تعظیم دی اور مسند پر بٹھانا چاہا گو مولانا کی طبیعت میں نہایت ہی انکسار تھا مگر مولانا نے اسوقت نہ طبعی انکسار سے کام لیا اور نہ مولوی محمد یوسف صاحب کا خیال کیا اور بے تکلف بیچ میں مسند پر بیٹھ گئے آپ کے ایک جانب مولوی محمد یوسف صاحب مسند اور تکیہ کے ایک کنارہ پر نہایت ادب کے ساتھ بیٹھ گئے اور دوسری طرف تکیہ کے قریب نواب صاحب بیٹھ گئے اور ہم لوگ سامنے بیٹھ گئے اسکے بعد مولانا نے فرمایا کہ وعظ تو مجھے آتا نہیں مگر اسوقت ایک بات کہتا ہون وہ یہ کہ بادشاہ کے خدام میں مختلف قسم کے لوگ ہوتے ہین کچھ وہ لوگ ہوتے ہین جنکے متعلق خدمات ملکی ہوتی ہین مثلاً وزراء قضاۃ عمال وغیرہ اور کچھ لوگ ایسے ہوتے ہین جنکے متعلق دربانی وغیرہ معمولی کام سپرد ہوتے ہین اور کچھ وہ لوگ ہین جو بادشاہ کے مصاحب ہوتے ہین اور بادشاہ کے جنپر انعام و احسان جسقدر زیادہ ہوتے ہیں ان سے وہ اسیقدر اطاعت کا زیادہ متوقع ہوتا ہے اور اس بناء پر اگر ان لوگون میں سے جنپر بادشاہ کے انعامات زیادہ ہین کسیوقت کوئی حکم شاہی کی تعمیل میں کوتاہی کرتا ہے تو اسپر بادشاہ کا عتاب بھی اتنا ہی زیادہ ہوتا ہے جتنی کہ اسپر عنایت زیادہ تھی مثلاً اگر کوئی مصاحب یا وزیر خلاف ورزی کرے تو اسپر بادشاہ کا عتاب اُس سے زیادہ ہوگا جتنا کہ ان سے کم رتبہ لوگونکی خلاف ورزی پر ہوتا جب یہ معلوم ہوگیا تو اب سمجھنا چاہیئے کہ امراء پر حق تعالےٰ کے انعامات و احسانات بحیثیت اُنکے دولتمند ہونے کے غرباء سے بحیثیت اُنکے افلاس کے بہت زیادہ ہیں اسلیئے حق تعالےٰ انسے بہ نسبت غرباء کے اطاعت بھی اتنی ہی زیادہ چاہتا ہے جتنے کہ ان پر اسکے احسان زیادہ ہین اور انکے خلاف ورزی پر سزا بھی اُنکو اتنی ہی زیادہ دیگا پس امراء پر لازم ہے کہ وہ حق تعالےٰ کی اطاعت میں غرباء سے زیادہ کوشش کریں ورنہ انکو غرباء سے بہت زیادہ سزا ہوگی یہ خلاصہ ہے مولانا کی تقریر کا اور مولانا نے اسکو بہت

۹۷

پہلاؤ کے ساتھ اور نہایت دلکش پیرایہ مین بیان فرمایا تھا۔

حاشیہ حکایت (۸۱) قولہ بے تکلف بیچ میں مسند پر بیٹھ گئے۔

اقول یہ مخالفت طبیعت کی اعزاز دین کے لئے کرنا جیسا کہ مجاہدہ عظیمہ ہے اسی طرح عدل وحکمت کی بھی اعلےٰ دلیل ہے یہ لوگ ہیں جنکی ہر ادا اللہ کے لئے ہے خواہ صورت میں وہ ذلت ہو خواہ عزت ہو (**شت**)

(۸۲) خانصاحب نے فرمایا کہ یہ روایت مین نے بہت سے لوگون سے سُنی منجملہ اُنکے مولوی سراج احمد صاحب خورجوی میانجی عظیم اللہ صاحب خورجوی اور میانجی رحیم داد صاحب خورجوی ہین یہ حضرات فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ قلعہ مین کسی شاہزادہ نے مولانا محمد اسحٰق صاحب اور مولوی محمد یعقوب صاحب اور اُنکے خاص لوگونکی دعوت کی اور اسکے ساتھ ہی اُنکے مخالفین جیسے حاجی قاسم اور مولوی کریم اللہ اور اُنکے ہم خیال لوگونکو بھی مدعو کیا جب یہ سب لوگ دسترخوان پر بیٹھے اور کھانا سامنے رکھا گیا اور لوگون نے کھانے کی طرف ہاتھ بڑہائے تو اس شاہزادے نے کہا کہ صاحبو میں آپ صاحبون کو اطلاع کرتا ہون کہ میران کا بکرا ہے اب جس کا جی چاہے کھائے اور جس کا جی چاہے نہ کھائے اسپر مولوی محمد اسحٰق صاحب اور مولوی محمد یعقوب صاحب اور آپکی جماعت نے ہاتھ کھینچ لئے جب مخالف پارٹی نے یہ دیکھا تو اُنھون نے بھی ہاتھ کھینچ لئے اسپر اس شاہزادہ نے کہا کہ مولوی اسحٰق صاحب اور مولوی محمد یعقوب صاحب تو اسکو حرام کہتے ہین اُنھون نے تو اس لئے ہاتھ کھینچے آپ لوگ تو اسے جائز کہتے ہیں آپ نے کیون ہاتھ کھینچ لئے آپ صاحب کھائین مگر کسی نے نہ کھایا اسپر شاہزادہ نے کہا کہ میں قسم کھا کر کہتا ہون کہ یہ میران کا بکرا نہیں ہے بلکہ میں نے یہ صرف امتحان کے لئے کہا تھا کہ دیکھون کون اپنے خیال میں سچا ہے اور کون جھوٹا اب مجھے معلوم ہوگیا میں درخواست کرتا ہون کہ آپ صاحبان بے تکلف کھائیں اور حکم دیا کہ جو جو شخص اسکو حلال کہتا ہے اُسکو دسترخوان سے اٹھا دیا جاوے اسپر حاجی قاسم اور مولوی کریم اللہ کی جماعت کو اٹھا دیا گیا اور شاہ اسحٰق صاحب کی جماعت نے کھانا کھایا۔

۹۸

حاشیہ حکایت (۸۲) قولہ مگرکسی نے نہ کھایا **اقول** یہ ہاتھ کھینچنا جیسا حق کے رعب کی دلیل ہے اسیطرح اسکی بھی دلیل ہے کہ اُس زمانہ کے اہل ہوئی پھر غنیمت تھے کہ علی تقوی کو اپنی بات کی پچ کے لئے نہیں چھوڑا یہ بات بھی قابل قدر ہے اور احقر نے استاذی مولانا محمد یعقوب صاحب سے اس قصہ میں اتنا اور سُنا تھا کہ ان صاحبون نے یہ بھی کہا کہ حرام تو ہم بھی سمجھتے ہیں مگر انکی ضد میں حلال کہدیا کرتے ہیں (رشت)

(۸۳) خانصاحب نے فرمایا کہ نواب اعظم علی خان کے یہان ایک قصہ خوان نوکر تھا اور یہ قصہ خوان بہادر شاہ کا قصہ خوان تھا اور اس سے بڑھکر دہلی میں کوئی قصہ خوان نہ تھا۔ نواب صاحب کے یہان اسے تیس روپے ماہوار تنخواہ ملتی تھی اسکے اندر یہ کمال تھا کہ کیسا ہی ہکلا یا تو تلا یا اور کسی قسم کا آدمی ہو اسکی اسطرح نقل کر دیتا تھا کہ اصل اور نقل میں امتیاز نہ ہوسکتا تھا ایک مرتبہ مولانا نانوتوی خورجہ تشریف لائے اور اعظم علی خان نے مولانا کی دعوت کی یہ قصہ خوان رافضی تھا اس نے مولانا سے سوال کیا کہ حضرت مین ایک بات دریافت کرنا چاہتا ہون مولانا نے اجازت دی اُس نے عرض کیا کہ خلافت کی قابلیت کس مین تھی اور ابوبکر صدیق کیسے خلیفہ ہوگئے جبکہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے انکو خلیفہ نہ بنایا تھا اسکے جواب مین مولانا نے فرمایا کہ مین جواب عرض کرتا ہون مگر تم اسکے درمیان مین نہ بولنا جب مین تقریر ختم کرچکون اسوقت جو کچھ شبہ ہو اسکو پیش کرنا اس نے کہا بہت اچھا مولانا نے فرمایا کہ اگر کوئی پہلوان یا پھکیت یا بکنیت بیمار ہوجاوے اور اس وجہ سے کشتی یا پھکیتی یا بکنیتی خود نہ سکھا سکے اور جب سکھانے کا وقت آوے اسوقت اپنے کسی شاگرد سے کہدے کہ تو سکھلا یا کوئی رئیس یا اہل کار کہیں جاوے اور اپنے کام کے متعلق اپنے بیٹے یا کسی عہدہ دار سے کہہ جاوے کہ میرا کام تم کرنا اور اشخاص مامورین اس خدمت مفوضہ کو انجام دین تو یہ استخلاف عملی ہوگا اور اس قسم کا استخلاف اس استخلاف سے کہیں بڑھکر ہے جو فقط اس کہنے سے ہو کہ فلان میرا خلیفہ ہے جب یہ مقدمہ ذہن نشین ہوگیا تو اب دوسرا مقدمہ سُنو اور اسکو ذرا غور سے سُنو ارکان اسلام چار ہین نماز روزہ حج زکوۃ مگر دو تو ان مین اصل ہیں اور دو انکے تابع نماز اصل ہے اور زکوۃ اسکے تابع اور حج اصل ہے اور روزہ اسکے تابع۔ کیونکہ نماز کا تعلق

براہ راست حق تعالےٰ سے ہے اور وہ اسکے دربار کی حاضری اور اسکی تعظیم اور اس سے عرض معروض کا نام ہے اور زکوٰۃ کا تعلق بلا واسطہ محتاجون اور فقراء سے ہے پس نماز کے مقابلہ مین زکوٰۃ ایسی ہے جیسے کوئی بادشاہ اہل دربار کو اپنے دربار میں پانچ وقت حاضری کا حکم دے اور یہ بھی حکم دے کہ ہماری طرف سے جو انعامات وصلات تم کو وقتاً فوقتاً ملے ہیں اُن میں سے کچھ ہمارے غریب رعایا کو بھی جو دربار کے راستہ مین خیرات کے موقع پر بیٹھ جاتے ہیں دیدیا کرو سو ظاہر ہے کہ حاضری دربار مقصود ہے اور صدقہ وخیرات اُسکے تابع اور یہ ہی وجہ ہے کہ حق تعالےٰ نے تقریباً ہر جگہ قرآن میں زکوٰۃ کو نماز کے بعد بیان فرمایا ہے اور یقیمون الصلوٰۃ و یوتون الزکوٰۃ اور اقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ وغیرہ وغیرہ فرمایا ہے۔

اسیطرح حج کا تعلق براہ راست حق تعالےٰ سے ہے کیونکہ اس میں محبوب کے در دولت پر حاضر ہوکر اپنے عشق ومحبت کا اظہار ہے اور روزہ میں کسر شوکت نفس ہے جو مانع ہے اس محبت وعشق سے اور ان خامیون کو دفع کرتا ہے جو اس ناصح نامہربان نفس امارہ کی بدولت اسکی خدمات میں پیدا ہوگئی ہیں اسی لئے روزے تیس مقرر کئے گئے اور حج کا وقت رمضان کے بعد سے شروع کیا گیا کیونکہ آخری وقت حج سے (کہ ۹ ذیحجہ ہے) رمضان تک (باوخال غایت) دس مہینے ہوتے مین (بحذف کسر کہ ثلث ماہ سے بھی کم ہے) پس ہر مہینے کے لئے تین مسہل (یعنی روزے) تجویز کئے گئے اور ان سب کو ایک مہینے مین (یعنی رمضان میں) جمع کردیا گیا (کہ تیس روزے فرض کردئے) تاکہ دس مہینون مین جسقدر نفس امارہ کی وجہ سے عشق ومحبت کے جذبات مین خامی اور خلل آگیا ہے ان مسہلون سے اسکی تلافی ہوجاوے اور وہ اس قابل ہوسکے کہ محبوب کے در دولت پر حاضر ہوکر صحیح طور پر اپنی محبت کا اظہار کرسکے اور جب رمضان مین وہ ان مسہلون سے اس قابل ہوگیا تو اب یکم شوال سے اسکو اجازت ہوئی کہ اب آؤ اور آکر اپنی محبت کا اظہار کرو یعنی اسوقت سے حج کا وقت شروع ہوگیا اور اسکی ایسی مثال سمجھو جیسے بادشاہ اپنے اہل دولت کو جشن شاہی کی شرکت کے لئے دعوت دے

(باقی آئندہ)

اور اُسکے ساتھ یہ بھی حکم دے کہ سب لوگ خوب نہا دہو کر اور اعلےٰ اعلےٰ خوشبوئیں لگا کر اور عمدہ سے عمدہ پوشاکیں پہن کر غرض پوری طرح شرکت جشن کے قابل ہو کر شریک جشن ہوں سو ظاہر ہے کہ شرکت جشن مقصود ہے اور باقی امور اسکے تابع جب یہ بھی ذہن نشین ہو گیا اور معلوم ہو گیا کہ نماز اور حج ارکان مقصودہ ہیں اور زکوٰۃ اور روزہ انکے تابع تو اب اصل مقصود سنو جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات میں صدیق اکبر کو امیر حج بنایا اور باوجود تمام صحابہ کی موجودگی کے اس خدمت پر آپکے سوا کسیکو مامور نہیں فرمایا پس اسلام کے ایک رکن اصلی کے متعلق آپ کا استخلاف عملی ثابت ہو گیا اور اسکے ضمن میں اسکے تابع روزہ کے متعلق بھی استخلاف ثابت ہو گیا پھر آپ نے اپنے مرض وفات میں خدمت امامت صلوٰۃ آپ کے سپرد کی اور سترہ وقت کی نمازیں اپنے سامنے آپ سے پڑہوائیں اور باوجود تمام صحابہ کی موجودگی کے یہ خدمت صدیق اکبر کے سوا کسی کے سپرد نہیں فرمائی پس نماز کے متعلق آپ کا استخلاف عملی ثابت ہو گیا اور اسکے ضمن میں اسکے تابع زکوٰۃ کے متعلق بھی استخلاف ثابت ہو گیا تو دوسرے اعمال مثل جہاد وغیرہ کے متعلق بھی ضمناً استخلاف ثابت ہو گیا اب کونسی وجہ ہے کہ صدیق اکبر کو خلیفہ برحق نہ مانا جاوے اور کس طرح کہا جاوے کہ خلافت کی ان میں اہلیت نہ تھی اور اہلیت خلافت صرف حضرت علی میں تھی اور وہی خلیفہ تھے مولانا نے اس تقریر کو نہایت وضاحت اور بسط کے ساتھ بیان فرمایا تھا اور اسقدر دلکش پیرایہ میں بیان فرمایا تھا کہ میں نے مولانا کی کوئی تقریر اس قدر دلکش نہیں سنی مگر وہ تقریر مجھے محفوظ نہیں رہی اسلئے اسکا قریب قریب خلاصہ بیان کر دیا گیا ہے اس تقریر کا اس قصہ خوان پر یہ اثر ہوا کہ وہ اسیوقت رفض سے تائب ہو کر سنی ہو گیا۔

حاشیہ حکایت (۳۸) قولہ فی آخر القصۃ قریب قریب خلاصہ الخ

اقول جب مقارب اور خلاصہ اس غضب کا ہے تو عین کیسا کچھ ہو گا (**شت**)

(۳۹) خانصاحب نے فرمایا کہ ایک مرتبہ مولانا نانوتوی نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی فضیلت بیان فرماتے ہوئے بیان فرمایا کہ اور مختلف لوگوں کی نسبت احادیث میں لفظ احب وارد ہوا ہے کہیں حضرت عائشہؓ کو احب فرمایا ہے کہیں حضرت فاطمہؓ کو کہیں حضرت ابوبکر صدیقؓ کو

وغیرہ وغیرہ لیکن ابوبکر صدیق کی نسبت حدیث مین وارد ہوا ہے کہ اگر مین خدا کے سوا کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا اور یہ بات (جسمین مادہ خلت ہو) کسی اور کیلئے نہین فرمائی جب یہ معلوم ہو گیا تو اب سمجھو کہ خاص خاص مادون کی خاص خاص خصوصیات ہوتی ہیں مثلاً جس مادہ میں ف کی جگہ (یعنی فاء فعل کی جگہ) ش ہو گا اسکے معنے میں علو کے معنے پائے جائیں گے جیسے شرف شر شیطان وغیرہ وغیرہ اسی طرح جس مادہ میں ف ع کی جگہ خ ل ہونگے اسمیں علحدگی اور یکسوئی کے معنے پائے جائیں گے جیسے خلوت خلو بیت الخلا خلیفہ خلال وغیرہ جب یہ معلوم ہو گیا تو اب سمجھو کہ محبت کا تعلق قلب سے ہے اور قلب میں بہت سے پردے ہوتے ہیں اور اسکے بیچ مین ایک خلا ہوتا ہے پس عام محبوبوں کی محبت تو قلب کے پردون میں ہوتی ہے اور خلیل کی محبت اس خلا میں جو قلب کے اندر ہوتا ہے جب یہ بھی معلوم ہو گیا تو اب حدیث کے یہ معنی ہوئے کہ میرے جوف قلب میں خدا کی محبت کے سوا کسی کی محبت کی جگہ نہیں ہے اور اگر بالفرض اس جگہ کسی اور کی محبت کو جگہ ہوتی تو ابوبکر صدیق کی محبت کو ہوتی اور جب ابوبکر آپ کو اس درجہ محبوب تھے تو ضرور ہے کہ آپ کی محبت اور سب سے زائد ہوگی اور دوسرون کی محبت کا تعلق جوف قلب سے دور پردون سے ہوگا اور ابوبکر صدیق کی محبت کا تعلق اس پردہ سے دور جوف قلب سے قریب تر ہے۔

حاشیہ حکایت (۸۴) قولہ کسیکو خلیل بناتا **اقول** اگر اسپر یہ سوال ہو کہ حدیث میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل اللہ فرما کر اپنے تفضیل کی علت میں اپنے کو حبیب اللہ فرمایا ہے جس سے اسکے عکس کا شبہ ہوتا ہے جواب یہ ہے کہ اس حکم کا مبنی لغت نہیں بلکہ محاورہ ہے محاورات مین خلیل کا اطلاق عاشق پر بھی ہوتا ہے مگر حبیب کا صرف معشوق پر (**شت**)

۱۰۲

(۸۵) خانصاحب نے فرمایا کہ میں نے مولوی سراج احمد خورجوی اور مولوی محمد شاہ صاحب رامپوری سے سُنا ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنے ایک خط میں شیخین کی افضلیت پر اس آیت سے استدلال فرمایا ہے واذکروا نعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا۔ اور تقریر استدلال اسطرح فرمائی ہے کہ

حق تعالٰے نے صحابہ پر اپنا احسان جتاتے ہوئے فرمایا ہے کہ تم خدا کی اس نعمت کو یاد کرو
کہ تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے اس نے تمہارے دلونکو ملا دیا اور تم اسکی نعمت سے
بھائی بھائی ہوگئے اس سے معلوم ہوا کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں
صحابہ میں آپس میں عداوت نہ تھی اور وہ آپس میں بھائی بھائی تھے اور یہ ظاہر ہے کہ یہ
برکت تھی آپ کے وجود اور آپ کی تعلیم کی جب یہ معلوم ہوگیا تو اب سمجھو کہ صحابہ میں یہ صفتِ
اخوت پورے طور پر کس وقت تک رہی سو پورے طور پر یہ صفت دو خلافتوں تک رہی اور
اگر حضرت عثمان کے خلافت کے ابتدائی چھ برس بھی شمار کئے جائیں تو کئے جا سکتے ہیں اور
اسکے بعد صحابہ مین آپس مین مخالفتین اور جھگڑے قصے پیدا ہوگئے سو اس سے پتہ چلتا ہے
کہ اوّل کی ڈھائی خلافتیں اخیر کی ڈیڑھ خلافت سے افضل ہیں اور اس زمانہ کے خلیفونکی
برکت اور تعلیم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت اور تعلیم کا بہ نسبت اخیر کے خلیفونکی برکت
و تعلیم کے زیادہ حصہ لئے ہوئے تھی اور اس سے پہلے خلیفونکی افضلیت بعد کے خلیفوں پر ظاہر ہے
اور ثابت ہے کہ پہلے دو خلیفونکی تعلیم اخیر کے دو خلیفون سے زیادہ علی منہاج النبوۃ تھی۔ ۱۰۳

حاشیہ حکایت (۸۵) قولہ فی آخر القصۃ اخیر کے دو خلیفون سے
زیادہ **اقول** یہ تفاوت ناقص کامل کا نہیں کامل اکمل کا ہے (**شت**)

(۸۶) خانصاحب نے فرمایا کہ جب شاہ صاحب کا تحفہ لکھنؤ میں پہنچا ہے تو لکھنؤ
کے نواب نے جو اسوقت برسر حکومت تھا مجتہدین شیعہ سے درخواست کی کہ اسکا جواب
لکھا جاوے مجتہدین میں سے دلدار علی خان نے جواب کا بیڑا اٹھایا لیکن تحفہ کی زبان چونکہ
بینظیر تھی اسلئے مرزا قتیل سے درخواست کی گئی کہ او مضامین قبلہ و کعبہ لکھیں اور آپ انکو اپنی
عبارت میں ادا کردیں تاکہ مضامین کا جواب مضامین سے اور عبارت کا جواب عبارت سے
ہوجاوے مگر قتیل نے عذر کیا اور کہا کہ میں شاہ صاحب کی سی فارسی عبارت لکھنے پر
قادر نہیں ہوں اور اسکی تائید مین اس نے بیان کیا کہ دلی میں ایک رنڈی سے میری آشنائی
ہے اور میں نے نہایت دماغ سوزی سے اور اپنی پوری قابلیت صرف کرکے اسے ایک
خط لکھا تھا وہ رنڈی خط کو دلی کے تمام لائق فائق لوگوں کے پاس لیگئی اور درخواست کی

کہ اسکا جواب لکھدیا جاوے مگر اسکے جواب کا کسی نے اقرار نہیں کیا مجبور ہو کر وہ اس خط کو شاہ صاحب کی خدمت مین لیگئی اور ظاہر کیا کہ مین تمام جگہ پھر چکی ہون مگر کسی نے جواب کی حامی نہیں بھری اب مین مجبور ہو کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئی ہون حضور اسکا جواب لکھدین۔ شاہ صاحب نے خط سنتے ہی فی البدیہ اسکا جواب لکھوا دیا وہ خط میرے پاس چھ مہینے سے رکھا ہے اور مین کوشش کرتا ہون کہ اسکا جواب لکھون مگر اب تک مجھ سے اسکا جواب نہین ہوسکا اب آپ غور فرمالیں کہ میں تحفہ کی عبارت کا جواب کس طرح دے سکتا ہون جب قتیل نے عذر کیا تو ناچار قبلہ وکعبہ نے خود ہی جواب لکھا اس جواب کو نواب صاحب نے مرزا قتیل کے سامنے پیش کیا اور پوچھا کہ بتلائیے کیسا جواب ہے مرزا قتیل نے اُسکو دیکھکر کہا کہ اگر ناگوار خاطر نہ ہو تو عرض کرون نواب صاحب نے فرمایا کہ فرمائیے مرزا قتیل نے کہا کہ سچ تو یہ ہے کہ قبلہ وکعبہ سے تو اپنی کتاب کا نام بھی رکھنا نہ آیا شاہ صاحب تو تحفہ پیش کرتے ہیں اور قبلہ وکعبہ تحفہ کا جواب تلوار سے دیتے ہیں (مرزا قتیل کے اس اعتراض کا منشا یہ تھا قبلہ وکعبہ نے اپنی کتاب کا نام ذوالفقار رکھا تھا) اسکے بعد قبلہ وکعبہ نے فرمایا ۱۰۴ کہ اچھا عبارت کی نسبت کچھ فرمائیے قتیل نے کہا کہ حضور کہان جائس کا جولاہہ اور کہان دلّی کی سیڑھیون کا بیٹھا ہوا شہدہ (یہ قتیل نے اسلئے کہا کہ قبلہ وکعبہ جائس کے تھے اور جائس کے جولاہے مشہور ہیں)

حاشیہ حکایت (۸۶) قولہ فی البدیہ اُسکا جواب لکھوا دیا اقول اگر کسی کو وسوسہ ہو کہ بظاہر افسق ہی کا علاقہ تھا تو اسکی تقویت و اعانت کیسے کی جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ قاتلہ اور مقتول دونون اس قابل نہ رہے ہون صرف اظہار لیاقت ہی کے لئے مکاتبت ہوئی ہو تو معین پر بدگمانی کا کچھ حق نہیں ؎

بگذر از ظن خطا اے بدگمان ✤ ان بعض الظن اثم را بخوان (مثنوی)

(۸۷) خانصاحب نے فرمایا کہ یہ بات جو میں اسوقت لکھوانا چاہتا ہون میں نے صدہا آدمیوں سے سنی ہے اور اسکے آخر میں مولوی محمود حسن صاحب کا کچھ اضافہ ہے اسکو بھی اسکے آخر میں لکھواونگا اصل واقعہ یہ ہے کہ اگر عید کا چاند تیس کا ہونے والا ہوتا تو

(باقی آیندہ)

شاہ عبدالقادر صاحب اوّل روز تراویح میں ایک سیپارہ پڑھتے اور اگر انتیس[۲۹] کا چاند ہونیوالا ہوتا تو اول روز دو سیپارے پڑھتے چونکہ اسکا تجربہ ہو چکا تھا اسلئے شاہ عبدالعزیز صاحب اوّل روز آدمی کو بھیجتے تھے کہ دیکھکر آؤ میاں عبدالقادر نے آج کے سیپارہ پڑھے ہیں اگر آدمی یہ آکر کہتا کہ آج دو پڑھے ہیں تو شاہ صاحب فرماتے کہ عید کا چاند تو انتیس[۲۹] ہی کا ہوگا یہ بات دوسری ہے کہ ابر وغیرہ کی وجہ سے دکہائی نہ دے اور حجت شرعی نہ ہونے کی وجہ سے ہم رویت کا حکم نہ لگا سکیں اس میں مولوی محمود حسن صاحب یہ اضافہ فرماتے تھے کہ یہ بات دلّی میں اسقدر مشہور ہوگئی تھی کہ اہل بازار اور اہل پیشہ کے کاروبار اسپر مبنی ہوگئے تھے مثلاً اگر شاہ عبدالقادر صاحب پہلے روز دو سیپارے سناتے تو لوگ سمجھہ لیتے تھے کہ اب کے عید کا چاند انتیس[۲۹] کا ہوگا اور درزی دہوبی وغیرہ انتیس[۲۹] رمضان تک کپڑوں کی تیاری کیلئے کوشش کرتے تھے اور انتیس[۲۹] کو حتی الامکان کام پورا کر دیتے تھے اور اگر اول روز ایک سیپارہ سناتے تو سمجھہ لیتے کہ چاند تیس[۳۰] کا ہوگا اور تیس[۳۰] تاریخ تک تیاری کا اہتمام کرتے

حاشیہ حکایت (۸۷) قولہ حجت شرعی نہ ہونے کی وجہ سے ہم رویت کا حکم نہ لگا سکیں **اقول** اس سے معلوم ہوا کہ کسی کشف کا واقعیت سے کبھی مختلف نہ ہونا بھی کاملین کے نزدیک شرع کے مقابلہ میں حجت نہیں (**شت**)

۱۰۵

(۸۸) خانصاحب نے فرمایا کہ یہ بات بھی میں نے صدہا لوگوں سے سُنی ہے اور اپنے سب بزرگوں سے بھی سنی ہے اور مولوی فیض الحسن صاحب سہارنپوری اور مولوی ماجد علی صاحب اور مولوی احمد علی خیرآبادی سے بھی سُنی ہے کہ مولوی فضل حق صاحب اور مفتی صدرالدین صاحب جس روز خود کتاب لیکر جاتے اس روز شاہ عبدالقادر صاحب سبق پڑہاتے تھے اور جس روز کتاب خدمتگار کے ہاتھ لواکر لاتے اُس روز سبق نہ پڑہاتے تھے۔

حاشیہ حکایت (۸۸) قولہ جس روز کتاب خدمتگار کے ہاتھ الخ **اقول** دو کمال پر دلالت ہوئی ایک کمال کشف کیونکہ خدمتگار کو استاد کے سامنے تک تھوڑا ہی آنے دیتے تھے دوسرا کمال تربیت کہ ذمیمۂ کبر کا کیسا لطیف علاج فرماتے تھے

جو قولی سے انفع ہے (شت)

(۸۹) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی فیض الحسن صاحب فرماتے تھے کہ میرے استاد مولوی فضل حق صاحب خیرآبادی بیان فرماتے تھے میں حضرت مجدد صاحب کے سلسلہ کا زیادہ معتقد نہ تھا لیکن جب سے میں نے شاہ عبدالقادر صاحب کو اور فلاں بزرگ کو دیکھا ہے اس وقت سے میں اس سلسلہ کا بہت معتقد ہوگیا کیونکہ اگر وہ سلسلہ فی الحقیقت ناقص ہوتا تو ایسے لوگ اس سلسلہ میں داخل نہ ہوتے (خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی فیض الحسن صاحب نے ان دوسرے بزرگ کا نام بھی لیا تھا مگر مجھے وہ نام یاد نہیں رہا) مولوی فیض الحسن صاحب یہ بھی فرماتے تھے کہ شاہ عبدالقادر صاحب سے کرامات کا اس زور و شور سے صدور ہوتا تھا جیسے خزان کے زمانہ میں پت جھڑ ہو یا بارش کے وقت بوندیں گرتی ہوں۔

حاشیہ حکایت (۸۹) قولہ داخل نہ ہوتے **اقول** مطلب یہ ہے کہ اس داخل ہونے کا استمرار نہ ہوتا یعنی اگر غلطی سے داخل ہوجاتے تو داخل رہتے نہیں (شت)

۱۰۶

(۹۰) خانصاحب نے فرمایا کہ یہ بات میں نے صدہا سے سنی ہے مگر خاص یہ بات میں نے مولانا نانوتوی سے سنی ہے۔ وہ فرماتے تھے کہ اس خاندان کے دو غبی ہیں۔ ایک شاہ عبدالقادر صاحب اور ایک مولانا اسحٰق صاحب مولوی فضل حق صاحب اور مفتی صدرالدین صاحب یہ فرمایا کرتے تھے کہ اس خاندان کے لوگ علوم دینیہ جیسے حدیث تفسیر فقہ وغیرہ خوب جانتے ہیں مگر معقولات نہیں جانتے چنانچہ ایک روز سبق پڑھنے جارہے تھے ابھی وہ شاہ صاحب تک پہنچے بھی نہ تھے کہ شاہ صاحب نے اپنے خدام کو حکم دیا کہ ایک بوریا مسجد سے باہر ڈالدو اور ایک مسجد کے اندر اور جب فضل حق اور صدرالدین آئیں تو انکو وہیں بٹھلادو۔ بوریئے حسب الحکم بچھا دیئے گئے اور جب وہ دونوں آگئے تو انکو وہیں بٹھلادیا گیا جب انکے آنے کی شاہ صاحب کو اطلاع ہوئی تو شاہ صاحب تشریف لائے اور آکر اپنے بوریئے پر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ میاں فضل حق او میاں صدرالدین آج سبق پڑھانے کو توجی نہیں چاہتا یوں جی چاہتا ہے کہ کچھ معقولیوں کی خرافات میں گفتگو

ہوا انھوں نے فرمایا کہ حضرت جیسے حضرت کی مرضی ہو اسپر شاہ صاحب نے فرمایا کہ اچھا یہ بتلاؤ
کہ متکلمین کا کونسا مسئلہ ایسا ہے جو فلاسفہ کے مقابلہ میں بہت ہی کمزور ہوا انھوں نے عرض کیا
کہ حضرت متکلمین کے تو اکثر مسائل کمزور ہی ہیں مگر فلاں مسئلہ تو بہت ہی کمزور ہے اسس پر
شاہ صاحب نے فرمایا کہ اچھا تم فلاسفہ کا مسئلہ لو اور ہم متکلمین کا اور گفتگو کریں انھوں نے
عرض کیا کہ بہت اچھا اسپر گفتگو ہوئی اور شاہ صاحب نے دونوں کو عاجز کر دیا اس کے بعد
فرمایا کہ اچھا اب یہ بتلاؤ فلاسفہ کا کونسا مسئلہ سب سے کمزور ہے اسپر انھوں نے عرض کیا
کہ فلاں مسئلہ بہت کمزور ہے اسپر شاہ صاحب نے فرمایا کہ اچھا اب تم متکلمین کا پہلو لو اور
ہم فلاسفہ کا چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور شاہ صاحب نے اب بھی ان کو چلنے نہیں دیا جب ہر طرح
ان کو مغلوب کر دیا تو شاہ صاحب نے فرمایا کہ میاں فضل حق اور میاں صدرالدین تم یہ نہ سمجھو
کہ ہم کو معقول نہیں آتی بلکہ ہم نے ان کو ناقص اور واہیات سمجھکر ان کو چھوڑ دیا ہے مگر انہوں نے
ہمیں اب تک نہیں چھوڑا وہ اب تک ہماری قدمبوسی کئے جاتے ہیں یہ قصہ بیان فرماکر خانصاحب
نے فرمایا کہ میں نے اپنے بزرگوں سے تو یوں سنا ہے کہ یہ گفتگو مولوی فضل حق صاحب
اور مفتی صدرالدین صاحب دونوں سے ہوئی تھی مگر مولوی احمد علی خیرآبادی اور مولوی ماجد علی
یہ فرماتے تھے کہ اس گفتگو میں صرف مفتی صاحب تھے اور مولوی فضل حق صاحب سے گفتگو
نہ ہوئی تھی۔

حاشیہ حکایت (۹۰) قولہ ایک بوریا مسجد سے باہر الخ **اقول** کتنا
دقیق تقوی ہے کہ دونوں بوریئے معقولات ہی کی گفتگو کے لئے بچھائے گئے تھے مگر مدعیان
معقول کی نیت تقویت معقول کی تھی انکا فعل طاعت نہ تھا اُسکے لئے مسجد میں بیٹھنا جائز نہیں
رکھا گیا اور حضرت شاہ صاحب کی نیت تزئیف معقول کی تھی یہ فعل طاعت تھا اس کے لئے
مسجد میں بیٹھنا جائز رکھا گیا (**ش ت**)

(۹۱) خانصاحب نے فرمایا کہ مجھ سے مولوی عبدالجلیل صاحب علی گڈہی کے صاحبزادے
مولوی اسمٰعیل صاحب نے بیان فرمایا کہ میرے والد مولوی عبدالجلیل صاحب اپنے زمانہ
طالب علمی میں شاہ اسحٰق صاحب کی مسجد میں رہتے تھے اور اس زمانہ میں فتحپوری کی مسجد میں

۱۰۷

ایک عالم رہتے تھے جنکا نام آخون شیر محمد تھا میرے والد ان سے تعلیم حاصل کرتے تھے اتفاق سے ایک روز شمس بازغہ کی ایک عبارت کا مطلب انکی سمجھ میں نہ آیا اور وہ جس مسجد میں رہتے تھے اسی مسجد میں ایک مقام پر بیٹھے ہوئے اس عبارت مین غور کر رہے تھے اتفاق سے شاہ اسحٰق صاحب بھی اسیوقت مسجد میں ٹہل رہے تھے شاہ صاحب نے انکے پاس آکر دریافت کیا کہ میاں صاحبزادے بڑے مصروف ہو کونسی کتاب دیکھ رہے ہو والد صاحب نے اسپر کچھ التفات نہیں کیا اور ہوں ہاں کرکے ٹالدیا شاہ صاحب نے دوسری مرتبہ پھر پوچھا کہ میاں صاحبزادے ہمیں تو بتاؤ کونسی کتاب دیکھ رہے ہو والد صاحب نے پھر ٹالدیا شاہ صاحب پھر چلے گئے تیسری مرتبہ شاہ صاحب پھر ٹہلتے ہوئے آئے اور آکر والد صاحب کے پاس بیٹھ گئے اور ذرا اصرار سے پوچھا کہ میاں آخر بتاؤ تو سہی یہ کیا کتاب ہے اور تم اسمیں اتنے مصروف کیوں ہو تب والد صاحب نے مجبور ہو کر کہا کہ یہ کتاب شمس بازغہ ہے میں ایک مقام میں الجھا ہوا ہون اسے سوچ رہا ہوں اسپر شاہ صاحب نے فرمایا کہ کونسا مقام ہے انھون نے اسکا جواب بھی لاپروائی سے دیا جب کئی مرتبہ شاہ صاحب نے اصرار کیا تب انھون نے انکو وہ مقام دکھلایا دوجہ اسکے ان سے التفات نہ کرنیکی یہ تھی کہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ شاہ صاحب اور انکے خاندان کے لوگ معقول نہیں جانتے) شاہ صاحب نے اس مقام کو ملاحظہ فرماکر فرمایا کہ تمہارے استاد نے یہ مطلب بتلایا ہوگا اور تم یہ کہتے ہوگے انھوں نے اقرار کیا اسپر شاہ صاحب نے اسکا صحیح مطلب بتلایا اور عبارت پر اسکو منطبق فرمادیا۔

۱۰۸

حاشیہ حکایت (۹۱) قولہ ٹہل رہے تھے اقول احیاناً اسکا مضائقہ نہیں بشرطیکہ خاص اسی غرض سے مسجد مین داخل نہ ہوا ہو اور عادت کرنا یا اسی قصد سے داخل ہونا مکروہ ہے جیسے دوسرے مباحات جنکے لئے مسجد موضوع نہیں (ش ت)

(۹۲) خانصاحب نے فرمایا کہ شاہ عبدالقادر صاحب نے اپنی حیات میں اپنی کل جائداد حصص شرعیہ کے موافق اپنی صاحبزادی اور اپنے بھائیوں کے نام کردی تھی اور چونکہ مولوی اسمٰعیل صاحب سے آپ کو بہت محبت تھی اور آپ نے انکو متبنیٰ بھی بنایا تھا اسلئے آپ نے بیٹی اور بھائیونکی اجازت سے کچھ حصہ انکو نام ہبہ کردیا تھا اور خود بالکل متوکل ہو کر بیٹھ گئے تھے

(باقی آئندہ)

اور یہ بھی عادت تھی کہ کسی کا ہدیہ نہ لیتے تھے شاہ عبدالعزیز صاحب کو ان سے محبت تھی اسلئے
شاہ صاحب دونون وقت نہایت اہتمام کے ساتھ انکے لئے کھانا بھجوایا کرتے تھے اور جب
کپڑون کی ضرورت ہوتی تو کپڑے بھی شاہ صاحب ہی بنادیا کرتے تھے اتفاق سے ایک روز ایک
بھنگ فروش عورت آئی اور اُس نے آکر نہایت سماجت سے عرض کیا کہ حضرت میں مجبور
ہوگئی ہوں اور میری دکان نہیں چلتی آپ نے اسکو ایک تعویذ لکھدیا اور فرمایا کہ اسکو بھنگ گھوٹنے
کے لوٹے پر باندھ دینا اور فرمایا کہ جب تیری دکان چل جائے تو مجھے یہ تعویذ واپس دے جانا
چونکہ آپکی خدمت مین بڑے بڑے لوگ جیسے شاہ اسحٰق صاحب مولوی عبدالحیٔ صاحب وغیرہم
بیٹھتے تھے اسلئے انکو شاہ صاحب کے اس فعل سے بہت خلجان ہوا کہ شاہ صاحب اور بھنگ
کی بکری کا تعویذ۔ مگر اسکو دل ہی میں رکھا اور ظاہر نہیں کیا چند روز کے بعد عورت دو بھنگیا ں
مٹھائی کی لائی اور وہ تعویذ بھی لائی آپ نے خلاف معمول (کہ ہدیہ نہ لیتے تھے) بھنگیا ں
قبول فرمالیں اَبْ تو ان حضرات کا خلجان اور ترقی کر گیا جب وہ عورت چلی گئی تو آپ نے
وہ تعویذ ان لوگوں کو دیا اور فرمایا کہ اسے پڑھ لو ہمیں کیا لکھا ہے انھون نے پڑھا تو اس میں
لکھا تھا کہ دہلی کے بھنگ پینے والو تمہارا بھنگ پینا مقدر ہو چکا ہے تم اور جگہ نہ پیا کرو اسکی
دوکان پر پی لیا کرو اور اسی روز آپ نے حکم دیا کہ چار بوریے مسجد سے باہر بچھادیے جائیں
اور ایک مسجد کے اندر بچھادیا جاوے خدام نے اس حکم کی تعمیل کردی تھوڑی دیر میں چار جوگی
آئے شاہ صاحب نے انکو چاروں بوریوں پر بٹھایا اور خود مسجد کے اندر ڈالے ہوئے بوریے
پر بیٹھ گئے اور تھوڑی دیر باتیں کر کے انکو رخصت کر دیا اور چاروں چھبڑے مٹھائیوں کے
انکے ساتھ کر دئے اور جن لوگوں کو شبہ ہوا تھا انکو سُناتے ہوئے فرمایا مالِ حرام بود بجائے
حرام رفت۔ خانصاحب نے فرمایا کہ یہ قصہ مین نے مولوی عبدالقیوم صاحب سے سُنا ہے۔

حاشیہ حکایت (۹۲) **قولہ** متبنٰی بھی بنادیا تھا **اقول** اور متبنٰی کی
جو نفی آئی ہے وہ وہ ہے جسمیں احکام ابناء کے جاری کئے جاوین مثل میراث وغیرہ **قولہ**
اجازت سے **اقول** یہ اجازت لینا تبرع تھا ورنہ بوقت مصلحت مالک کو اسکی اجازت ہے۔
قولہ متوکل ہو کر بیٹھ گئے تھے **اقول** ترک اسباب ظنیہ اقویاء کو جائز ہے اور کسی مصلحت سے

اسکو ترجیح دینا بھی خلاف طریق نہیں **قولہ** ہدیہ نہ لیتے تھے **اقول** حاجت نہ ہونے کے وقت بمصلحت اس طور سے عذر کر دینا کہ مہدی کی دلشکنی نہ ہو نیز خلاف طریق نہیں اور عدم حاجت بڑے شاہ صاحب کے کفالت کے سبب تھی اور مصلحت کا علم خود صاحب معاملہ کو ہونا کافی ہے **قولہ** ایک تعویذ لکھدیا **اقول** اس تعویذ کی حقیقت تو آگے مذکور ہے جس سے معلوم ہوگا کہ وہ کوئی تعویذ ہی نہ تھا جسکے اثر سے بکری ہوتی ہو تو اعانت علی المعصیۃ کا شبہ تو متوجہ ہو ہی نہیں سکتا باقی یہ شبہ کہ اسکو نہی عن المنکر کیوں نہیں کیا اسطرح مدفوع ہے کہ توقع قبول کی نہ ہوگی رہا یہ کہ اگر نہی نہیں فرمائی تو کم از کم تقریر تو نہ فرماتے جس سے شبہ موافقت و عدم نکیر کا ہوتا ہے جواب یہ ہے ممکن ہے کہ انکشاف قدر سے مغلوب ہو گئے ہوں اور مغلوب معذور ہوتا ہے اور یہی انکشاف بدرجہ غلبہ سبب ہوا ہو قبول ہدیہ کا۔ باقی قبول کے بعد اسکا مصرف اہل حاجت ہونا یہ تو قواعد شرعیہ ہی کا مقتضا ہے باقی اس مصرف کا کافی ہونا یہ مزید رعایت ہے مال کے خبث کی **قولہ** چار بوریے مسجد سے باہر الخ **اقول** یہ ضرور نہیں کہ یہ بوریے مسجد کے ہوں کیونکہ انکا استعمال غیر مصالح مسجد میں ناجائز ہے خود شاہ صاحب کے ہونگے (**تشت**)

(۹۳) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی عبدالقیوم صاحب نے بیان فرمایا کہ شاہ عبدالقادر صاحب کا معمول تھا کہ کسیکی تعظیم نہ دیتے تھے مگر سید کی تعظیم دیتے تھے خواہ سُنی ہو یا شیعہ ایک رئیس تھا شیعی اسکے یہاں شاہ عبدالقادر صاحب کی اس عادت کا تذکرہ ہوا جن لوگوں نے ذکر کیا وہ سُنی تھے اسپر وہ رئیس بولا کہ میں شاہ صاحب کی خدمت میں چلتا ہوں اگر انھوں نے میری تعظیم دیدی تو میں سُنی ہو جاؤنگا اور اس سے میرے سید ہونے کی بھی تصدیق ہو جائے گی اور یہ کہکر وہ شاہ صاحب کی خدمت میں روانہ ہو گیا اور جو لوگ اسوقت اسکے یہاں موجود تھے وہ بھی اسکے ساتھ ہو لئے اس رئیس نے سب سے کہدیا کہ سب لوگ میرے ساتھ چلیں کوئی شخص مجھ سے آگے نہ جاوے جب وہ شاہ صاحب کی خدمت میں پہونچا تو حسب عادت شاہ صاحب نے اسکی تعظیم دی اس نے کہا کہ حضرت آپ نے میری تعظیم کیوں دی آپ نے فرمایا کہ تمہارے سید ہونے کی وجہ سے اس نے کہا

۱۱۰

کہ میں تو شیعی ہوں آپ نے فرمایا کیا مضائقہ ہے اسپر اس نے کہا کہ آپ شیعوں کی بھی تعظیم دیتے ہیں آپ نے فرمایا کہ سید اگر شیعی بھی ہوتا ہے تو اسکی تعظیم دیتا ہوں اس نے کہا اسکی کیا وجہ آپ نے فرمایا قرآن شریف اگر کاتب کی غلطی سے غلط لکھا جاوے تو اسکو قرآن کہیں گے گو یہ بھی کہیں گے کہ غلط ہے اسپر وہ سنی ہو گیا اور جتنے اسکے ساتھ شیعہ تھے وہ بھی سنی ہو گئے اور جب اسکی خبر اور شیعوں کو ہوئی تو اور بھی چند شیعہ سنی ہو گئے اور اس رئیس نے بہت دہوم کے ساتھ مٹھائی بانٹی۔

حاشیہ حکایت (۹۳) قولہ سید اگر شیعی بھی ہوتا ہے **اقول** توقیر مبتدع کے لزوم کا عذر یہ ہے کہ یہ توقیر من حیث البدعت نہ تھی کسی دوسرے مقتضی سے تو کافر کا اکرام بھی وارد ہے (**ش ت**)

(۹۴) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی عبد القیوم صاحب نے فرمایا کہ ایک اور قصہ سناتا ہوں اکبری مسجد جسمیں شاہ عبد القادر صاحب رہتے تھے اسکے دونوں طرف بازار تھا اور اس مسجد میں دونوں طرف حجرے اور سہ دریاں تھیں ان میں سے ایک سہ دری میں شاہ عبد القادر صاحب رہتے تھے اور اپنے حجرے سے باہر سہ دری میں ایک پتھر سے کمر لگا کر بیٹھا کرتے تھے بازار کے آنے جانے والے آپ کو سلام کیا کرتے تھے سو اگر سنی سلام کرتا تو آپ سیدھے ہاتھ سے جواب دیتے تھے اور اگر شیعی سلام کرتا تو الٹے ہاتھ سے جواب دیتے تھے یہ بیان کرکے مولوی عبد القیوم صاحب نے یہ فرمایا مبن کیا کھد ون

۱۱۱

المؤمن ینظر بنور اللہ۔

حاشیہ حکایت (۹۴) قولہ سیدھے ہاتھ سے الی قولہ الٹے ہاتھ سے **اقول** اس تفاوت کی بنا کرامت ہونا تو ظاہر ہے باقی کرامت میں جو دوام نہ ہونا مقرر ہے سو مراد دوام اختیاری کی نفی ہے اور ہاتھ سے سلام کے منہی عنہ کا اگر شبہ ہو تو وہ غیر ضرورت میں ہے اور یہاں ضرورت ہوگی مثلاً سلام کرنے والا دور ہوتا ہوگا کہ جواب سنانے میں تکلف ہوتا ہوگا ایسی حالت میں خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اشارہ بالید ثابت ہے اور یا نہی کا محل اکتفا بالاشارہ ہے اور جمع میں اجازت ہو (**ش ت**)

(۹۵) خانصاحب نے فرمایا کہ میانجی محمدی صاحب حکیم خادم علی صاحب اور مولوی عبدالقیوم صاحب اور شاہ عبدالرحیم صاحب وغیرہم بیان فرماتے تھے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب نے شاہ عبدالقادر صاحب سے فرمایا کہ میاں عبدالقادر اسحٰق کی طرف بھی توجہ کرو نہ۔ اسکا جواب شاہ عبدالقادر صاحب نے یہ دیا کہ حضرت اسحٰق کو ضرورت نہیں ہے وہ بلا ذکر و شغل اور ریاضت ہی کے اُن لوگوں سے بڑھا ہوا ہے جو باقاعدہ سلوک طے کرتے ہیں غرض شاہ صاحب نے چند مرتبہ فرمایا مگر شاہ عبدالقادر صاحب نے ہر مرتبہ یہی جواب دیا۔

حاشیہ حکایت (۹۵) قولہ اسحٰق کو ضرورت نہیں ہے **اقول** اس جواب کی حقیقت وہی ہے جو محققین فرماتے ہیں کہ مقصود اصلی نسبت احسان ہے خواہ اعمال شرعی سے حاصل ہو جاوے خواہ اشغال صوفیہ سے رہا یہ کہ پھر بڑے شاہ صاحب نے توجہ کا کیوں مشورہ دیا سو یا تو حضرت شاہ صاحب کو کمال نسبت احسان کی اطلاع نہ ہوگی یا اسکی تقویت دوسرے طریق سے بھی تجویز فرمائی ہوگی (**شت**)

۱۱۲ (۹۶) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی عبدالقیوم صاحب اور انکے علاوہ اور بہت سے حضرات نے بیان فرمایا کہ شاہ عبدالقادر صاحب جس تپھر سے کمر لگا کر بیٹھتے تھے اسمیں نشان ہو گیا تھا اور آپ کی مجلس کا یہ رنگ ہوتا تھا کہ بالکل خاموشی طاری ہوتی تھی اور مجلس میں کوئی شخص بات نہ کرتا تھا اگر شاہ صاحب کو کچھ فرمانا ہوتا تھا تو فرما دیتے تھے ایک مرتبہ آپ تپھر سے آگے کی طرف کو جھکے لوگوں نے سمجھا کہ کچھ فرمانا چاہتے ہیں لوگ سننے کے لئے متوجہ ہو گئے آپ نے یہ آیت پڑھی اذ یغشی السدرۃ ما یغشی اور فرمایا کہ کسی چیز نے ڈہانک لیا تھا سدرہ کو۔ اور یہ فرما کر آپ پر گریہ طاری ہوا اور پیچھے کو ہٹ گئے تھوڑی دیر تک روتے رہے جب رونا ختم ہوا تو تھوڑی دیر کے بعد مولوی عبدالحی صاحب نے فرمایا کہ حضرت کچھ بیان فرمانا چاہتے تھے مگر وہ بات یوں ہی رہ گئی ہے آپ نے فرمایا کہ میں کچھ نہیں کہہ سکتا جس بات کو اللہ تعالیٰ نے مجمل رکھا ہو عبدالقادر کی کیا مجال ہے کہ اسکی تفصیل کر سکے اس قصہ کو بیان فرما کر مولوی عبدالقیوم صاحب نے فرمایا کہ شاہ عبدالقادر کا مذہب یہ تھا ابہموا ما ابہمہ اللہ ورسولہ اور جن باتوں کی قرآن و حدیث میں تفصیل نہیں بتلائی گئی شاہ صاحب بھی انکی تفصیل نہ فرماتے تھے اور انکو مجمل ہی رکھتے تھے۔

(باقی آئندہ)

حاشیہ حکایت (۹۶) قولہ مذہب یہ تھا اجملوا **قول** یہی ارشاد ہے حضرت عمرؓ کا ابھموا ما ابھمہ اللہ تعالیٰ مگر یہ علوم محضہ میں ہے اور جن علوم کا تعلق اعمال سے ہے اُن میں تفصیل وتفسیر کا ضروری ہونا تمام علماء کا مجمع علیہ ہے (**ش ت**)

(۹۷) خانصاحب نے فرمایا کہ شاہ عبدالعزیز صاحب کے پہلے خادم میاں کریم اللہ تھے جب میاں کریم اللہ کا انتقال ہوگیا تو انکے بجائے اُنکے بیٹے میاں عید وشاہ صاحب کی خدمت کرنے لگے یہ میاں عیدو فرماتے تھے کہ جو شخص شاہ عبدالعزیز صاحب کے زمانہ میں جامع مسجد (دہلی) کے امام تھے وہ بیان فرماتے تھے کہ ایک بخاری بزرگ جامع مسجد میں آکر ٹھیرے اور کئی روز تک ٹھیرے رہے یہ صاحب اسقدر نیک تھے کہ انکا مستحب تک ترک نہ ہوتا تھا۔ اشراق چاشت صلوٰۃ الاوابین تک پر مداومت کرتے تھے میں نے ان سے دریافت کیا کہ آپ کس غرض سے تشریف لائے ہیں انھوں نے فرمایا کہ میں یہاں کے بزرگوں سے ملنے آیا ہوں مگر نہ مجھے یہ معلوم ہے کہ یہاں کون کون بزرگ ہیں اور نہ یہ کہ وہ کہاں کہاں رہتے ہیں اور نہ میری کسی سے شناسائی ہے کہ وہ رہبری کرے میں نے کہا کہ یہاں کے بزرگوں سے میں آپ کو ملاؤں گا مگر اتنی درخواست ہے کہ آپ عارف ہیں جن جن بزرگونکی جو جو کیفیت جناب کو معلوم ہو اسکو مجھ سے بیان فرمادیا جاوے انھوں نے اسکو منظور فرمایا میں اول انکو شاہ غلام علی صاحب کی خدمت میں لے گیا شاہ غلام علی صاحب بہت مدارات سے پیش آئے اور یہ بزرگ انکی خدمت میں دیر تک رہے جب وہاں سے رخصت ہوئے تو میں نے دریافت کیا کہ حضرت فرمائیے کیا کیفیت ہے آپ نے فرمایا کہ کچھ نہ پوچھو بہت بڑا شخص ہے میں کوئی ولایت نہیں دیکھتا جسمیں اسکے طریقت کی نہریں نہ بہتی ہوں اسکے بعد میں انکو شاہ عبدالعزیز صاحب کی خدمت میں لے گیا وہاں بھی بہت دیر تک بیٹھے جب وہاں سے رخصت ہوئے تو میں نے عرض کیا کہ ان کی کیفیت بیان فرمایئے انھوں نے فرمایا اللہ اکبر یہ تو شاہ غلام علی صاحب سے شریعت میں بھی بڑھے ہوئے ہیں اور طریقت میں بھی انکی شریعت کی نہریں میں تمام عالم میں دیکھتا ہوں اور ان کو اللہ تعالےٰ ایک زمانہ تک قائم رکھے گا اسکے بعد میں انکو شاہ عبدالقادر صاحب کی خدمت میں لے گیا وہاں بہت

ہیبت زدہ بیٹھے اور تھوڑی دیر بیٹھے وہاں سے واپسی مین میں نے ان کی کیفیت دریافت کی تو انھوں نے فرمایا کہ اسکی حالت میں کچھ نہیں بیان کرسکتا کیونکہ جب میں نے اکبری مسجد کی سیڑھیوں پر قدم رکھا ہے تو جو کچھ میرے پاس تھا سب سلب ہوگیا اور میں کورا رہگیا اور جب واپس ہو کر سیڑھیون پر آیا تو پھر مجھے ملگیا۔

حاشیہ حکایت (۹۷) قولہ سب سلب ہوگیا **اقول** یہ مغلوبیت ہوتی ہے بشکل مسلوبیت جیسے نور کواکب نور شمس سے کالعدم ہوجاتا ہے (**شت**)

(۹۸) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی عبدالقیوم صاحب مولوی محمود دہلی مولوی اعلم علی صاحب فرماتے تھے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب کے زمانہ میں کسی شخص پر جن آیا اسکے قرابت دار اسکو شاہ عبدالعزیز صاحب شاہ غلام علی صاحب اور دوسرے بزرگون کے پاس لے گئے اور سب نے جھاڑ پھونک گنڈے تعویذ کئے مگر کچھ افاقہ نہ ہوا اتفاق سے شاہ عبدالقادر صاحب اسوقت دہلی میں تشریف نہ رکھتے تھے جب شاہ صاحب تشریف لائے تو انکی طرف بھی رجوع کیا شاہ صاحب نے جھاڑ دیا وہ اسی روز اچھا ہوگیا جب شاہ عبدالعزیز صاحب کو اسکی اطلاع ہوئی تو آپ نے شاہ صاحب سے پوچھا میاں عبدالقادر تم نے کونسا عمل کیا تھا انھوں نے فرمایا کہ حضرت میں نے تو صرف الحمد پڑھ دی تھی اسپر شاہ صاحب نے دریافت فرمایا کہ کسی خاص ترکیب سے پڑھی تھی انھون نے فرمایا کہ ترکیب کوئی نہیں فقط یا جبار کی شان میں پڑھ دی تھی۔ اھ (میں نے خانصاحب سے اس جملہ کا مطلب پوچھا انھوں نے فرمایا کہ مطلب میں بھی نہیں سمجھا راویوں نے یہ ہی الفاظ فرماتے تھے)

حاشیہ حکایت (۹۸) قولہ مطلب میں بھی نہیں سمجھا **اقول** حقیر کے ذہن مین جو بے تکلف مطلب آیا اسکو بسبیل احتمال عرض کرتا ہوں کہ کاملین میں ایک درجہ ہے ابوالوقت کہ وہ جس وقت جس تجلی کو چاہیں اپنے اوپر وارد کرلیں کذا سمعت مرشدی رہ پس عجب نہیں کہ حضرت شاہ صاحب نے اسوقت اپنے پر جبار کی تجلی کو وارد کیا ہو اور اسکی مظہریت کی حیثیت سے اسکو توجہ سے دفع فرمادیا ہو (**شت**)

(۹۹) خانصاحب نے فرمایا کہ قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی اور مولوی عبدالقیوم

صاحب نے فرمایا کہ شاہ اسحٰق صاحب کے زمانہ میں دلی مین ایک عرب عالم تشریف لائے ایک امیر نے ان سے مولود پڑھنے کی درخواست کی انھون نے منظور فرما لیا اُسکے بعد وہ امیر شاہ اسحٰق صاحب کی خدمت مین حاضر ہوا اور آکر عرض کیا کہ میرے یہاں میلاد ہے حضور بھی تشریف لائیں اگر حضور تشریف لائینگے تو میں ان عالم مولودخوان کو سات سو روپیہ دونگا ورنہ کچھ نہ دونگا جب مولود کا وقت ہوا شاہ اسحٰق صاحب اس محفل میں شریک ہوئے محفل سادہ تھی روشنی وغیرہ حد اسراف تک نہ تھی اور قیام بھی نہیں کیا گیا تھا ذکر میلاد منبر پر پڑھا گیا تھا اسکے بعد جب شاہ صاحب حج کو تشریف لیجاتے ہوئے بمبئی پہنچے ہیں تو وہان انکے ایک شاگرد نے جسکا نام غالباً عبدالرحمٰن تھا ذکر میلاد کروایا اور اس نے بھی شاہ صاحب کو شرکت کی دعوت دی شاہ صاحب اس میں بھی شریک ہوتے اس محفل کا رنگ بھی اس امیر کی محفل کے قریب قریب تھا اور یہاں بھی نہ قیام ہوا تھا اور نہ روشنی وغیرہ زیادہ تھی جب جلسہ ختم ہوا تو شاہ صاحب نے فرمایا کہ عبدالرحمٰن تم نے تو بدعت کا کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا یہ قصہ بیان فرما کر خانصاحب نے فرمایا کہ میں نے یہ قصہ صرف اتنا ہی سُنا ہے نہ کسی نے یہ بیان کیا کہ شاہ صاحب کیوں شریک ہوتے اور نہ یہ کہ ایک جگہ نکیر فرمایا اور دوسری جگہ خاموش رہے اسکا کیا سبب ہے)

حاشیہ حکایت (۹۹) قولہ فی آخر القصتہ نہ کسی نے یہ بیان کیا الخ

اقول احقر یہ سمجھا کہ محفل تو اس رنگ سے فی نفسہ بدعت نہ تھی مگر ایسی ہی محفل کا اگر رواج ہو جاوے تو شدہ شدہ مفضی الی البدعتہ ہو سکتی ہے تو شاگرد کی اس محفل میں تو کوئی ضرورت نہ تھی اسلئے اس افضاء پر نظر فرما کر نکیر فرمایا اور شرکت اباحتہ پر نظر کرکے فرما لی خاص کر جب شرکت میں یہ مصلحت بھی ہو کہ نکیر کا اثر زیادہ ہو گو ورنہ عدم شرکت میں عدم مشاہدہ کے وسوسہ سے اثر کم ہوتا اور امیر کی محفل میں ضرورت تھی ان مسافر صاحب کی اعانت ہو جانے کی اسلئے نکیر نہیں فرمایا صرف اباحتہ پر نظر فرمائی واللہ اعلم (**ش ت**)

(۱۰۰) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی محمد حسن مرادآبادی کے والد مولوی احمد حسن شاہ عبدالغنی صاحب کے حدیث میں شاگرد تھے مگر اعمال وغیرہ میں بدعات کا رنگ تھا قوالی سنتے تھے عرسون وغیرہ میں بھی شریک ہوتے تھے اس وجہ سے شاہ عبدالغنی صاحب نے

ان کو حدیث کی سند بھی نہ دی تھی اسی زمانہ میں خورجہ میں ایک شخص یعقوب خان نام تھے
یہ شخص فارسی میں نہایت قابل اور اُردو کے بہت اچھے شاعر تھے میر کے رنگ میں شعر
کہتے تھے مگر ان کا دیوان مرتب نہیں ہوا یہ کہا کرتے تھے کہ وادی پرخار میں یا میر گیا ہے
یا میں اور میر کا یہ شعر پڑھتے تھے ؎

ماجرا برہنہ پائی کا ہمارے مجنون ✤ خار سے پوچھ کہ سب نوک زبان ہی اسکو

اور اپنے یہ شعر پڑھتے تھے۔

مل کے خاروں سے دشت غربت میں ✤ آبلے پھوٹ پھوٹ کر روئے

ایضاً ہم نے چاہا کہ اٹھیں دشت جنوں سے یعقوب ✤ آبلے پاؤں پڑے خار نے دامن پکڑا

ایضاً فرہاد نہ پوچھ سختی ہجر ✤ دن آج پہاڑ سا کٹا ہے

یہ یعقوب خان خاندان عزیزی کے عقائد پر تھے اور مرادآباد میں داروغہ تھے
ایک روز یہ اپنے دروازہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں مولوی احمد حسن صاحب قوالی
میں سے تشریف لائے انھوں نے دریافت کیا کہ مولوی صاحب کہاں سے آرہے ہو فرمایا ۱۱۶
کہ کیا بتاؤں کہاں سے آرہا ہوں جھک مارکے آرہا ہوں گوہ کھاکے آرہا ہون۔

حاشیہ حکایت (۱۰۰) قولہ کیا بتاؤں **اقول** اسکی وجہ حکایت
آیندہ میں آتی ہے۔

(۱۰۱) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی محمد نور صاحب مرادآبادی فرماتے تھے کہ جب
مولوی احمد حسن صاحب کا انتقال ہونے لگا تو اسوقت میں بھی موجود تھا اور کمرہ وغیرہ دبارہا
تھا انھون نے فرمایا کہ تم لوگ گواہ رہنا کہ میں تمام بدعات سے جن میں میں مصروف تھا
توبہ کرتا ہون اور عقائد میرے پہلے بھی بُرے نہ تھے ہاں افعال نفس کی شرارت سے ضرور
خراب تھے سو میں اب ان سے بھی توبہ کرتا ہوں۔

حاشیہ حکایت (۱۰۱) قولہ عقائد میرے پہلے بھی بُرے نہ تھے۔
اقول یہی ہے وہ مضمون جسکا حوالہ حکایت بالا کے حاشیہ میں دیا گیا ہے۔
(ش ت)

(باقی آیندہ)

(۱۰۲) خانصاحب نے فرمایا۔ کہ مولوی ذوالفقار علی صاحب بیان فرماتے تھے۔ کہ مولوی رستم علی بریلی کے رہنے والے اور بہت پہلوان تھے۔ مولوی اسمٰعیل صاحب شہید کے بہت گہرے دوست تھے۔ اتفاق سے مولانا اسمٰعیل صاحب اور مولوی رستم علی صاحب چاندنی چوک میں کو جا رہے تھے کہ ایک پہلوان نے مولانا کو گالیاں دینی شروع کیں اسپر مولوی رستم علی صاحب کو غصہ آیا۔ اور وہ تلوار نکالکر اس کے مارنے کو دوڑے۔ مولانا نے جھپٹ کر مولوی رستم علی کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور فرمایا کہ میاں رستم علی کیا کرتے ہو وہ گالیاں بیجا نہیں دیتا۔ بلکہ وہ ٹھیک کہتا ہے۔ کیونکہ وہ یہی تو کہتا ہے۔ کہ یہ بڑا بددین ہے جو نئی نئی باتیں نکالتا ہے سو اسمیں وہ کیا بیجا کہتا ہے میری باتیں اس کے لئے تو واقعی نئی ہیں۔ علماء نے یہ باتیں ان بیچاروں کو کہاں سنائی ہیں۔ پھر اس کو نئی کیوں نہ معلوم ہوں اور وہ گالیاں کیوں نہ دے۔ اس کا اس پہلوان پر بہت اثر ہوا۔ اور اس روز سے مولانا کا دوست بیگی

حاشیہ حکایت (۱۰۲) **قولہ**۔ وہ ٹھیک کہتا ہے **اقول** اپنے کبرے کے صدق پر نظر فرمائی جو دینی مسئلہ ہے کہ جو نئی بات نکالے بددین ہے۔ اور صغرے ایک واقعہ ہے خود اون کے ذات کے متعلق اوسمیں کوئی دین کا ضرر نہیں اس لئے اوسپر نظر نہیں فرمائی رہا یہ کہ یہاں ایک صغریٰ اور بھی ہے کہ فلاں عمل (جو کہ واقع میں سنت ہے) نئی بات ہے اور یہ تغیر ہے شرع کی سو یہ ایک فرعی غلطی ہے جو کہ اعمال میں سے ہے اصولی غلطی تو نہیں جو کہ عقائد میں سے ہے مثلاً یہ سمجھنا کہ جو نئی بات دین میں ہو وہ اچھی ہے اور فرعی غلطی سہل ہے اور اوسکی اصلاح بھی قریب ہے (**اشرف**)

(۱۰۳) خانصاحب نے فرمایا کہ میں اپنے بچپن کے زمانہ میں نواب مصطفٰے خاں کے مکان پر اپنے پھوپھا کے ساتھ موجود تھا۔ اور وہاں مفتی صدرالدین خاں اور مرزا غالب بھی موجود تھے۔ مفتی صدرالدین خانصاحب نے مولوی محمد عمر صاحب ابن جناب مولانا اسمٰعیل صاحب شہید کا ایک قصہ بیان فرمایا۔ اور فرمایا۔ کہ یہ مشہور تھا کہ مولوی محمد عمر صاحب کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت زیارت ہوتی ہے۔ اسپر میں اور امام صاحب جامع مسجد اور دو دوسرے اشخاص نے اصرار کیا کہ ہم کو بھی زیارت کرا دیجئے۔

۱۱۷

مگر مولوی محمد عمر صاحب نے منظور نہ کیا لیکن ہم نے اپنا اصرار برابر جاری رکھا۔ ایک مرتبہ میں نے خواب میں دیکھا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جامع مسجد کے منبر تشریف فرما ہیں اور مولوی محمد عمر صاحب آپ کو مورچھل جھل رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ صدر الدین آؤ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرلو۔ اور بعینہ یہ ہی خواب امام صاحب نے دیکھا۔ اور بعینہ اسی طرح ان دوسرے اشخاص نے دیکھا جب صبح ہوئی تو میں امام صاحب کیطرف چلا تاکہ اُن سے یہ خواب بیان کروں اور وہ اپنا خواب بیان کرنے کے لیے میری طرف چلے۔ اور وہ دوسرے اشخاص بھی ہماری طرف چلے اتفاق سے راستہ میں ایک مقام پر ہم سب مل گئے۔ اور میں نے کہا میں تمھارے پاس جا رہا تھا رات میں نے یہ خواب دیکھا ہے انہوں نے کہا ہم تمھارے پاس آرہے تھے ہم نے بھی بعینہ یہی خواب دیکھا ہے۔ اب ہم سب مل کر مولوی محمد عمر صاحب کے مکان پر آئے تو اسوقت مولوی صاحب اپنے مکان کے سامنے ٹہل رہے تھے ہم نے ان سے یہ خواب بیان کیا تو انہوں نے کہا کہ نہیں میں ایسا نہیں ہوں میں ایسا نہیں ہوں۔ اور یہ کہتے ہوئے بھاگ گئے ؂

۱۱۸

حاشیہ حکایت (۱۰۳) یہ مولوی محمد عمر صاحب مجذوب تھے اس لئے ان کے ان افعال کی (کہ ایک ہی رات میں سب کو ایک ہی خواب نظر آنا اور یہ کہنا کہ میں ایسا نہیں ہوں اور بھاگ جانا) حقیقت معلوم ہونے کی ضرورت نہیں یہ ضرورت سالکین کے اقوال و افعال میں ہوتی ہے۔ (شت)

(۱۰۴) خانصاحب نے فرمایا کہ اسی مجلس میں نواب مصطفےٰ خاں نے اپنا قصہ بیان کیا کہ ہم چند احباب جن میں مرزا غالب بھی تھے اپنے بالاخانہ پر بیٹھے ہوئے تھے اور ملا مزامیر کے گانا ہو رہا تھا۔ اتفاق سے مومن خاں کہیں سے مولوی محمد عمر صاحب کو پکڑ لائے۔ وہ یہ کہتے جاتے تھے کہ مجھے چھوڑ دو مجھے چھوڑ دو۔ مگر مومن خاں نہیں مانتے تھے آخر لاکر اس مجلس میں ان کو بٹھلا دیا۔ گانا برابر ہوتا رہا۔ تھوڑی دیر میں مولوی محمد عمر صاحب نے ایک بہت ہی معمولی حرکت کی اُس کے اثر سے سارا

مکان ہل گیا۔ اسپر سب کو شبہ ہوگیا۔ یہ بھی خیال ہوا کہ شاید ان کی جنبش کا اثر ہو۔ اور یہ بھی کہ شاید زلزلہ ہو۔ اسپر سب کی توجہ مولوی محمد عمر صاحب کیطرف ہوگئی۔ تھوڑی دیر میں انہوں نے دوبارہ حرکت کی جو پہلی حرکت سے کسیقدر زیادہ تھی اس سے مکان بھی ہل گیا۔ اور پہلے سے زور سے ہلا۔ اب تو یقین ہوگیا کہ یہ انہی کی حرکت کا اثر ہے تھوڑی دیر میں ذرا اور زور سے حرکت کی تو اس سے مکان کو اور زور سے حرکت ہوئی اور کڑیاں بھی بول گئیں اور طاقوں وغیرہ میں جو شیشہ آلات رکھے تھے وہ کھن کھن کھن کرنے لگے۔ اسپر کسی نے کہا کہ مولوی محمد عمر یہ کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ میں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ مجھے مت بٹھاؤ۔ اور یہ کہہ کر اٹھ کر چلدیئے۔

حاشیہ حکایت (۱۰۴) یہاں بھی اُسی مضمون کا اعادہ کرتا ہوں جو حاشیہ حکایت بالا میں گذرا (**شت**)

(۱۰۵) خانصاحب نے فرمایا کہ مولانا گنگوہی فرماتے تھے کہ شاہ اسحٰق صاحب کے شاگردوں میں تین شخص نہایت متقی تھے۔ اول درجہ کے مولوی مظفر حسین صاحب دوسرے درجہ کے شاہ عبدالغنی صاحب۔ تیسرے درجہ کے نواب قطب الدین خانصاحب اس کے بعد فرمایا کہ ایک مرتبہ نواب قطب الدین خاں صاحب نے شاہ اسحٰق صاحب مولوی محمد یعقوب صاحب اور مولوی مظفر حسین صاحب اور چند دوسرے احباب کی دعوت کی شاہ اسحٰق صاحب نے منظور فرمالی اور مولوی محمد یعقوب صاحب نے بھی مگر مولوی مظفر حسین صاحب نے منظور نہ فرمائی۔ اس سے نواب قطب الدین خاں کو ملال ہوا۔ اور انہوں نے شاہ اسحٰق صاحب سے شکایت کی کہ میں نے مولوی مظفر حسین صاحب کی بھی دعوت کی تھی مگر انہوں نے انکار کردیا۔ شاہ صاحب نے مولوی مظفر حسین صاحب پر عتاب فرمایا۔ اور فرمایا ارے مظفر حسین تجھے تقوے کی بدہضمی ہوگئی۔ کیا نواب قطب الدین کا کھانا حرام ہے انہوں نے فرمایا حاشا وکلا مجھے نواب صاحب پر اس قسم کی بدگمانی نہیں ہے شاہ صاحب نے فرمایا پھر تو کیوں انکار کرتا ہے انہوں نے عرض کیا کہ حضرت نواب صاحب نے آپ کی بھی دعوت کی ہے اور مولوی محمد یعقوب صاحب کی بھی اور ان کے

۱۱۹

علاوہ استنے اور آدمیوں کی اور آپ کو پالکی میں لیجائیں گے۔ اُوس میں بھی صرف ضرور صرف
ہوگا اور نواب صاحب گو بگڑ گئے ہیں۔ مگر پھر نواب زادہ ہیں وہ دعوت میں ضرور
نوابانہ تکلف بھی کریں گے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا ہے۔ کہ نواب صاحب مقروض
بھی ہیں پس یہ مقروض ہیں اور جتنا روپیہ وہ دعوت میں صرف کریں گے وہ
ان کی حاجت سے زائد ہی ہے۔ تو یہ روپیہ وہ اپنے قرض میں کیوں نہیں دیتے
ایسی حالت میں ان کا کھانا کراہت سے خالی نہیں۔ یہ بات شاہ صاحب کے ذہن
میں بھی آگئی اور شاہ صاحب نے فرمایا کہ میاں قطب الدین اب ہم بھی تمہارے
یہاں کھانا نہ کھائیں گے۔

حاشیہ حکایت (۱۰۵) **قولہ** ان کا کھانا کراہت سے خالی نہیں۔ **اقول** کہ امانت
بعیدہ ہے مطل فی اداء القرض کی کیا دقیق تقوے ہے اور استاد کیسے مقدس کہ
یا تو شاگرد کو تاڑ رہے تھے یا اُن ہی کا اتباع کر لیا اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ
اگر اپنے پاس دلیل ہو تو محض استاد کی تقلید سے دلیل کا چھوڑنا نہ چاہیئے۔ (تمت)

۱۲۰

(۱۰۶) خانصاحب نے فرمایا کہ یہ قصہ بھی مولانا گنگوہی بیان فرماتے تھے۔ کہ ایک مرتبہ
شاہ عبد الغنی صاحب کے یہاں کئی وقت کا فاقہ ہوا۔ اُس کا تذکرہ ان کی ماما نے کہیں
کہدیا۔ اُس کی خبر کسی ذریعہ سے مفتی صدر الدین خاں صاحب کو بھی ہوگئی مفتی صاحب نے
تین سو روپیہ شاہ صاحب کی خدمت میں بھجوا دیئے۔ شاہ صاحب نے واپس کر دیئے تو پھر
مفتی صاحب وہ روپیے لیکر خود حاضر ہوئے۔ اور تخلیہ میں روپے پیش کئے اور فرمایا کہ
شاید حضور کو خیال ہو کہ یہ صدر الصدور ہے رشوت لیتا ہوگا اس لیے میں عرض کرتا
ہوں کہ میں رشوت نہیں لیتا۔ بلکہ یہ روپے میری تنخواہ کے ہیں آپ ان کو قبول
فرما لیجئے۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ مجھے تو یہ وسوسہ بھی نہیں گذرا کہ تم رشوت لیتے ہونگے
میں تمہاری نوکری کو بھی اچھا نہیں سمجھتا اور اس سلسلے میں ان کے لینے سے معذور ہوں

حاشیہ حکایت (۱۰۶) **قولہ** خود حاضر ہوئے **اقول** اس سے جناب
مفتی صاحب کا بھی کمال ادب و محبت دینی ثابت ہوتی ہے کہ وہ بھی کو اپنی شان کے خلاف
سمجھکر متغیر نہیں ہوئے۔

(باقی آئندہ)

پھر نیازمندانہ حاضر ہوئے اور کمال خلوص سے تخلیہ میں پیش کئے پھر دوبارہ واپس کرنے اور نوکری کو ناجائز کہنے پر ناگواری نہیں ہوئی یہ اس زمانہ کے دنیا داروں کا حال تھا (شت)

(۱۰۷) خانصاحب نے فرمایا کہ ایک مرتبہ مفتی صدرالدین خانصاحب نے شاہ عبدالغنی صاحب کے یہاں سے کچھ کتابیں مستعار منگائیں شاہ صاحب نے بھیجدیں جلدیں شکستہ تھیں مفتی صاحب نے واپسی کے وقت نئی جلدیں بندھوا کر واپس فرمادیں جب شاہ صاحب کے پاس کتابیں پہنچیں شاہ صاحب نے جلدیں توڑ کر مفتی صاحب کے پاس واپس فرمادیں اور کہلا بھیجا کہ ہمارے وہی پرانے پٹھے بھیجدو۔

حاشیہ حکایت (۱۰۷) قولہ احقر نے یہ حکایت حضرت مولانا گنگوہی سے اس اضافہ کے ساتھ سنی ہے کہ جناب مفتی صاحب نے یہ بھی کہلا بھیجا تھا کہ یہ جلدیں اپنی تنخواہ سے بھی نہیں بنوائیں بلکہ اپنے بزرگوں کے ترکہ سے بنوائی ہیں حضرت شاہ صاحب نے مولانا گنگوہی سے فرمایا کہ جب مفتی صاحب ایسا کہتے ہیں تو پھر کیوں شبہ کیا جاوے مولانا نے عرض کیا ہاں حضرت پھر کیوں شبہ کیا جاوے اسکے کچھ دیر بعد اُن جلدوں کو توڑ ڈالا اور فرمایا دل قبول نہیں کرتا (شت)

(۱۰۸) خانصاحب نے فرمایا کہ مجھ سے مولانا نانوتوی بیان فرماتے تھے کہ نواب قطب الدین خانصاحب بڑے پکے مقلد تھے اور مولوی نذیرحسین صاحب پکے غیر مقلد ان میں آپس میں تحریری مناظرے ہوتے تھے ایک مرتبہ کسی جلسہ میں میری زبان سے یہ نکل گیا کہ اگر کسیقدر نواب صاحب ڈھیلے ہوجائیں اور کسی قدر مولوی نذیرحسین صاحب اپنا تشدد چھوڑ دیں تو جھگڑا مٹ جاوے میری اس بات کو کسی نے نواب قطب الدین خانصاحب تک بھی پہونچا دیا اور مولوی نذیرحسین صاحب تک بھی مولوی نذیرحسین صاحب تو سُنکر ناراض ہوئے مگر نواب صاحب پر یہ اثر ہوا کہ جہاں میں ٹھیرا ہوا تھا میرے پاس تشریف لائے اور آکر میرے پاؤں پر عمامہ ڈالدیا اور پاؤں پکڑلئے اور رونے لگے اور فرمایا بھائی جس قدر میری زیادتی ہو خدا کے واسطے تم مجھے بتلا دو میں سخت نادم ہوا اور مجھ سے بجز اسکے کچھ نہ بن پڑا کہ میں جھوٹ بولوں لہذا میں نے جھوٹ بولا اور صریح

۲۲۱

جھوٹ میں نے صرف اسی روز بولا تھا) اور کہا کہ حضرت آپ میرے بزرگ ہیں میری کیا مجال تھی کہ میں ایسی گستاخی کرتا آپ سے کسی نے غلط کہا ہے غرض مین نے بمشکل انکے خیال کو بدلا اور بہت دیر تک وہ بھی روتے رہے اور میں بھی روتا رہا یہ قصہ بیان کرکے خانصاحب نے فرمایا کہ جب مولانا نے یہ قصہ بیان فرمایا اسوقت بھی آپکی آنکھوں میں آنسو بھر آتے تھے۔

حاشیہ حکایت (۱۰۸) قولہ پاؤں پر الی قولہ مجھے بتلادو اقول کیا انتہا ہے اس للہیت کی ایسے بزرگ پر کب گمان ہوسکتا ہے کہ نفسانیۃ سے مناظرہ کرتے ہوں **قولہ** جھوٹ بولا **اقول** چونکہ اہیں کسیکا ضرر نہ تھا اسلئے اباحۃ کا حکم کیا جاوے گا (**ش ت**)

(۱۰۹) خانصاحب نے فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب بیان فرماتے تھے کہ میں نواب قطب الدین خانصاحب کی خدمت میں ہفتہ میں ایک مرتبہ حاضر ہوا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ نواب صاحب نے فرمایا کہ حاجی صاحب ایک ہفتہ کا فراق تو بہت ہے میں نے ہفتہ میں دو مرتبہ جانا شروع کردیا پھر فرمایا کہ حاجی صاحب چار دن کا فراق تو بہت ہے میں نے تیسرے دن جانا شروع کردیا پھر فرمایا کہ ایک دن کا فراق بھی بہت ہے اسپر میں نے روز جانا شروع کردیا ایک روز فرمانے لگے کہ حاجی صاحب میں شاہ اسحٰق صاحب سے بھی بیعت ہوں اور مولوی محمد یعقوب صاحب سے بھی۔ مگر میں ہمیشہ اعمال مسنونہ ماثورہ ہی میں مشغول رہا اور تصوف کی طرف مجھے کبھی توجہ نہیں ہوئی اسوقت وہ حضرات تو ہیں نہیں اور میں بڈھا ہوگیا ہوں اب مجھ سے محنت بھی نہیں ہوسکتی آپ مجھے کوئی ایسا کام تبلادیں جو میں کرلیا کروں میں تو خاموش رہا اتفاق سے اسوقت مولوی محمد یعقوب صاحب کے داماد مرزا امیر بیگ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ انھوں نے فرمایا کہ آپ کثرت سے استغفار پڑھا کیجئے یہ سُنکر نواب صاحب خاموش ہوگئے۔

حاشیہ حکایت (۱۰۹) قولہ آپ مجھے کوئی ایسا کام **اقول** ایسے اکابر کا حضرت حاجی صاحب کو شیخ سمجھنا تھوڑی بات نہیں **قولہ** مرزا امیر بیگ الخ **اقول** میں نے بھی اپنے والد صاحب مرحوم کے ہمراہ کمنظلہ میں انکی زیارت کی ہے (**ش ت**)

۲۲۲

(۱۱۰) خانصاحب نے فرمایا کہ یہ قصہ میں نے مولوی محمود دہلی اور نواب محمود علیخان سے سنا ہے یہ حضرات فرماتے تھے کہ شاہ اسحٰق صاحب کے زمانہ میں ایک انگریز پادری دلی میں آیا یہ بہت قابل اور لسّان اور مشہور پادری تھا اسنے دلی میں عام طور پر علماء کو مناظرہ کی دعوت دی اسوقت کے مولوی جو خاندان عزیزی کے مخالف تھے انکو شاہ اسحٰق صاحب سے بہت کاوش تھی انھوں نے اس پادری کو پٹی پڑھائی کہ تم شاہ اسحٰق صاحب سے خاص طور پر مناظرہ کی درخواست کرو چونکہ شاہ صاحب بہت سیدھے اور بہت کم گو تھے اور زبان میں لکنت تھی اسلئے ان کو خیال تھا کہ یہ لسّان پادری شاہ صاحب کو ضرور مات دیگا اور انکو ذلت ہوگی اس پادری نے شاہ صاحب کو دعوت مناظرہ دی شاہ صاحب نے بے تکلف منظور فرمالی اسپر شاہ صاحب کے دوستوں کو بہت خیال ہوا مولوی فریدالدین صاحب جو مرادآباد کے رہنے والے اور مولوی اسمٰعیل صاحب اور نواب رشیدالدین خانصاحب کے اچھے شاگردون مین اور نہایت ذہین آدمی تھے اور مولوی محمد یعقوب صاحب ان دونون نے شاہ صاحب سے عرض کیا کہ آپ مناظرہ نہ فرمائیں آپ ہم کو اپنا وکیل بنادیں شاہ صاحب نے فرمایا کہ اُسنے مجھی کو دعوت دی ہے میں ہی مناظرہ کرونگا وکیل بنانے کی ضرورت نہیں۔ بادشاہ بھی شاہ صاحب کا مخالف تھا قلعہ میں مناظرہ کی ٹھیری جب مناظرہ کا وقت آیا اُس وقت سب لوگ قلعہ میں پہونچ گئے اور مجلس مناظرہ منعقد ہوئی خدا کی قدرت جب وہ پادری شاہ صاحب کے سامنے آیا تو اُسکے جسم پر لرزہ پڑگیا اور حواس باختہ ہوگئے اور ایک حرف بھی زبان سے نہ نکال سکا جب کچھ دیر ہوگئی تو شاہ صاحب نے اس پادری سے فرمایا کہ آپ کچھ فرمائینگے یا میں ہی عرض کروں اس نے کہا کہ آپ ہی فرمائیں شاہ صاحب نے خوب زور و شور کے ساتھ اسلام کی حقانیت اور عیسائیت کے بطلان کے دلائل بیان فرمائے وہ پادری ساکت محض تھا نہ اس نے آپ کی تقریر پر کچھ خدشہ کیا اور نہ اپنی طرف سے کوئی سوال کیا جب تمام لوگون پر اس پادری کا عجز ظاہر ہوگیا تب آپنے ان مخالف مولویون کی طرف جنھوں نے اس پادری کو ابھارا تھا متوجہ ہوکر فرمایا کہ ہمارے خاندان کا قاعدہ رہا ہے کہ وہ تفسیر سے پہلے تورات وانجیل وزبور پڑھا دیا کرتے تھے

۲۲۳

کیونکہ بغیران کتابوں پر عبور ہوتے قرآن شریف کا لطف نہیں آتا اسی قاعدے کے مطابق مجھے بھی یہ کتابیں پڑھائی گئی تھیں اور اس لئے میں عیسائی مذہب سے ناواقف نہیں ہوں اور فرما کر فرمایا کہ اگر اسحٰق کو شکست اور ذلت ہوتی تو کچھ بات نہ تھی کیونکہ مجھے علم کا دعویٰ ہی کب ہے لیکن اسلام تو تمہارا بھی تھا اس سے تمام مخالفین پر پانی پڑ گیا اور مناظرہ ختم ہو گیا

حاشیہ حکایت (۱۱۰) قولہ اس پادری کو پٹی پڑھائی **اقول** خدا بُرا کرے عناد کا کہ یہ بھی احساس نہ رہا کہ ہمارا یہ فعل کفر کی تائید ہے اور اسلام کا احتزار (**تشت**)

(۱۱۱) خانصاحب نے فرمایا کہ شاہ عبدالعزیز صاحب جب مدرسہ سے کہیں تشریف لیجاتے تو دریافت کرتے کہ اسوقت مدرسہ میں کون ہے اگر خدام کہتے کہ حضور فلاں ہے تو فرماتے خیر اور اگر کہدیتے کہ میاں اسحٰق ہیں تو فرماتے کہ مدرسہ کی حفاظت کا انتظام کر دو اسحٰق کے بھروسہ نہ رہو اسباب تو اسباب اگر کوئی مدرسہ کی دیواریں اٹھا کر لیجاتے گا تب بھی اسے خبر نہ ہوگی۔

۲۲۴

حاشیہ حکایت (۱۱۱) قولہ تب بھی اسے خبر نہ ہوگی **اقول** یہ استغراق فطری تھا (**تشت**)

(۱۱۲) خانصاحب نے فرمایا کہ شاہ اسحٰق صاحب کے ایک لڑکا تھا جس کا نام سلیمان تھا شاہ صاحب کی کنیت ابوسلیمان اسی کی وجہ سے ہے شاہ عبدالعزیز صاحب کی عادت ٹہلنے کی تھی آپ خدام کے ساتھ ٹہل رہے تھے ایک خادم کی گود میں میاں سلیمان تھے ایک موقعہ پر جھول پڑی ہوئی تھی اور عورتیں جھول رہی تھیں جب ان عورتوں نے میاں سلیمان کو دیکھا تو انھوں نے اس خادم سے کہا کہ میاں کو ہمیں دیدو ہم جھلا دینگے خادم نے دینا چاہا مگر سلیمان نہیں گئے عورتوں نے ہرچند اصرار کیا مگر وہ نہیں گئے جب شاہ صاحب کو معلوم ہوا کہ میاں سلیمان کو عورتیں جھلانے کے لئے لیتی تھیں مگر وہ نہیں گئے تو انھوں نے فرمایا کیوں جاتا اسحٰق کا بیٹا ہے۔

(باقی آئندہ)

حاشیہ حکایت (۱۱۲) قولہ اسحاق کا بیٹا ہے **اقول** مادرزاد اولیاء کی یہی شان ہوتی ہے (**شت**)

(۱۱۳) خانصاحب نے فرمایا کہ حافظ محمد حسین مرادآباد کے رہنے والے ایک شخص تھے جو مولوی امانت علی صاحب امروہی کے مرید تھے انھوں نے حاجی صاحب کو خط لکھا اور اسمیں لکھا کہ مولوی اسمٰعیل صاحب نے حب عقلی کو حب عشقی پر ترجیح دی ہے اور وجہ یہ بیان کی ہے کہ حب عشقی وصل کے بعد مضمحل ہوجاتی ہے مگر حب عقلی وصل میں اور زیادہ بڑھتی ہے اور اسیطرح شکر کو صبر پر ترجیح دی ہے حضور کا اسمیں کیا مسلک ہے حاجی صاحب نے اس خط کا تقریباً ڈیڑھ جزو میں جواب لکھا اور جواب میں حب عشقی کو حب عقلی پر ترجیح دی اور لکھا کہ حب عشقی نامتناہی ہے اور حب عقلی متناہی اور وجہ اسکی یہ تحریر فرمائی کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ لوکشف الغطاء ماازددت یقینا۔ یہ حب عقلی تھی اور اس سے اسکی تناہی ظاہر ہے اور ترجیح صبر کے متعلق تحریر فرمایا کہ حق تعالےٰ صابرین کے متعلق فرماتے ہیں ان اللہ مع الصابرین اور شاکرین کے متعلق فرماتے ہیں لئن شکرتم لازیدنکم۔ اور معیت حق اور زیادت نعمت میں فرق ظاہر ہے غرض اس بحث کو حاجی صاحب نے نہایت مفصل تحریر فرمایا تھا اور میں نے اس خط کی نقل بھی لے لی تھی اسی لئے اسکے مضامین مجھے محفوظ نہیں رہے مگر وہ نقل میرے پاس سے ضائع ہوگئی اسکے بعد میں نے مرادآباد میں تلاش کیا تو مجھے وہاں بھی نہ ملا خیر حاجی صاحب نے اس خط کو تمام فرماکر مولانا گنگوہی کو سنایا اس مجلس میں حافظ عطاء اللہ اور مولوی عبدالکریم منشی تجمل حسین (حاجی صاحب کے بھتیجے) بھی موجود تھے مولانا گنگوہی نے حاجی صاحب کے جواب کو نہایت پسند فرمایا اسکے بعد جب مولانا اس مجلس سے اٹھے تو منشی تجمل حسین صاحب نے مولانا سے دریافت کیا کہ حضرت آپ فرمائیں۔ آپ کے نزدیک حاجی صاحب کا مضمون اچھا ہے یا مولوی اسمٰعیل صاحب کی صراط مستقیم کا آپ نے فرمایا دونوں بہت اچھے ہیں اسکے بعد جب مولانا طواف کرکے حطیم میں بیٹھے تھے تو منشی تجمل حسین نے پھر پوچھا کہ حضرت اچھے تو بیشک دونوں ہیں مگر آپکے نزدیک ان دونوں میں کون زیادہ اچھا ہے تو آپ نے فرمایا کہ حب عشقی میں سب باتیں ہیں مگر ایک بات

۲۲۵

یہ ہے کہ اسمیں انتظام نہیں اور اسلئے حدود شرعیہ اسمیں ملحوظ نہیں رہتیں اس بناء پر میں جبتک اعمال کی ضرورت ہے اسوقت تک تو حب عقلی کو پسند کرتا ہوں اور جب انتقال کا وقت ہو اسوقت غلبہ حب عشقی کو پسند کرتا ہوں۔

حاشیہ حکایت (۱۱۳) قولہ تناہی ظاہر ہے اور حب عشقی کے غیر متناہی ہونے کی دلیل احقر نے خود حضرت حاجی صاحب سے سُنی ہے **ے** عشق دریائے ست قعرش ناپدید ٭ اور وصل میں مضمحل ہو جانا حب عشقی کا اسوقت ہے کہ جب حسن وجمال محبوب کا متناہی ہو اور عشق حقیقی میں یہ ہے نہیں پس وہاں ایسا نہیں **قولہ** دونوں بہت اچھے ہیں **اقول** اور فیصلہ بھی بہت ہی اچھا ہے **(شت)**

(۱۱۴) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی محمود حسن صاحب بیان فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ مولوی مظفر حسین صاحب کہیں تشریف لیجا رہے تھے راستہ میں ایک بڈھا ملا جو بوجھہ لئے ہوئے جاتا تھا بوجھ کسیقدر زیادہ تھا اس وجہ سے اس سے مشکل سے چلا جاتا تھا مولوی مظفر حسین صاحب نے جب یہ حال دیکھا تو آپ نے اس سے بوجھ لے لیا اور جہاں وہ لیجانا چاہتا تھا وہاں پہونچا دیا اُس بڈھے نے ان سے پوچھا کہ اجی تم کہاں رہو انھوں نے کہا بھائی میں کاندھلہ رہوں اُس نے کہا وہاں مولوی مظفر حسین بڑے ولی ہیں اور ایسے ہیں ویسے ہیں غرض بہت تعریفیں کیں مگر مولوی مظفر حسین صاحب نے فرمایا کہ اور تو اسمیں کوئی بات نہیں ہے ہاں نماز تو پڑھ لے ہے اس نے کہا واہ میاں تم ایسے بزرگ کو ایسا کہو مولوی صاحب نے فرمایا کہ میں ٹھیک کہتا ہوں وہ بڈھا انکے سر ہو گیا اتنے میں ایک شخص آگیا جو مولوی مظفر حسین صاحب کو جانتا تھا اُس نے اس بڈھے سے کہا کہ بھلے مانس مولوی مظفر حسین یہی تو ہیں اس پر وہ بڈھا ان سے لپٹ کر رونے لگا مولوی صاحب بھی اسکے ساتھ رونے لگے

حاشیہ حکایت (۱۱۴) قولہ اُس سے بوجھ لے لیا **اقول ے**
طریقت بجز خدمت خلق نیست ٭ بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست **(شت)**

(۱۱۵) خانصاحب نے فرمایا مولوی عبدالقیوم صاحب فرماتے تھے کہ مولوی عبدالرب صاحب کے والد مولوی عبدالحق صاحب شاہ اسحٰق صاحب کے شاگرد اور مولوی

نذیر حسین صاحب کے خسر تھے مولوی نذیر حسین صاحب نے ان سے حدیث پڑھی ہے اور
شاہ اسحٰق صاحب سے نہیں پڑھی جب شاہ صاحب ہجرت کرنے لگے نواب قطب الدین خانصاحب
نے شاہ صاحب سے سفارش کی کہ مولوی نذیر حسین صاحب کو حدیث کی سند دیدیجئے کیونکہ
اسوقت مولوی نذیر حسین صاحب سے اور نواب صاحب سے بہت دوستی تھی شاہ صاحب نے
انکی سفارش سے ان سے ہر کتاب کے ابتدا کی کچھ کچھ حدیثیں سنکر ان کو قطب صاحب میں
حدیث کی سند دی۔

حاشیہ حکایت (۱۱۵) قولہ کچھ کچھ حدیثیں **اقول** ایسی سند برکت
ہے اجازت نہیں (**ش ت**)

(۱۱۶) خانصاحب نے فرمایا کہ شاہ احمد سعید صاحب نے ایک مرتبہ اپنی خانقاہ کی
مسجد میں نماز پڑھی تو نماز کے بعد ایک شخص اُٹھا اور خانقاہ کے لوگون کو اس نے دو دو پیسے
دینے شروع کئے شاہ صاحب کے کسی صاحبزادے کو بھی اس نے دینے چاہے تو انھوں نے
ہاتھ کھینچ لیا انکا ہاتھ کھینچنا شاہ احمد سعید صاحب نے دیکھ لیا اسپر آپ نے صاحبزادے پر
عتاب فرمایا اور فرمایا کہ دو پیسے تھے اسلئے ہاتھ کھینچ لیا اگر سو روپے ہوتے تو جھٹ سے
لیکے رکھ لیتا وہ سو روپیہ بھی تو خیرات ہی ہوتے انکو کیون لے لیتا یہ فرما کر آپ نے اس شخص
سے فرمایا کہ لاؤ مجھے دو اور آپ نے دو پیسے لیکر رکھ لئے اور فرمایا میاں ہم تو خیرات ہی
کھانے والے ہیں۔

حاشیہ حکایت (۱۱۶) قولہ دو پیسے لیکر رکھ لئے **اقول** یہ ہے
قدر دانی نعمت حق کی اور جس حرکت پر عتاب فرمایا وہ استغناء ہے نعمت حق سے جسکی نفی
شکر طعام کی حدیث میں آئی ہے غیر مودع ولا مستغنی عنہ ربنا (**ش ت**)

(۱۱۷) خانصاحب نے فرمایا کہ اکبری مسجد کے صحن میں پہلی صف میں کسی وجہ سے ایک
پتھر نیچا ہو گیا تھا اور برسات کے موسم میں اس میں گارا کیچڑ ہو جاتا تھا سب نمازی اپنے
کپڑون کو بچانے کے لئے اسکو چھوڑ کر کھڑے ہوا کرتے تھے اور اس وجہ سے صف میں فرجہ
رہتا تھا یہ وہ زمانہ تھا جس زمانہ مین مولوی اسمٰعیل صاحب شہید خوش پوشاک تھے

۲۲۷

ایک روز عمدہ پوشاک پہنے ہوئے اکبری مسجد مین تشریف لائے آپ نے صف اول میں فرجہ دیکھا آپ اسی جگہ گارے کیچڑ مین بیٹھ گئے اور کپڑون کا ذرا خیال نہ فرمایا۔

حاشیہ حکایت (۱۱۷) قولہ کیچڑ مین بیٹھ گئے اقول ایسے شخص کو تزئین کا حق ہے (رشت)

(۱۱۸) خانصاحب نے فرمایا کہ ایک مرتبہ حکیم خادم علی صاحب اپنی مسجد میں تشریف رکھتے تھے رمضان کا زمانہ اور افطار کا وقت تھا۔ آپ نے روزہ افطار فرمالیا اتنے میں چند رافضی آئے اور آکر کہا قسم ہے امام حسین کی اسوقت آفتاب غروب نہیں ہوا تھا حکیم صاحب نے فرمایا کہ تم غلط کہتے ہو آفتاب غروب ہو چکا تھا انھوں نے اصرار کیا اور کہا کہ آفتاب ہرگز غروب نہیں ہوا تھا اسپر حکیم صاحب نے فرمایا کہ ہمارے قلوب مین دین اور ایمان ہی ہماری شہادت قلب غلط نہیں ہے آفتاب غروب ہو چکا ہے اور اگر تمہیں اسمیں کچھ تردد ہو تو کل کو مجھے ایک کوٹھری میں بند کر دینا اور تم لوگ آفتاب کو دیکھتے رہنا جسوقت آفتاب غروب ہوگا میں تمہیں اطلاع کر دونگا اسوقت تمہیں تصدیق ہو جاویگی انھوں نے اس دعوی کو عجیب سمجھکر کہا بہت اچھا اگلے روز غروب آفتاب سے پہلے حکیم صاحب کو ایک کوٹھری میں بند کر دیا گیا اور خود چھت پر چڑھ کر غروب آفتاب کو دیکھنے لگے جب آفتاب غروب ہوا حکیم صاحب نے فوراً اندر سے اطلاع کی کہ آفتاب غروب ہو گیا ہے اس وقت ان کو ان کے دعوے کی تصدیق ہو گئی۔

حاشیہ حکایت (۱۱۸) قولہ آفتاب غروب ہو گیا ہے اقول یہ کرامت ہے کہ یہ خبر مطابق واقع کے ہوئی مگر یہ نہ سمجھا جاوے کہ اسکو من حیث الکرامۃ حجت سمجھتے تھے بلکہ من حیث الدلیل تحری حجت ہے (تحقیق)

(۱۱۹) خانصاحب نے فرمایا کہ میرے استاد میانجی محمدی صاحب کے صاحبزادے حافظ عبدالعزیز ایک مرتبہ اپنے بچپن میں نہایت سخت بیمار ہوئے اور اطباء نے جواب دیدیا ان کے والدین کو اس وجہ سے تشویش تھی اتفاق سے میانجی صاحب نے خواب میں دیکھا کہ مولوی اسمٰعیل صاحب مسجد کے بیچ کے در میں علاج فرما رہے ہیں اور میں مسجد کے اندر ہوں۔

(باقی آئندہ)

اور میرے پاس عبد العزیز بیٹھا ہے اتفاق سے اسے پیشاب کی ضرورت ہوئی اور میں اسے پیشاب کرانے لے چلا۔ آدمیون کی کثرت کی وجہ سے اور طرف کو راستہ نہ تھا اور مولوی اسمٰعیل صاحب سے بے تکلفی تھی اسلئے میں اسے مولوی اسمٰعیل صاحب کی طرف کو لے گیا جب عبد العزیز مولوی اسمٰعیل صاحب کے سامنے پہنچا تو انھون نے تین مرتبہ یا شافی پڑھکر اسپر دم کر دیا اس خواب کے بعد جب آنکھ کھلی تو انھون نے اپنی بیوی کو جگایا اور کہا کہ عبد العزیز اچھا ہو گیا۔ اطبا غلط کہتے ہیں کہ یہ نہ بچے گا میں نے اسوقت ایسا ایسا خواب دیکھا ہے صبح ہوئی تو میاں عبد العزیز بالکل تندرست تھے۔

حاشیہ حکایت (۱۱۹) قولہ عبد العزیز اچھا ہو گیا **اقول** اس سے خواب کو مؤثر نہ سمجھا جاوے بلکہ وہ مبشر تھا جیسا حدیث میں ہے (**شت**)

(۱۲۰) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی عبد القیوم صاحب اور مولوی محمود دہلی بیان فرماتے تھے مولوی اسمٰعیل صاحب شہید کی بہن کی شادی شاہ رفیع الدین صاحب کے بڑے بیٹے مولوی عبد الرحمٰن صاحب کے ساتھ ہوئی تھی مولوی عبد الرحمٰن صاحب کا انتقال ہو گیا ایک مرتبہ مولوی اسمٰعیل صاحب شہید قصبہ پہلت میں منبر پر کھڑے ہو کر نکاح ثانی کی ترغیب دلا رہے تھے پہلت کے صاحبون میں سے ایک صاحب کھڑے ہوئے اور کہا کہ مولوی صاحب میں کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔ مولانا نے فرمایا کہ ابھی نہ پوچھو پھر پوچھنا اور یہ فرماکر وعظ بند کر دیا اور منبر پر سے اتر گئے اور اسی روز دہلی روانہ ہو گئے اور دہلی پہونچکر بہن کے پاس پہونچے انکی بہن مولوی صاحب سے عمر میں بھی بہت بڑی تھیں اور دمہ کے مرض کی وجہ سے کمزور بھی بہت تہیں آپ نے اپنا عمامہ بہن کے قدموں پر ڈالدیا اور فرمایا کہ بہن اگر تم چاہو تو میں وعظ کہہ سکتا ہوں ورنہ نہیں کہہ سکتا انھون نے کہا کیا بات ہے۔ آپ نے فرمایا تم نکاح کر لو انھوں نے کہا کہ مجھے نکاح سے انکار نہیں لیکن میں تو نکاح کے قابل ہی نہیں مولانا نے فرمایا کہ یہ صحیح ہے مگر لوگ نہیں جانتے وہ یہ ہی سمجھتے ہیں کہ تم رسم کی بنا پر نکاح نہیں کرتیں اسپر وہ رضامند ہو گئیں اور انکا نکاح مولوی عبد الحی صاحب سے کر دیا گیا مولوی عبد القیوم صاحب فرماتے تھے کہ میرے والد سے نکاح ہونے کے بعد بھی وہ بیمار ہی رہیں اور میرے والد کو ان سے صحبت

۲۲۹

کا کبھی اتفاق نہیں ہوا اور یہ بھی فرمایا کہ جب ہندوستان میں نکاح ثانی بند ہوا تھا اسوقت سے مولوی اسمٰعیل صاحب کی بہن کا نکاح ثانی سب سے پہلا نکاح ثانی تھا۔

حاشیہ حکایت (۱۲۰) قولہ کبھی اتفاق نہیں ہوا **اقول** خاص دین یہ ہے جیران زوجین نے کر دکھایا کہ بلا توقع کسی حظ نفسانی کے محض احیاء سنت کیلئے نکاح کیا (**شت**)

(۱۲۱) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی اسمٰعیل صاحب سے کسی نے پوچھا کہ شاہ عبدالعزیز صاحب اور شاہ عبدالقادر صاحب تم پر عاشق تھے اور سید صاحب خود شاہ عبدالعزیز صاحب اور شاہ عبدالقادر صاحب کے خدام میں سے ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ تم شاہ عبدالعزیز صاحب اور شاہ عبدالقادر صاحب پر نہ مٹے اور سید صاحب پر اتنے فریفتہ ہوا انھوں نے کہا میں اور کچھ نہیں کہتا صرف اتنا کہتا ہوں کہ جب میں اپنی بہن کو مشکوٰۃ وغیرہ پڑھاتا تھا تو نکاح ثانی کے فضائل قصداً چھوڑوا دیتا تھا کہ مبادا میری بہن کو ترغیب ہو اور وہ نکاح کرلے لیکن جب سید صاحب کی صحبت ہوئی تو خود میں نے ہی زور دیکر ان کا نکاح کروا دیا اس سے تم سمجھ لو کہ میں کیوں سید صاحب پر اتنا فریفتہ ہوں۔ ۲۳۰

حاشیہ حکایت (۱۲۱) قولہ اس سے تم سمجھ لو الخ **اقول** اس اثر کو تفاضل کی دلیل نہ بنایا جاوے نفع کا مدار مناسبت پر ہے اور یہ فطری امر ہے گا ہے فضل سے نفع کم ہوتا ہے مفضول سے زیادہ (**شت**)

(۱۲۲) خانصاحب نے فرمایا اسی جگہ ذرا سی بات اور لکھا تا ہوں مفصل قصہ کسی دوسری جگہ لکھواؤنگا (وہ مفصل ۱۲۶ میں مذکور ہے) شاہ عبدالرحیم صاحب ولایتی سے کسی نے کہا کہ آپ تو بڑے کمال کے آدمی ہیں اور کمال باطن میں سید صاحب سے گھٹے ہوئے نہیں بلکہ بڑھے ہوئے ہیں پھر آپ سید صاحب پر اس درجہ کیوں مٹ گئے کہ آپ بھی مرید ہوئے اور اپنے مریدوں کو بھی ان سے مرید کرایا اسکے جواب میں شاہ صاحب نے فرمایا کہ یہ سب کچھ ہے مگر ہم کو نماز پڑھنی اور روزہ رکھنا نہ آتا تھا سید صاحب کی برکت سے نماز پڑھنی بھی آگئی اور روزہ رکھنا بھی آگیا۔

حاشیہ حکایت (۱۲۲) قولہ نماز پڑھنا بھی آگئی **اقول** احقر یہ سمجھا ہے کہ عبادت کے کمال کی جو حقیقت ہے ان تعبد اللہ کانک تراہ الخ اسمیں سید صاحب کی صحبت سے قوت بڑھ گئی سید صاحب کی یہ نسبت خاص زیادہ قوی ہو گی گو دوسرے احوال باطنیہ پہلے سے ممکن ہے کہ ان میں سید صاحب سے بھی زیادہ قوی ہوں چنانچہ احقر نے ثقات سے سُنا ہے کہ دونوں بزرگ ایک دوسرے کی طرف ہو کر کیفیات و نسبت کا مبادلہ کرتے تھے چنانچہ ۱۲۵ میں آتا بھی ہے (**شت**)

(۱۲۳) خانصاحب نے فرمایا مولوی عبدالقیوم صاحب فرماتے تھے کہ مولانا شہید ابتداء میں نہایت آزاد تھے کوئی میلہ خواہ ہندؤوں کا ہو یا مسلمانوں کا ایسا نہ ہوتا تھا جس میں وہ شریک نہ ہوتے ہوں اور کھیل بھی ہر قسم کے کھیلتے تھے کنکوا بھی اڑاتے تھے شطرنج بھی کھیلتے تھے مگر باوجود اس آزادی کے بزرگوں کا ادب اور لحاظ اتنا تھا کہ تینگ اڑ رہے ہیں اور پیچ لڑ رہے ہیں مخالف کے تینگ کاٹنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ اتنے میں شاہ عبدالقادر صاحب حجرہ سے نکلے اور آواز دی اسمٰعیل۔ یہ آواز سنتے ہی فوراً جواب دیتے حضور۔ اور تینگ کو اسی حالت میں چھوڑ کر چلے آتے۔

۱۳۱

حاشیہ حکایت (۱۲۳) قولہ چھوڑ کر چلے آتے **اقول** یہی ادب رہبر ہو جاتا ہے طریق حق کا (**شت**)

(۱۲۴) خانصاحب نے فرمایا کہ یہ قصہ میں نے مولانا نانوتوی صاحب مولانا عبدالقیوم صاحب اور دوسرے بہت سے لوگوں سے سنا ہے کہ ایک روز مولانا شہید ہندؤوں کے کسی میلہ میں گئے۔ سید صاحب اس زمانہ میں ان سے پڑھتے تھے وہ بھی ان کے ساتھ گئے جب یہ دونوں میلے میں پہونچے سید صاحب پر ایک جوش سوار ہوا اور نہایت غصہ آیا اور تیز لہجہ میں مولانا شہید سے فرمایا کہ آپ نے کس لئے پڑھا تھا۔ کیا سواد کفار بڑھانے کے لئے۔ آپ کو معلوم ہے کہ آپ اسوقت کہاں ہیں۔ آپ غور فرمائیں کہ ایک عالم اور شاہ عبدالعزیز صاحب اور شاہ عبدالقادر صاحب کا بھتیجا۔ کفار کے میلہ کی رونق بڑھاتے کس قدر شرم کی بات ہے۔ مولانا پر اس کا ایک خاص اثر ہوا اور انہوں نے فرمایا

کہ سید صاحب آپ نہایت بجا فرماتے ہیں واقعی میری غلطی ہے اور یہ فرماکر فوراً لوٹ آئے اور پھر کبھی کسی میلہ میں نہیں گئے۔

حاشیہ حکایت (۱۲۴) قولہ سید صاحب آپ نہایت بجا اقول شاگرد کی نصیحت کو پھر تیز لہجہ میں قبول کرلینا اور عمل کرنا کس قدر مجاہدہ عظیمہ ہے (رشت)

(۱۲۵) خانصاحب نے فرمایا کہ یہ قصہ میں نے مولانا نانوتوی سے سُنا ہے۔ کہ سید صاحب جب سہارنپور تشریف لائے تو یونہی کی مسجد کی طرف کو نکلے اس زمانہ میں شاہ عبدالرحیم صاحب ولایتی رحمۃ اللہ علیہ اس مسجد میں رہتے تھے جب آپ مسجد کے نیچے تشریف لائے تو آپ نے فرمایا کہ کیا اس مسجد میں کوئی بزرگ رہتے ہیں ہمراہیوں نے عرض کیا کہ ہاں حضور ایک بزرگ رہتے ہیں سید صاحب یہ سنکر مسجد میں تشریف لے گئے اور حجرہ میں جاکر کواڑ لگالئے۔ جب باہر نکلے تو سید صاحب ہنستے ہوئے نکلے اور شاہ عبدالرحیم صاحب روتے ہوئے نکلے اسی قسم کے دو جلسے یا تین اور ہوتے کہ سید صاحب ہنستے ہوتے اور شاہ عبدالرحیم صاحب روتے ہوئے نکلے۔ چوتھے یا پانچویں جلسہ میں سید صاحب اپنی حالت پر نکلے اور شاہ صاحب روتے ہوتے اسکے بعد شاہ عبدالرحیم صاحب سید صاحب سے بیعت ہوتے یہ قصہ بیان فرماکر مولانا نانوتوی نے فرمایا کہ اول کے جلسوں میں جو سید صاحب ہنستے ہوئے اور شاہ صاحب روتے ہوئے نکلے تو اسکی وجہ یہ تھی کہ سید صاحب کی نسبت شاہ صاحب پر غالب تھی اور شاہ صاحب کی نسبت سید صاحب پر اور آخر مرتبہ جو سید صاحب اپنی حالت پر اور شاہ صاحب روتے ہوئے نکلے تو اسکی وجہ یہ تھی کہ سید صاحب کی نسبت کو غلبہ ہوگیا تھا۔

حاشیہ حکایت (۱۲۵) قولہ سید صاحب ہنستے ہوئے اور شاہ صاحب روتے ہوئے اقول

بگوش گل چہ سخن گفتہ کہ خندان ست + بعندلیب چہ فرمودہ کہ نالان ست (رشت)

(باقی آئندہ)

(۱۲۶) خانصاحب نے فرمایا کہ مولانا نانوتوی فرماتے تھے کہ شاہ عبدالرحیم صاحب ولایتی کے ایک مرید تھے۔ جن کا نام عبداللہ خاں تھا اور قوم کے راجپوت تھے۔ اور یہ حضرت کے خاص مریدوں میں تھے۔ انکی حالت یہ تھی۔ کہ اگر کسی کے گھر میں حمل ہوتا اور وہ تعویذ لینے آتا۔ تو آپ فرمادیا کرتے تھے کہ تیرے لڑکی ہوگی یا لڑکا اور جو آپ بتلادیتے تھے وہی ہوتا تھا۔ ان عبداللہ خاں نے شاہ عبدالرحیم صاحب سے عرض کیا۔ کہ مجھے دو عصا مکشوف ہوئے ایک آپکی نسبت کا۔ اور دوسرا سید صاحب کی نسبت کا۔ آپکی نسبت کا جو عصا تھا وہ نہایت خوبصورت تھا اور سید صاحب کی نسبت کا جو عصا تھا اس درجہ خوبصورت نہ تھا اس سے میں سمجھتا ہوں کہ آپکی نسبت سید صاحب کی نسبت سے بڑھی ہوئی ہے پھر آپ ان سے کیوں بیعت ہوئے۔ آپنے فرمایا۔ کہ ممکن ہے کہ میری نسبت کسی حیثیت سے سید صاحب کی نسبت سے بڑھی ہوئی ہو۔ مگر مجھے پہلے نہ نماز پڑھنی آتی تھی اور نہ روزہ رکھنا آتا تھا۔ سید صاحب کی برکت سے نماز بھی پڑھنی آگئی اور روزہ بھی رکھنا آگیا مولانا گنگوہی اس حکایت کو یوں بیان فرماتے تھے۔ کہ عبداللہ خاں نے ایک روز شاہ عبدالرحیم صاحب سے عرض کیا کہ میں نے آپکی اور سید صاحب کی نسبتوں کی طرف توجہ کی۔ تو آپ کی نسبت میں نور اور چمک دمک معلوم ہوئی اور سید صاحب کی نسبت میں اندھیرا۔ اور یہ بات بیان فرماکر مولانا گنگوہی نے فرمایا کہ بھائی ہم تو کچھ جانتے نہیں مگر جب حاجی صاحب کے یہاں اس قصہ کا ذکر آیا تو حاجی صاحب نے فرمایا کہ سید صاحب کی نسبت میں ذات بحت کی تجلی تھی اور ذات بحت کی تجلی میں اندھیرا ہی ہوتا ہے

جملہ معترضہ (خانصاحب نے فرمایا کہ امیر شاہ نے مولانا نانوتوی سے دریافت کیا کہ حضرت جب آپ سید صاحب کو مجدد مانتے ہیں۔ تو ان کی نسبت تو سب سے اعلیٰ ہونا چاہیئے پھر ان کی نسبت کا شاہ عبدالرحیم صاحب کی نسبت سے گھٹا ہونا کیا معنی اس کے جواب میں مولانا نے فرمایا۔ کہ جس بات کے لئے مجدد آتا ہے اس میں اس سے کوئی بڑھا ہوا نہیں ہوتا۔ ہاں دوسری حیثیت سے جیسے ذکر و اشغال وغیرہ اگر اس سے کوئی بڑھ جاوے تو اس کا مضائقہ نہیں) عود الی ما قبل الجملۃ المعترضۃ

۱۳۳

اوس کے بعد خاں صاحب نے فرمایا کہ میں نے مولانا گنگوہی کی روایت اور مولانا نانوتوی کی روایت دونوں کو حاجی صاحب کی خدمت میں پیش کیا۔ حاجی صاحب نے فرمایا۔ کہ مولانا گنگوہی نے ضرور مجھ سے سنا ہوگا مگر مجھے یاد نہیں آتا اور مولانا نانوتوی کی روایت کو سنکر فرمایا۔ کہ مولانا نانوتوی کی عبداللہ خاں سے بہت دوستی تہی۔ ممکن ہے۔ کہ انہوں نے مولانا سے یہ واقعہ بیان کیا ہو۔ مگر مجھے یہ بہی یاد نہیں اوس کے بعد خانصاحب نے فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب نے بہی اس واقعہ کی نسبت ایک تقریر فرمائی تھی مگر نہ وہ تقریر بعینہ مجھے یاد رہی اور نہ اس کا ماحصل آتنا خیال آتا ہے۔ کہ آپ کی تقریر دونوں روایتوں کی مؤید تہی۔ مخالف نہ تہی۔

حاشیہ حکایت (۱۳۶) قولہ اندھیرا **اقول** اسکو ظلمت نہ سمجھا جاوے یہ بہی نور ہے جیسے آنکھہ کی تپلی نور محض ہے اور سیاہ ہے اور یہ تجلی بہی عین نہیں ہوتی مثال ہوتی ہے جسکو ذات سے خاص مشابہت ہے کہ اسمیں وصف غلبہ علی جمیع الالوان ہے اور ذات میں وصف غلبہ علی جمیع الاکوان چنانچہ ہر رنگ کی بوتل اپنے مظروف کے لون سے متغیر ہو جاتی ہے مگر سیاہ بوتل کسی لون سے متغیر نہیں ہوتی واللہ اعلم (اشت)

(۱۲۷) خانصاحب نے فرمایا کہ شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری فرماتے تھے کہ شاہ عبدالرحیم صاحب ولائتی سے جو لوگ ان کے سید صاحب سے بیعت ہونے کے بعد بیعت ہوئے اون کی حالت نہایت اچھی تھی۔ اور ان پر اتباع سنت نہایت غالب تہا۔ اور جو لوگ سید صاحب کی بیعت سے پہلے بیعت ہوئے تھے۔ اون کی حالت اس درجہ کی نہ تہی نیز مولانا رائپوری نے فرمایا۔ کہ جب شاہ عبدالرحیم صاحب سید صاحب سے بیعت ہو چکے تو اوس کے بعد وہ ساڈھورہ تشریف لے گئے۔ اور وہاں تشریف لیجا کر اپنے سابق پیر کے خدام کو نیز قصبہ کے تمام عوام وخواص کو بلا کر ایک جلسہ کیا اور اس جلسہ میں آپ نے فرمایا۔ کہ میرے پیر کا عرس گو پہلے بہی ہوتا تہا مگر ترقی اوسے میں نے دی تہی۔ اور موجودہ حالت اوس کی میری کوشش سے ہوئی ہے اب اللہ تعالیٰ نے مجھے ہدایت دی ہے اور میری سمجھ میں اسکی برائی آگئی۔ اس لئے میں آپ صاحبان سے

۱۳۴

درخواست کرتا ہوں کہ اس عرس کو موقوف کردیا جاوے شاہ عبدالرحیم صاحب کے پیر کے دو صاحبزادے تھے۔ اونھوں نے برسر جلسہ کہا کہ یہ حاجی نہیں پاجی ہے۔ اسکی کوئی نہ سنو یہ سنکر سب اُٹھہ کھڑے ہوئے اور سب چلے گئے۔ مگر عبداللہ خاں جن کا ذکر نمبر سابق میں آیا ہے نہیں اُٹھے اور یہ بیٹھے رہے۔ شاہ صاحب نے تھوڑی دیر میں فرمایا۔ کہ میاں عبداللہ خاں سب چلے گئے تم کیوں بیٹھے ہو تم بھی چلے جاؤ۔ اسپر عبداللہ خاں نے عرض کیا کہ حضرت اگر یہ آپ کے پیر قبر میں سے اُٹھہ کر کہیں گے کہ اُٹھہ جائیں تب بھی اُٹھوں گا اور پیر تو پیر اگر ان کے پیر بھی کہیں گے تب بھی نہ اُٹھونگا اور اسی طرح بہت دُور ترقی کرتے چلے گئے غرض اُنھوں نے کہا۔ کہ میں کسیطرح آپ کو نہ چھوڑوں گا۔

حاشیہ حکایت (۱۲۷) قولہ ساڈھورے الخ **اقول** غالباً ڈھول ہوا ہی امروہہ ہوگا۔ اون کے پیر سابق کا مزار امروہہ ہی میں ہے **قولہ** اگر یہ آپ کے پیر بھی **اقول** یہ مسلہ ہے قوم کے نزدیک کہ شیخ کے مقابلہ میں شیخ الشیخ کی اطاعت نہیں ہے ہاں اوس کا معاملہ خود اس شیخ کے ساتھہ ہے **(شت)**

135

(۱۲۸) خانصاحب نے فرمایا۔ کہ جب سید صاحب جہاد کو تشریف لیجاتے ہوئے پہلت پہونچے ہیں تو وہاں سے روانگی میں مولوی عبدالحی صاحب اور ان کے والد بھی مشایعت میں تھے۔ اور مولوی عبدالحی صاحب کے والد نے مولوی صاحب کو جہاد کے لیے جانے کی اجازت نہ دی تھی جب پہلت سے ایک میل نکل کر سید صاحب نے مشایعت کرنے والوں کو رخصت کیا۔ تو مولوی عبدالحی صاحب سے بھی فرمایا۔ کہ مولانا آپکے والد صاحب کی اجازت نہیں ہے۔ آپ بھی رخصت ہو لیجئے۔ غرض سید صاحب نے اونکو رخصت کیا۔ اور رخصت کر کے آپ تشریف لے چلے جب آپ تشریف لے چلے۔ تو مولوی صاحب بیتاب ہو گئے اور یہ کہہ کر کہ ہائے سید صاحب ہمے چھوڑ گئے۔ سر پر ناک ڈالنی شروع کی۔ اور زمین پر لوٹنے لگے جب ان کے والد صاحب نے ان کا یہ اضطراب دیکھا۔ تو مجبوراً ان کو اجازت دینی پڑی جب ان کے والد نے اجازت دیدی۔ تو وہ بھاگے۔ اور بھاگ کر سید صاحب سے

جا ملے۔ یہ قصہ میں نے مولوی عبد القیوم صاحب سے سنا ہے۔

حاشیہ حکایت (۱۲۸) قولہ آپ کے والد صاحب کی اجازت نہیں الخ اقول غیر واجبات میں والد کی اطاعت مقدم ہے۔ شیخ کی اطاعت پر اور شیخ کامل بھی اسی ترتیب کا حکم دیتا ہے (**شت**)

(۱۲۹) خانصاحب نے فرمایا۔ کہ مولانا گنگوہی اور مولوی عبد القیوم صاحب نے فرمایا۔ کہ سید صاحب فرمایا کرتے تھے کہ جب کبھی دینی معاملہ میں مولوی عبد الحی صاحب کو غصہ آتا ہے۔ تو اسوقت انوار الٰہیہ کی بارش ہوتی ہے اور جب کبھی مولوی صاحب کو غصہ آتا تھا۔ تو سید صاحب مولوی صاحب کے پیچھے کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔ اوس کے بعد فرمایا کہ مولوی عبد الحی صاحب سید صاحب کے لشکر میں قاضی تھے اور مقدمات کا فیصل کرنا اور عاملوں کا مقرر کرنا آپ کے متعلق تھا۔ ایک مرتبہ کسی ولایتی نے کسی ہندوستانی کے تھپڑ مار دیا اوس نے مولوی صاحب کے یہاں نالش کی مولوی صاحب نے فیصلہ کیا کہ مدعی مدعا علیہ کے تھپڑ مارے۔ مگر اس ولایتی مدعا علیہ نے اس فیصلہ کو منظور نہ کیا۔ اسپر مولوی صاحب کو نہایت غصہ آیا۔ اور جوش غیظ میں کھڑے ہو گئے۔ سید صاحب حسب عادت آپ کے پیچھے کھڑے تھے جب آپ نے یہ رنگ دیکھا۔ تو آپ نے خیال کیا۔ کہ مبادا بات بڑھ جائے اور ولایتی لوگ بگڑ جائیں۔ اور جہاد کا معاملہ مختل ہو جاوے۔ اور یہ خیال کر کے مدعی کو اشارے سے بلایا۔ اور بلا کر اوس سے کہا کہ تو مولوی صاحب سے کہدے کہ میں نے خدا کے واسطے اپنا حق اپنے مسلمان بھائی کو معاف کیا۔ اوس نے مولوی صاحب سے کہدیا۔ اوسکے کہتے ہی مولوی صاحب کا غصہ بالکل فرو ہو گیا اور ایسے ہو گئے جیسا کہ غصہ آیا ہی تھا نہ

حاشیہ حکایت (۱۲۹) قولہ انوار الٰہیہ الخ اقول غضب للّٰہ میں انوار ہوتے ہیں۔ اور حدیث میں جو غضب کو مفسد ایمان فرمایا ہے وہ غضب للنفس ہے (**شت**)

(باقی آیندہ)

(۱۳۰) خانصاحب نے فرمایا کہ سفر حج میں یا جہاد میں مولوی عبدالحی صاحب کی بیوی انکے ساتھ تھیں۔ اور دوسرے لوگون کی بیویان بھی اُنکے ساتھ تھیں ایک مقام پر پردہ کا انتظام کرکے اُنھون نے اپنی بیوی کو اتارا۔ اور اس سے نماز پڑھوائی۔ اورساتھیون سے فرمایا کہ صاحبو دیکھ لو عبدالحی کی بیوی نماز پڑھ رہی ہے اسپر اور لوگون نے بھی اپنی اپنی بیویون سے نماز پڑھوائی۔

حاشیہ حکایت (۱۳۰) قولہ دیکھ لیا اقول میں نے کسی سے سُنا ہے کہ وہ برقع میں تھیں یہ لفظ دیکھ لو بھی اسپر دال ہے مطلب یہ تھا کہ عرفی پردہ ایسے نہیں ہے شرعی پردہ کافی ہے کیونکہ پہلی میں نماز کی کوئی صورت نہیں قیام ممکن نہیں اور قعود جائز نہیں (**ش ت**)

(۱۳۱) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی عبدالحی صاحب جہاد مین شہید نہیں ہوئے۔ بلکہ اپنی موت سے انتقال فرمایا ہے۔ جب ان کا انتقال ہونے لگا ہے تو انھوں نے سید صاحب سے عرض کیا کہ سید صاحب شہادت تو میری قسمت میں نہ ہوئی اب اتنی تمنا ہے کہ آپ اپنا قدم مبارک میرے سینہ پر رکھدیجئے کہ اسی حالت میں میری جان نکل جاوے سید صاحب نے فرمایا کہ میرا پاؤن اس قابل کہان ہے کہ آپ کے سینہ پر ہو اور آپ نے انکی تسلی کیلئے اپنا ہاتھ انکے سینہ پر رکھدیا اور اسی حالت میں اُنکا انتقال ہوگیا۔

۱۳۷

حاشیہ حکایت (۱۳۱) قولہ اپنا قدم مبارک اقول کیا انتہا ہے عقیدت کی اور اس عقیدت پر جب اظہار حق کا وقت ہوتا تھا تو خود سید صاحب ان کا بیحد ادب فرماتے تھے چنانچہ حکایت (۱۲۹) میں گذرا ہے کہ مولوی صاحب کے غصہ کے وقت سید صاحب انکے پیچھے چھپ جاتے تھے۔ ؎

وندیدے چنین شہریارے جہان ✤ جہان چون نگیرد قرارے جہان (**ش ت**)

(۱۳۲) خانصاحب نے فرمایا کہ غدر میں بہت علماء مخالف تھے اور کہتے تھے کہ یہ جہاد نہیں ہے اُنہی میں میر محبوب علی صاحب بھی تھے۔ اور آپ وعظ ونصیحت کے ذریعہ سے لوگون کو غدر سے روکتے تھے جب غدر فرو ہوا تو انگریزون کی طرف سے

انکو گیارہ گاؤں سلم انعام میں دئے گئے تھے اور ایک بڑا انگریز گاؤں کی معافی کا پروانہ لیکر خود مولوی صاحب کی خدمت میں پہونچا اور کہا کہ گورنمنٹ نے آپکی وفاداری کے صلہ میں آپ کو گیارہ گاؤں عطا کئے ہیں اور یہ پروانہ معافی ہے مولوی صاحب یہ سنکر نہایت برہم ہوئے اور پروانہ لیکر اس انگریز کے سامنے پھاڑ ڈالا اور فرمایا کہ میں نے کیا تمہارے لئے کیا تھا میرے نزدیک مسئلہ یوں ہی تھا اسلئے میں لوگوں کو منع کرتا تھا۔

حاشیہ حکایت (۳۲۱) قولہ کیا تمہارے لئے کیا تھا اقول مگر اسکے قبل تو کم فہموں کو ضرور ہی ایسی بدگمانی ہوئی ہوگی جسکا غلط ہونا ثابت ہوا۔ اس سے سبق حاصل ہوا کہ محض قرائن تخمینیہ سے کسی پر کوئی حکم نہ لگا دینا چاہیئے جیسا اس زمانہ میں بھی اسکے نظائر میں ایسے ہی بدگمانی کا ترور ہو چکا ہے اللہ تعالےٰ معاف فرماوے (ش)

(۳۲۲) خانصاحب نے فرمایا کہ مرزا سریا جاہ بیان فرماتے تھے۔ کہ اکبر شاہ بادشاہ دہلی کی بہن تھیں جنکو بی چھکو کہتے تھے یہ اکبر شاہ سے بہت بڑی تھیں اور انھوں نے اکبر شاہ کو گود میں کھلایا تھا۔ اسلئے بادشاہ بھی ان کا ادب کرتے تھے اور تمام شاہزادے اور شاہزادیاں بھی ان کو بڑا مانتے تھے۔ غرض تمام اہل قلعہ ان سے دبتے تھے اور یہ کوسنے اور گالیاں بہت دیتی تھیں ایک مرتبہ چند شہزادوں اور چند شہدوں نے مشورہ کیا کہ ایک روز بھرے مجمع میں بی چھکو سے مولوی اسمٰعیل کو گالیاں دلوانی چاہئیں اور اسکے لئے تدبیر یہ کیگئی کہ ان شہزادوں نے ایک دعوتی جلسہ تجویز کیا۔ جس میں بی چھکو کو بھی مدعو کیا اور مولانا شہید کو بھی اور جو شہزادے اور شہدے اچھے ہم مذاق تھے ان کی بھی دعوت کی گئی۔ اور جو شہزادے وغیرہ اسکے ہم مذاق نہ تھے انکو مدعو نہیں کیا گیا۔ اور اس عرصہ میں یہ کارروائی کی گئی۔ کہ مولانا شہید کی طرف سے بی چھکو کو خوب بھر دیا گیا کہ اسمٰعیل بی بی کی صحنک کو منع کرتا ہے اور میران کے بکرے کو نا جائز کہتا ہے فلاں کے روٹ کو منع کرتا ہے فلاں کے [illegible] کو شیخ عبدالقادر کی گیارہویں کو منع کرتا ہے اور یہ کرتا ہے وہ کرتا ہے جب خوب اچھی طرح بی چھکو کے کان بھر دئے تو جلسہ منعقد کیا گیا۔ سب لوگ جلسہ میں آگئے اور بی چھکو بھی آئیں مگر یہ پردہ میں تھیں اتفاق سے مولوی اسمٰعیل صاحب کو ذرا دیر ہو گئی اسپر اور

انکو موقع ملا۔ اور انھوں نے جھکو سے کہا کہ دیکھئے یہ شخص کتنا مغرور ہے کہ ابتک نہیں آیا۔ اسپر وہ اور بھی برہم ہوگئیں۔ غرض جب مولانا شہید جلسہ میں پہونچے ہیں اسوقت یار لوگ بی جھکو کو خوب برہم کر چکے تھے انکے پہونچنے پر بی جھکو نے غصہ کی آواز سے پوچھا کہ عبدالعزیز کا بھتیجا اسمٰعیل آگیا۔ مولانا جلسہ کا رنگ دیکھکر تاڑ گئے تھے کہ آج ضرور کوئی شرارت کیگئی ہے آپ نے اسکا تو کچھ جواب نہیں دیا اور فرمایا اخایہ آواز تو جھکو اماں کی معلوم ہوتی ہے اماں سلام۔ جب انھوں نے اس انداز سے گفتگو کی تو بی جھکو کا غصہ سب کافور ہوگیا اور انھوں نے بڑوں کے قاعدے سے انکے سلام کا جواب دیا اور ادھر اُدھر کی دو چار باتیں کرکے کہا کہ اسمٰعیل ہم نے سُنا ہے کہ تم بی بی کی صحنک کو منع کرتے ہو مولانا نے فرمایا کہ اماں میں منع نہیں کرتا بھلا میری کیا مجال ہے کہ میں بی بی کی صحنک کو منع کروں۔ انھوں نے کہا کہ لوگ کہتے ہیں۔ مولانا نے فرمایا کہ جو کوئی کہتا ہے غلط کہتا ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ بی بی کے ابا جان منع کرتے ہیں میں لوگوں کو بی بی کے ابا جان کا حکم سُناتا ہوں اسپر بی جھکو نے حیرت کے لہجہ میں فرمایا کہ بی بی کے ابا منع کرتے ہیں۔ مولانا نے فرمایا جی ہاں

۱۳۹

چنانچہ وہ فرماتے ہیں من احدث فی دیننا ھذا ما لیس منہ فھو رد۔ اور حدیث کو پڑھکر اسکی تفصیل فرمائی اور اس سے صحنک کی ممانعت ثابت فرمائی۔ بی جھکو نے جو یہ تقریر سُنی تو مان گئیں اور کہا کہ اب سے اگر کوئی کرے گی تو اس حرامزادی کی ناک چٹیا کاٹ لونگی ہم بی بی پر ایمان نہیں لائے۔ ہم تو بی بی کے ابا پر ایمان لائے ہیں جب وہی منع کرتے ہیں تو پھر ہم کیوں کریں۔

حاشیہ حکایت (۱۳۳) قولہ اماں سلام **اقول** اسپر خلاف سنت کا شبہ نہ کیا جاوے قرآن مجید میں قال سلام کی جو ترکیب ہے وہ اس میں بھی ہوسکتی ہے باقی علیک کی تصریح نہ کرنا مصلحت سے ہوگا کہ جاہل مخاطب کو اس سے اور وحشت ہوتی کہ بے ادب اور متشدد ہیں (**اشرف**)

(۱۳۴) خانصاحب نے فرمایا مولوی اسمٰعیل صاحب کاندہلوی (مولوی یحیٰی صاحب کے والد) اور مولوی عبدالرحیم صاحب رانڈوں کی شادی والے بیان کرتے تھے کہ

مولوی اسمٰعیل صاحب کا قاعدہ تھا کہ جہاں کہیں کوئی میلا ہوتا خواہ ہندوؤں کا ہو یا مسلمانوں کا یا کوئی اور مجمع ہوتا جیسے ناچ کی محفل یا قوالی کی محفل تو آپ وہاں پہونچتے اور کھڑے ہو کر وعظ فرماتے اور اسکا اثر یہ ہوتا تھا کہ جہاں ناچ یا قوالی وغیرہ کی محفل ہوتی اور آپ وہاں وعظ فرماتے تو اکثر لوگ محفل کو چھوڑ کر آپکے وعظ میں آجایا کرتے تھے آپ حضرت نظام الدین اولیا میں بھی پہونچتے تھے اور وہاں بھی وعظ فرماتے تھے اور وہاں بھی یہی اثر ہونے لگا تھا جب مجاوروں نے یہ رنگ دیکھا تو ان کو سخت ناگوار ہوا اور انھوں نے مشورہ کیا کہ مولوی اسمٰعیل کو کسی طرح قتل کر دینا چاہیئے۔ اسپر ایک بڈھے نے آپکے قتل کا بیڑا اُٹھایا اور کہا کہ میں انکو قتل کردونگا غرض یہ امر طے پا گیا ایک روز مولانا شہید جامع مسجد کے نیچ کے در میں وعظ فرما رہے تھے کہ اس بڈھے نے مولانا پر تلوار کا وار کیا۔ سو مولانا تو بچ گئے۔ مگر وہ تلوار انکے ایک دوست کے لگی اور انکا شانہ زخمی ہو گیا (خانصاحب نے فرمایا کہ راویوں نے ان دوست کا نام بھی لیا تھا مگر مجھے یاد نہیں رہا) اسپر مولانا کے دوست اس بڈھے کو لپٹ گئے اور تھپڑ وغیرہ مارے۔ مولانا نے اس بڈھے کو چھڑا دیا۔ اور کوئی مقدمہ نہیں چلایا۔

حاشیہ حکایت (۱۳۴) قولہ حیلولۃ بین المظلوم والانتقام کا شبہ نہ کیا جاوے کیونکہ یہ انتقام اپنے مظلومیت کا نہ تھا مولانا کے ساتھ تھا اور یہ تیقن تھا کہ مولانا کے خلاف وہ دوست نہ کرینگے **(اشرف)**

(۱۳۵) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی عبدالقیوم صاحب فرماتے تھے شاہزادہ جانباز کا سانپ کی صورت میں قتل کرنا وہاسکے بعد قاضی جنابِ عبداللہ میں بحیثیت مہمانی پیش ہونا اور قاضی کا حدیث من قتل فی غیر فیہ فلا مہدولہ کی بناء پر مجرم کو رہا کرنا یہ شاہ ولی اللہ صاحب کو پیش آیا تھا نہ کہ شاہ اہل اللہ صاحب کو اور انھوں نے اس روایت کے علاوہ اس جن سے اور حدیثیں بھی سُنی ہیں جنکو شاہ صاحب نے جمع کر کے اُسکا نام مسند جن رکھا ہے اور مولانا عبدالقیوم صاحب یہ بھی فرماتے تھے کہ میں نے وہ مسند دیکھا بھی ہے۔

اسکے بعد خانصاحب نے فرمایا کہ مولانا گنگوہی اس قصہ کو بروایت شاہ عبدالغنی صاحب شاہ اہل اللہ صاحب کی طرف منسوب کرتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ یہ قصہ شاہ اہل اللہ صاحب کا ہے نہ کہ شاہ ولی اللہ صاحب کا۔ میں نے اس معاملہ میں مولانا سے گفتگو بھی کی مگر مولانا اپنی رائے پر قائم رہے واللہ اعلم۔

حاشیہ حکایت (۱۳۵) قولہ مولانا اپنی رائے پر قائم رہے اقول مولانا کا قول اسلئے راجح ہے کہ اسکی سند معلوم ہے چنانچہ احقر کے رسالہ زیادات میں مذکور ہے اور دوسرے قول کی سند معلوم نہیں پس ترجیح ظاہر ہے (**شت**)

(۱۳۶) خانصاحب نے فرمایا کہ میرے استاد میانجی محمدی صاحب فرماتے تھے۔ کہ شاہ رفیع الدین صاحب اور شاہ عبدالعزیز صاحب کے درمیان جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنے کے متعلق اختلاف تہا۔ شاہ عبدالعزیز صاحب تو یہ فرماتے تھے کہ اگر کوئی شخص خواب میں دیکھے اور دل گواہی دیدے کہ آپ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں تو خواہ کسی شکل میں دیکھے اس نے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہی کو دیکھا۔ اور شاہ رفیع الدین صاحب یہ فرماتے تھے کہ جو صورت آپکی واقعی تھی اگر اسمیں بال برابر بھی تفاوت ہو تو اس نے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا مثلاً اگر آپکے بیس بال سفید تھے اور دیکھنے والے نے اکیس دیکھے تو اس نے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا اور اسکی دلیل یہ بیان فرماتے تھے کہ اگر صحابہ کے زمانہ میں کوئی شخص جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنے کا دعوی کرتا تو صحابہ اس سے حلیہ دریافت کرتے اور بغیر اسکے تصدیق نہ کرتے۔ اور اس بارہ میں دونوں بھائیوں میں تحریریں ہوئی ہیں لیکن زبانی گفتگو کبھی نہیں ہوئی۔ بلکہ اگر کسی وجہ سے مجلس میں اسکا تذکرہ بھی چھڑ گیا اور شاہ عبدالعزیز صاحب اس مسئلہ پر تقریر فرمانے لگے تو شاہ رفیع الدین صاحب بالکل خاموش سنتے رہتے تھے اور اصلا نہ بولتے تھے (خانصاحب نے فرمایا کہ کسی نے شاہ رفیع الدین صاحب سے کہا کہ آپ شاہ صاحب سے تحریری گفتگو کرتے ہین ایک دفعہ دونون بیٹھ کر زبانی گفتگو کیون نہیں کر لیتے تو شاہ رفیع الدین صاحب نے فرمایا کہ یہ سب کچھ سہی لیکن میرے پاس میاؤن کا

۱۴۱

جواب نہیں اگر شاہ صاحب نے یوں فرمایا کہ میں یوں کہتا ہوں تو میرے پاس اسکا جواب نہیں ہے یہ فرما کر خانصاحب نے فرمایا کہ یہ بات زبانی گفتگو کے متعلق سوال کرنے کی مجھے یاد نہیں کہ میں نے کس سے سُنی ہے) خانصاحب نے فرمایا کہ میانجی صاحب یہ بھی فرماتے تھے کہ شاہ اسحٰق صاحب کا اس مسئلہ میں ایک تیسرا مسلک تھا۔ وہ یہ فرماتے تھے کہ اگر دیکھنے والے نے آپ کو اس زمانہ کے اتقیاء کی وضع میں دیکھا ہے تو اس نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے اور اگر اس وضع کے خلاف وضع میں دیکھا ہے تو نہیں دیکھا۔

حاشیہ حکایت (۱۳۶) قولہ صحابہ اُس سے حلیہ **اقول** اسکا یہ جواب ہوسکتا ہے کہ خاص ان صحابہ کا بھی مسلک ہوگا سب سے ایسا سوال منقول نہیں پاس زمانہ کی استعداد کا یہی مقتضا ہو کہ تمثل بعید نہ ہوتا ہو تو اس سے ضعیف الاستعداد کیلئے تمثل بعید کا بطلان لازم نہیں آتا (**شت**)

(۱۳۷) خانصاحب نے فرمایا کہ مولانا گنگوہی فرماتے تھے کہ شاہ غلام علی صاحب جب ابتدا میں دہلی آئے ہیں تو جامع مسجد میں شرقی دروازہ کے اوپر شمالی سہ دری میں ٹھیرے۔ کئی وقت ہوگئے۔ مگر کسی نے کھانے کو نہ پوچھا اور یہ فاقہ سے رہے۔ کئی وقت کے بعد ایک شخص ایک بڑی قاب میں مرغ کی بریانی لایا اور شاہ غلام علی صاحب کو مسافر سمجھکر دیدی اسوقت کا دستور تھا کہ برتن واپس نہ لیتے تھے اسلئے اس نے قاب بھی واپس نہ لی۔ جب انھوں نے کھانا کھایا تو کچھ کھانا بچ رہا۔ انکو خیال ہوا کہ اسکو رکھ دیا جاوے۔ دوسرے وقت کام آوے گا۔ یہ خیال کرکے انھوں نے رکھنے کے لئے ہاتھ بڑھایا اور رکھنا ہی چاہتے تھے کہ معاً ان کو خیال ہوا کہ رکھنا نہیں چاہیئے بلکہ کسی اور حاجتمند کو دیدینا چاہیئے جس خدا نے اسوقت دیا ہے وہ دوسرے وقت بھی دیگا یہ خیال کرکے وہ نیچے اترے اور دروازہ سے باہر کسی حاجتمند کو دینے کے لئے گئے۔ جب یہ دروازہ سے نکلے ہیں تو ایک مجذوب نے انکی طرف مخاطب ہوکر کہا خوب سمجھا بے سالے یہ ٹھہری تھی کہ اگر یہ صرف قاب کو ٹیک دے تو سالے کو بھوکا مار ڈالو۔

حاشیہ حکایت (۱۳۷) قولہ یہ ٹھہری تھی **اقول** ہر ایک کے ساتھ جدا

معاملہ ہے اس سے ادخار کا منافی توکل ہونا لازم نہیں آتا (**تشت**)

(۱۳۸) خانصاحب نے فرمایا کہ مولانا گنگوہی فرماتے تھے کہ شاہ غلام علی صاحب بہت کریم النفس تھے لوگ انکی کتابیں چرا کر یا مانگ کر لیجاتے۔ اور پھر ان ہی کے ہاتھ بیچنے کے لئے آتے کتابوں کا وارد غہ دیکھتا اور کہتا کہ حضور یہ کتاب تو آپ ہی کی ہے دیکھئے اسپر آپ کا بھی نام لکھا ہوا ہے اور میرا بھی آپ فرماتے کیا دنیا میں میرے اور تیرے نام کا کوئی اور شخص ہے ہی نہیں۔ نہیں ہماری کتاب نہین ہے اسکی ہے مسلمان جھوٹ نہیں بولا کرتے۔ اور وہ کتاب اسکو دیدیتے اور اگر ضرورت سمجھتے تو قیمت دیکر لے لیتے۔

حاشیہ حکایت (۱۳۸) قولہ کیا دنیا میں **اقول** یہ ہے علم وعمل لاتقف مالیس لک بہ علم کا (**تشت**)

(۱۳۹) خانصاحب نے فرمایا کہ شاہ غلام علی صاحب شاہ رفیع الدین صاحب کے شاگرد تھے اور شاہ عبدالعزیز صاحب سے بھی کچھ پڑھا تھا۔ جب شاہ عبدالعزیز صاحب سے کچھ عرض معروض کرنی ہوتی تو عرضی لکھا کرتے تھے۔

۱۴۳

حاشیہ حکایت (۱۳۹) قولہ عرضی لکھا کرتے تھے **اقول** ادب کا یہ بھی ایک رنگ تھا دوسرا رنگ عرضی کو حجاب سمجھکر زبان سے عرض کرنا ہے۔ ہر گلے را رنگ و بوئے دیگرست (**تشت**)

(۱۴۰) خانصاحب نے فرمایا۔ کہ یہ قصہ مین نے اپنے کسی بزرگ سے نہیں سنا۔ صرف دیوان اللہ دیے سے سنا ہے وہ بیان کرتے تھے کہ مرزا جان جانان رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ جامع مسجد میں جب جمعہ کی نماز کے لئے تشریف لاتے تو جنوبی دروازہ سے داخل ہوتے اور جب نماز سے فارغ ہوکر تشریف لیجاتے تو شرقی دروازہ میں کو جاتے۔ جمعہ کی نماز کے بعد شرقی دروازہ کی شمالی سہ دری میں ایک بزرگ مصلے بچھا کر بیٹھتے تھے اور انکے سامنے ایک مٹی کا لوٹا اور اسکے اوپر ایک گھسی ہوئی اینٹ رکھی ہوتی تھی جب مرزا صاحب نماز سے فارغ ہوکر تشریف لاتے تو ان بزرگ کے لاتیں مارتے اور برا بھلا کہتے اور انکے نیچے سے مصلے نکال کر پھینکدیتے۔ لوٹا اٹھا کر توڑ دیتے اور اینٹ کو بھی اٹھا کر پھینکدیتے اور یہ

کرکے روانہ ہوجاتے لوگ اس حرکت کو دیکھکر اور مرزا صاحب کی شان کے خلاف سمجھکر اسپر تعجب کرتے مگر دریافت کرنیکی کسی کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ کسی خاص شخص نے جرآت کرکے دریافت کیا کہ حضرت یہ کون بزرگ ہیں اور آپ انکے ساتھ یہ برتاؤ کیون کیا کرتے ہیں۔ مرزا صاحب نے فرمایا کہ اس کا واقعہ یہ ہے کہ جب ہم لڑکے تھے تو ہماری شکل صورت اچھی تھی ہمارے چاہنے والے ہمارے پاس آیا کرتے تھے یہ بھی ہمارے چاہنے والون میں سے تھے اور یہ بھی ہمارے پاس آیا کرتے تھے۔ اسوقت انکے ساتھ یون ہی ہاتھا پائی ہوا کرتی تھی جون جون ہم جوان ہوتے گئے۔ ہمارے چاہنے والے رخصت ہوتے گئے مگر صرف ایک یہ شخص تھا جو برابر آتا رہا اب خدا نے ہمیں ہدایت کی اور ہم سلوک کی طرف متوجہ ہوئے اور خدا کے فضل سے صاحب اجازت ہوئے۔ ایک روز ذہین خیال ہوا کہ یہ شخص باوفا دوست ہے اسکی طرف توجہ کرنی چاہیئے میں نے جو اسکی طرف توجہ کی تو میں اسکے عکس ہی میں دب گیا اور میں نے اسکو اپنے سے بہت اونچا دیکھا اب تو میں نہایت پریشان ہوا اور میں نے اسکا نہایت ادب کیا اور اپنی جگہ اسکے لئے چھوڑی اور کہا کہ میں اس جگہ کے قابل نہیں ہون آپ میری جگہ تشریف رکھیں اور میں آپ کی جگہ مگر اس نے نہ مانا میں نے نہایت اصرار کیا مگر اس نے میرے اصرار پر بھی نہ مانا اور کہا کہ تمہیں میرے ساتھ وہی برتاؤ کرنا ہوگا جو اب تک کرتے رہے ہو اسکو میں نے نہ مانا اسپر انھون نے میری تمام کیفیت صلب کرلی اور میں کورا رہ گیا اب میں بہت پریشان ہوا اور میں نے کہا کہ میری کیفیت دیدو اسپر اس نے کہا کہ اس شرط سے واپس کرتا ہوں کہ وعدہ کرو کہ مجھ سے ہمیشہ وہی برتاؤ کرتے رہو گے جو اب تک کرتے رہے ہو اور یہان نہیں بلکہ جامع مسجد میں سب لوگوں کے سامنے ؎

لگتی ہیں گالیاں بھی ترے منہ سے کیا بھلی + قربان تیرے پھر مجھے کہدے اسیطرح

(یہ شعر اس جگہ خانصاحب نے اپنی طرف سے پڑھا تھا) میں نے ناچار اس کو منظور کیا اور اسی مجبوری سے میں ایسا کرتا ہوں۔ ۱۴۸

حاشیہ حکایت (۱۴۸) قولہ ہمارے چاہنے والوں میں تھے **اقول** انکی محبت نفسانی نہ تھی ورنہ سب کے ساتھ یہ بھی رخصت ہوجاتے۔

(باقی آئندہ)

قولہ کیفیت سلب کرلی اقول اس سلب کی حقیقت جیسا احقر نے حضرت مولانا گنگوہی سے سنی ہے یہ ہے کہ معمول کے قوی اور اکیہ وعملیہ میں ایسا تصرف کیا جاتا ہے جس سے اُسمیں غباوت پیدا ہوجاتی ہے باقی کمال وقرب کو کوئی زائل نہیں کرسکتا اھ احقر کہتا ہے کہ ایسی غباوت کسی مرض یا کسی دوا وغیرہ کے غلبہ سے بھی پیدا ہوسکتی ہے اور اس سے فی نفسہ کوئی ضرر بھی نہیں گو لذت کی کمی سے قلق ہوتا ہے البتہ بواسطہ اس لئے گاہے مضر ہوجاتا ہے کہ وہ سبب ہوجاتا ہے نشاط کی کمی کا اور وہ مفضی ہوجاتی ہے تقلیل فی الاعمال کی طرف اسی لئے جہاں ایسا احتمال ہو وہاں یہ تصرف حرام ہے اور جہاں کیفیات نفسانیہ کا غلبہ مخل ہو ضروریات واجبہ دنیویہ یا دینیہ میں وہاں یہ تصرف طاعت ہے اور جہاں محض مصلحت مباحہ ہو وہاں مباح ہے جیسا اس قصہ میں ہوا (ش ت)

(۱۴۱) خانصاحب نے فرمایا کہ مرزا جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ شاہی خاندان سے تھے اور عالمگیر کے خالہ زاد بھائی تھے انکے والد کا نام مرزا جانی تھا اور مرزا صاحب کا نام جان جاناں عالمگیر نے رکھا تھا انکی شہادت کا واقعہ یہ ہے کہ دہلی میں نجف خان رافضی کا تسلط تھا اور رافضی اُسوقت زور شور پر تھے اتفاق سے دو رافضی مرزا صاحب کی خدمت میں آئے اور کہا کہ آپ شیخین کی نسبت کیا کہتے ہیں۔ مرزا صاحب نے فرمایا میرا کیا منہ ہے کہ میں انکی نسبت کچھ کہہ سکوں انکی نسبت تو خدا فرماتا ہے والسابقون الاولون الخ اسپر انھوں نے کہا کہ وہ نزول آیت کے وقت بیشک ایسے ہی تھے اسلئے خدا نے ایسا فرمادیا۔ اور بعد کو انکی حالت بدل گئی اور اس معاملہ میں خدا کو بدا ہوا ہے اسپر مرزا صاحب نے فرمایا کہ ایسے احمق خدا کو میں نہیں مانتا جسکو یہ بھی خبر نہ ہو کہ شیخین نعوذ باللہ مرتد ہوجاوینگے اور وہ ان کو خوشنودی کا بھی پروانہ دیدے اور ان سے جنت کا بھی وعدہ کرلے ایسا خدا رافضیوں کا خدا ہے اسپر انھوں نے بندوق ماردی جو مرزا صاحب کے سینہ میں لگی۔ بندوق ایسے انداز سے لگی کہ مرزا صاحب کا فوراً انتقال نہیں ہوا بلکہ وہ سخت زخمی ہوگئے شاہ عالم کو جب علم ہوا تو عیادت کے لئے آئے اور پوچھا کہ مرزا صاحب کیسا مزاج ہے آپ نے فرمایا کہ بندوق لگی ہے سو اسکی تو چنداں تکلیف نہیں کیونکہ یہ سینہ پہلے ہی سے چھلنی تھا۔ ہاں

بندوق چونکہ قریب سے لگی ہے اسلئے کچھ بارود اندر چلی گئی ہے اور اسکی بُو سے دماغ سخت پریشان ہے یعقوب خان خورجوی اور ابوبکر خورجوی بیان فرماتے تھے کہ مرزا صاحب نے اس حادثہ سے چار پانچ ہی روز پہلے یہ غزل لکھی تھی ؎

بلوح تربت من یا فتند از غیب تحریرے ٭ کہ این مقتول را جز بیگناہی نیست تقصیرے

اور یہ شعر آپکی تربت پر علحدہ کندہ بھی ہے

حاشیہ حکایت (۱۴۱) قولہ احق الخ **اقول** یہ بطور الزام کے فرمایا کہ تمہارے قول پر اس صلت کا مماثل ہونا لازم آتا ہے (**ش ت**)

(۱۴۲) خانصاحب نے فرمایا کہ مولانا نانوتوی جب مرض وفات میں مبتلا ہوئے تو آپ نے مولوی محمود حسن صاحب سے فرمایا کہ کہیں سے ککڑی لاؤ۔ مولوی محمود حسن صاحب فرماتے تھے کہ میں تمام کھیتوں میں پھرا مگر صرف ایک ککڑی چھوٹی سی ملی۔ اسکی خبر کسی ذریعہ سے لکھنؤ مولوی عبدالحی صاحب فرنگی محلی کو ہوگئی کہ مولانا نانوتوی کا جی ککڑی کو چاہتا ہے اسپر مولوی عبدالحیٔ صاحب نے لکھنؤ سے مولانا کی خدمت میں بذریعہ ریلوے ککڑیاں بھیجیں اور چند مرتبہ بھیجیں۔ ۱۴۰

حاشیہ حکایت (۱۴۲) قولہ کہیں سے ککڑی لاؤ۔ **اقول** اسکو منافی زہد سمجھنا تقشف خلاف سنت ہے خود احادیث میں بعض اشیاء کی رغبت کا ظاہر فرمانا حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے محققین کے نزدیک یہ اظہار احتیاج الی النعمۃ اعلےٰ درجہ کی عبدیت و محبت للمنعم ہے (**ش ت**)

(۱۴۳) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی عالم علی صاحب کو اپنے طالب علمی کے زمانہ میں ایک مرتبہ تین وقت کا فاقہ ہوا جب یہ شاہ اسحق صاحب سے سبق پڑھنے بیٹھے۔ تو انکی آواز میں کمزوری پائی گئی۔ شاہ صاحب سمجھ گئے کہ یہ بھوکے ہیں آپ فوراً مکان پر تشریف لیگئے اور وہاں سے کھانا لائے اور مولوی عالم علی صاحب کو الگ بلا کر کھانا کھلایا اور اس دن سے ان کا کھانا اپنے یہاں کر لیا۔

حاشیہ حکایت (۱۴۳) قولہ الگ بلا کر **اقول** یہ آداب عطا

میں سے ہے جب احتمال ہو معطی لہ کے شرمانے کا پھر استمرار عطا رافع خجلت ہو جاتا ہے (اشرف)

(۱۴۴) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی عبدالقیوم صاحب فرماتے تھے کہ نواب قطب الدین صاحب دف کو بھی ناجائز کہتے تھے ایک مرتبہ میری اُنکی اس بارہ میں گفتگو ہوئی اور یہ گفتگو ہمارے دروازہ میں ہوئی۔ میرے گھر میں جب معلوم ہوا کہ دف کے جواز و عدم جواز میں گفتگو ہو رہی ہے تو انھوں نے مجھ سے گھر میں بلا کر کہا کہ نواب صاحب کو گھر میں بلا لو۔ میں پردہ ہوئی جاتی ہوں۔ میں ان سے اس بارہ میں گفتگو کرونگی وہ پردہ ہو گئیں اور میں نے نواب صاحب کو گھر میں بلا لیا جب وہ گھر میں آتے تو میرے گھر میں سے نواب صاحب سے کہا کہ نواب صاحب آپ کو یاد ہوگا کہ جب میں بچی تھی تو ایک روز آپ مجھے گود میں لئے ہوئے تھے اور میرے ہاتھ میں ایک ڈھپڑی تھی (جو بچے گھڑے وغیرہ کے گھیرے پر جھلی منڈھ کر بنا لیا کرتے ہیں) اسوقت ابا جان (شاہ اسحٰق صاحب) بیمار تھے اور زمین پر ایک روئی کے گدیلے پر لیٹے ہوئے تھے آپنے مجھے اباکے پاس ہی کو بٹھا دیا اور میں وہاں بیٹھکر ڈھپڑی بجاتے لگی سو کبھی تو میں اسے زمین پر رکھکر بجاتی تھی اور کبھی ہاتھ میں لیکر۔ جب میں زمین پر رکھکر بجاتی تو ابا اسکو اٹھاکر میرے ہاتھ میں دیدیتے اور زمین پر رکھکر نہ بجانے دیتے آیا یہ واقعہ ٹھیک ہے نواب صاحب نے اسکی تصدیق کی۔ تب میرے گھر میں کہا کہ اس سے ثابت ہو کہ آپکے استاد ڈھول کو ناجائز کہتے تھے اور دف کو جائز کیونکہ جب میں اسکو زمین پر رکھدیتی تھی تو وہ دونوں طرف سے بند ہو کر ڈھول کی طرح ہو جاتی تھی اور جب میں ہاتھ میں لے لیتی تو وہ ایک طرف سے کھلکر دف ہو جاتی تھی۔ نواب صاحب انکے اس استدلال کو سُنکر خاموش ہو گئے اور کچھ جواب نہیں دیا۔

حاشیہ حکایت (۱۴۴) قولہ بند ہو کر ڈھول کی طرح **اقول** سبحان اللہ شاہ صاحب کے فعل کی حقیقت کو کیسا سمجھیں (فائدہ) یہ محقق ہو گیا کہ جواز دف کی شرط یہ ہے کہ تطریب یعنی گت سے نہ بجایا جاوے (اشرف)

(۱۴۵) خانصاحب نے فرمایا کہ مولانا گنگوہی نے فرمایا یا مولانا نانوتوی نے (اچھی طرح یاد

۱۴۷

نہیں مگر سنا انہیں میں سے کسی ایک سے ہے) کہ ایک شخص نہایت خوش گلو تھے اور نعت
وغیرہ پڑھا کرتے تھے۔ کسی نے میانجی نور محمد صاحب سے عرض کیا کہ حضرت یہ شخص خوش گلو
ہے اور نعت پڑھتا ہے آپ بھی سن لیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ لوگ مجھے کبھی کبھی امام بنا دیتے
ہیں اور غنا بلا مزامیر میں بھی علماء کا اختلاف ہے اور اسلئے اسکا سننا خلاف احتیاط
ہے لہذا میں اسکے سننے سے معذور ہوں۔

حاشیہ حکایت (۱۴۵) قولہ امام بنا دیتے ہیں **اقول** کسقدر
ادب ہے منصب امامت کا کہ اختلافات سے بھی احتیاط کی یہ تھے صوفی صافی کہ شریعت
کا اسقدر پاس فرماتے تھے (ش ت)

(۱۴۶) خانصاحب نے فرمایا کہ میانجی محمدی صاحب حکیم خادم علی صاحب شیخ
قاسم علی صاحب شیخ فیاض علی صاحب یہ چاروں ماموں پھوپھی خالہ زاد بھائی تھے۔
ان میں سے شیخ قاسم علی صاحب شاہ عبدالعزیز صاحب کے کچھ شاگرد تھے اور ان پر نہایت
فریفتہ تھے میانجی محمدی صاحب سید صاحب کے مرید اور ان پر عاشق تھے۔ حکیم
خادم علی صاحب مولوی اسمٰعیل صاحب پر دیوانہ تھے۔ شیخ فیاض علی صاحب شاہ اسحٰق
صاحب پر فریفتہ تھے۔ شیخ فیاض علی صاحب بیان فرماتے تھے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب
نے جو مسجد شاہ ولی اللہ صاحب کے مزار پر بنوائی ہے شاہ اسحٰق صاحب اسکو اچھا نہ
جانتے تھے کیونکہ وہ فرماتے تھے کہ قبرستان مین مسجد نہ بنانا چاہیئے اور استدلال
مین اس حدیث کو پیش کرتے تھے۔ جو مشکوٰۃ باب التصاویر میں اس مضمون کی مروی ہے
کہ بعض امہات المومنین نے حبشہ کے ایک گرجا کی اور اسکی تصویروں کی تعریف کی تو جناب
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اولئك اذا مات فیھم الرجل الصالح بنوا
علی قبرہ مسجدا ثم صوروا فیہ تلك الصور اولئك شرار خلق اللہ۔ متفق علیہ
اور اسی لئے اس مسجد مین کبھی نماز نہ پڑھتے تھے۔ الا نادرًا۔ ایک مرتبہ قبروں پر مسجد
بنانے کے متعلق کسی نے آپ سے پوچھا آپ نے فرمایا کہ نہ چاہیئے اس نے کہا کہ پھر
آپکے نانا نے کیون بنائی ہے تو آپ نے فرمایا کہ یہ ان سے پوچھو میرا مسلک یہی ہے۔

حاشیہ حکایت (۱۴۶) **قولہ** استدلال میں الخ **اقول** یہ محمل احوط وابعد عن الفساد ہے اور دوسرا محمل یہ ہے کہ وہ لوگ خود اہل قبور کو سجدہ کرتے تھے۔ احقر کہتا ہے کہ گو نماز خدا ہی کی پڑھی جاوے تب بھی اُس جگہ نماز پڑھنے کو قبول و برکت میں بلا دلیل دخیل سمجھتے ہیں اور توجہ الی الاولیاء۔ اور توجہ اولیاء کو اس میں موثر جانتے ہیں اور عبادت الٰہیہ میں مخلوق کی اتنی شرکت کا اعتقاد بھی خلاف دلیل ہے اور حضرات مجوزین نے حسن ظن کی وجہ سے اس احتمال کی طرف التفات نہیں فرمایا (**ش ت**)

(۱۴۷) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی عبد القیوم صاحب اور میانجی محمدی صاحب فرماتے تھے کہ شاہ عبد العزیز صاحب کا معمول تھا کہ شاہ ولی اللہ صاحب اور شاہ عبد الرحیم صاحب کے مزارات پر سال بھر میں ایک مرتبہ تشریف لیجاتے۔ آپکے متعلقین بھی آپکے ساتھ جاتے اور وہاں جا کر فاتحہ پڑھتے فاتحہ کے بعد قرآن شریف یا مثنوی کا وعظ فرماتے اور وعظ کے بعد چنے یا الائچی دانے یا اور کچھ تقسیم فرما دیتے۔ مگر شاہ اسحٰق صاحب بھی آپ کے ہمراہ جاتے لیکن جسوقت فاتحہ پڑھتے تھے تو شاہ صاحب شاہ اسحٰق صاحب سے فرماتے کہ میاں اسحٰق بیٹھو گے یا جاؤ گے۔ اسپر شاہ اسحٰق صاحب فرماتے کہ حضور جاؤنگا اور یہ کہکر واپس تشریف لے آتے۔ یہ کبھی جلسہ میں شریک نہیں ہوتے اور نہ شاہ صاحب نے اسکے عدم شرکت پر ان سے کبھی کچھ تعرض فرمایا۔ ۱۴۹

حاشیہ حکایت (۱۴۷) **قولہ** یہ کبھی جلسہ میں الخ **اقول** اختلاف مسلک اُسی اختلاف نظر سے تھا جو حکایت سابقہ کے حاشیہ میں مذکور ہوا اور شاگرد و اُستاد دونوں کا کس درجہ انصاف و حسن ظن اس سے ثابت ہوتا ہے (**ش ت**)

(۱۴۸) خانصاحب نے فرمایا کہ مولانا نانوتوی سفر حج میں تھے اس سفر میں انکا جہاز یمن کے ایک بندرگاہ پر ٹھیر گیا۔ اور مولانا کو معلوم ہوا کہ یہاں جہاز چند روز قیام کریگا چونکہ آپ کو معلوم ہوا کہ یہاں سے قریب کسی بستی میں ایک بہت معمر عالم اور محدث رہتے ہیں۔ اس لئے آپ جہاز سے اتر کر انکی خدمت میں روانہ ہوگئے جب انکی خدمت میں پہونچے اور گفتگو ہوئی۔ تو مولانا کو اُنکے شہرت علم کی تصدیق ہوگئی اور آپ نے ان سے حدیث کی سند

کی درخواست کی۔ ان عالم نے دریافت کیا کہ تم نے کس سے حدیث پڑھی ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ شاہ عبدالغنی صاحب سے۔ وہ عالم شاہ عبدالغنی صاحب کو نہ جانتے تھے اس لئے دریافت کیا کہ شاہ عبدالغنی نے کس سے پڑھی ہے مولانا نے فرمایا شاہ اسحق صاحب سے وہ شاہ اسحق صاحب سے بھی واقف نہ تھے اسلئے پوچھا کہ شاہ اسحق صاحب نے کس سے پڑھی ہے مولانا نے فرمایا کہ شاہ عبدالعزیز صاحب سے وہ شاہ عبدالعزیز صاحب سے واقف تھے جب ان کا نام سُنا تو فرمایا کہ اب میں تم کو سند دیدونگا اور یہ بھی فرمایا۔ کہ شاہ ولی اللہ طوبیٰ کا درخت ہے۔ پس جسطرح جہاں جہاں طوبیٰ کی شاخیں ہیں وہاں جنت ہے۔ اور جہاں اسکی شاخیں نہیں ہیں وہاں جنت نہیں۔ یوں ہی جہاں شاہ ولی اللہ کا سلسلہ ہے۔ وہاں جنت ہے اور جہاں ان کا سلسلہ نہیں وہاں جنت نہیں۔ اُسکے بعد انھوں نے مولانا کو حدیث کی سند دیدی۔ خانصاحب نے فرمایا کہ یہ قصہ میں نے خود مولانا نانوتوی سے سنا ہے۔

حاشیہ حکایت (۱۴۸) قولہ انکی خدمت میں روانہ ہوگئے **اقول** باوجود کامل ہونے کے دوسرے اہل کمال سے استغنا نہ فرمانا کمال تواضع و حرص دین کی دلیل ہے۔ وفی ذلک فلیتنافس المتنافسون (**اشرف**)

۱۵۰

(۱۴۹) خانصاحب نے فرمایا کہ ریاست رامپور میں نواب یوسف علی خان کے زمانہ میں روشن باغ میں ایک مجذوب رہتے تھے اور نواب صاحب کی طرف سے دو سپاہی انکی خدمت کے لئے رہا کرتے تھے۔ ان کا نام بشیر شاہ تھا یہ مجذوب بالکل ننگے رہتے تھے مگر باتوں میں مجذوب نہ تھے چنانچہ جب باتیں کرتے ان کا قاعدہ تھا کہ جو کوئی انکے پاس آتا اُس سے کوئی نہ کوئی فرمایش ضرور کرتے نیز ان کا قاعدہ تھا کہ اگر کوئی ایک انار یا ایک امرود یا ایک روپیہ یا ایک پیسہ وغیرہ پیش کرتا تو نہ لیتے اور فرماتے کہ ایک نہ لونگا دو لاؤ۔ میری پھوپھا انکی خدمت میں جایا کرتے تھے اور مجھے بھی اپنے ہمراہ لیجاتے تھے۔ میرے پھوپھا نے شاہ آباد دروازہ ایک مکان لے رکھا تھا اور ہمارے مکان کے قریب ایک مولوی صاحب رہتے تھے جو نہایت صحیح العقیدہ اور بزرگ آدمی تھے ان کا نام مولوی اسمٰعیل صاحب تھا اور انکے ایک بھائی تھے جنکا نام حافظ اسحق تھا۔ میں ان حافظ اسحق صاحب سے کوئی کتاب بھی

پڑھتا تھا جسکا نام مجھے یاد نہیں رہا۔ ان وجوہ سے مولوی اسمٰعیل صاحب سے تعلقات تھے ایکمرتبہ ان مولوی اسمٰعیل صاحب نے میرے پھوپھا سے بشیر شاہ کے انتقال کے بعد اپنا قصہ بیان فرمایا کہ گو میری عادت مجاذیب سے اختلاط کی نہ تھی مگر میں خلاف عادت بشیر شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا اور گو انکی عادت یہ تھی کہ دوسرآنے والے سے کچھ نہ کچھ فرمایش کیا کرتے تھے۔ مگر انھوں نے بھی اپنی عادت کے خلاف کبھی مجھ سے کوئی فرمایش نہیں کی۔ ایک مرتبہ مین نے عرض کیا کہ حضور سب سے کچھ نہ کچھ فرمایش کرتے ہیں مگر مجھ سے کبھی کوئی فرمایش نہیں کی کیا حضور مجھ سے کچھ ناخوش ہیں۔ انھوں نے فرمایا کہ نہیں بلکہ مین سب سے زیادہ تجھ سے خوش ہوں۔ میں نے کہا کہ پھر آپ مجھ سے فرمایش کیوں نہیں کرتے تو انھوں نے فرمایا کہ بات یہ ہے کہ جتنے لوگ ہمارے پاس آتے ہیں سب اغراض لیکر آتے ہیں۔ کوئی بیوی کیلئے آتا ہے۔ کوئی معشوق کے لئے۔ کوئی نوکری کیلئے کوئی کسی اور غرض سے اسلئے ہم بھی انکے ساتھ اپنی غرض لگا دیتے ہیں اور تو کسی غرض سے نہیں آتا بلکہ محض خدا کے لئے آتا ہے اسلئے تیرے ساتھ غرض لگاتے کو جی نہیں چاہتا۔ میں نے پوچھا کہ آپ جب کسی سے کوئی چیز لیتے ہیں تو ایک نہیں لیتے بلکہ دو لیتے ہیں اسمین کیا راز ہے آپنے فرمایا وخلقنا کم ازواجا اور ایک آیت اور ایسے ہی پڑھی جب خدا نے جوڑے جوڑے پیدا کئے ہیں ہم بھی جوڑا لیتے ہیں پھر میں نے عرض کیا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ آپ کچھ فرمایش کریں آپ نے فرمایا اچھا مرغ پلاؤ لاؤ۔ میں اپنے گھر آیا میرے بھائی حافظ اسحٰق اصیل مرغ پالتے ہیں میں نے ان سے کہا کہ میں میاں بشیر شاہ کے لئے مرغ کا پلاؤ لیجاؤنگا۔ تو کوئی عمدہ پٹھا جسمیں سیر بھر گوشت ہو مجھے دیدو۔ انھوں نے ایک نہایت عمدہ پٹھا دیدیا۔ اسکے بعد میں بازار گیا اور سیر بھر نہایت عمدہ چاول لایا اور بہت اچھی بریانی پکا کر ایک بڑی تھاب میں انکے لئے سب کا سب لے گیا۔ جب میں وہاں پہونچا تو وہ باغ کے ایک تالاب میں نہارہے تھے مجھے دیکھکر نکل آئے۔ میں نے پلاؤ پیش کیا انھوں نے بیٹھکر سب کھالیا اور کھاکر اس رکابی کو تالاب پر لے گئے اور وہاں اسے خوب دھویا۔ اور دیر تک پانی کو ہلاتے اور رکابی کو دھوتے رہے اسکے بعد وہاں سے آئے اور آکر رکابی کو آسمان کی طرف بہت اونچے پھینک دیا اور فرمایا رزقکم فی السماء۔ میں سمجھا کہ اب رکابی گرکر پاش پاش ہوجاوے گی مگر وہ سیدھی

انہی کی طرف آئی اور انھون نے اسکو ایک انگوٹھے اور دو انگلیون پر روک لیا اسکے بعد اُسکو پھر پھینکا اور وہی سر ذقلکم فی اسماء فرمایا اور پھر انگلیوں پر روک لیا۔ غرض وہ بہت دیر تک یہ ہی کھیلتے رہے۔ بہت دیر کے بعد انھون نے مجھے رکابی دی میں تو رکابی لیکر چلا آیا اور وہ پھر پانی میں گھس گئے۔ میں حسب معمول انکی خدمت میں برابر حاضر ہوتا رہا۔ ایک مرتبہ مین نے پھر کہا کہ کچھ فرمائش کیجئے۔ انھون نے فرمایا اچھا ایکی سفریاں (امرود) لاؤ۔ میں ڈیڑھ پاؤ سیر نہایت عمدہ سفریاں لے گیا۔ اتفاق سے اُس روز بھی اکیلے تھے۔ میں نے وہ سفریان پیش کیں۔ آپ نے ان کو لیکر سامنے رکھکر کھانا شروع کیا۔ ایک سفری جو کسیقدر گدری تھی جب وہ سرک کر انکی طرف کو آئی تو اُسکو نہ کھاتے اور ہٹا دیتے اور کہتے میرے پاس نہ آئے گی۔ مولوی کے پاس جاوے گی۔ مولوی کے پاس جاویگی۔ غرض وہ تمام سفریاں کھالیں۔ اور اس سفری کو آخر تک نہ کھایا اور یہ ہی کہتے رہے مولوی کے پاس جاویگی مولوی کے پاس جاوے گی۔ میرے پاس نہیں آئے گی جب تمام سفریاں ختم ہوچکیں تو انھون نے وہ سفری مجھے دی اور کہا یہ تو کھالینا۔ میں نے جو اُسے اُٹھایا۔ تو نہایت تیز گرم تھی۔ مین نے اٹھا کر رومال میں رکھ لی اور گھر لے آیا۔ گھر میں آکر میں ایک عجیب خلجان میں مبتلا ہو گیا۔ کبھی تو جی چاہتا کہ کھالون اور کبھی یہ خیال کرتا تھا کہ اگر تو نے کھا لیا تو پھر تو بھی انکی طرح دیوانہ ہوجاویگا اور جو کچھ علم دین کے متعلق نفع کسیکو تجھ سے پہونچ جاتا ہے وہ بھی منقطع ہوجاویگا اور جو روپئے بھی چھوٹ جاینگے۔ غرض بہت دیر تک اسی الجھن میں رہا کہ کھاؤں یا نہ کھاؤں۔ آخر میں اسے کھونٹی پر لٹکا دیا مگر وہ اُلجھن اب بھی نہ گئی۔ جب میں سونے کے لئے لیٹا تو اسوقت بھی وہ اُلجھن نہ گئی کبھی کھانے کا خیال ہوتا تھا اور رومال کو کھونٹی پر سے اُتارتا تھا۔ اور کبھی پھر خیال ہوتا تھا کہ اسکا نہ کھانا ہی مناسب ہے اور یہ خیال کرکے پھر کھونٹی پر لٹکا دیتا تھا جب بہت سی دفعہ میں نے ایسا ہی کیا تو بیوی نے کہا کہ آج تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ نہ خود سوتے ہو نہ سونے دیتے ہو اور یہ اس رومال میں کیا چیز ہے کہ کبھی اتارتے ہو اور کبھی پھر رکھ دیتے ہو۔ بیوی کو تو میں نے ٹال دیا مگر مجھے کسیطرح یکسوئی نہ ہوئی اور میں صبح تک اسی اُلجھن میں رہا۔ اور رات بھر نہیں سویا۔

(باقی آیندہ)

جب صبح ہوئی تو میرے دوست چندا میاں میرے پاس آئے۔ یہ بہت نیک اور ذاکر شاغل تھے۔ میں نے ان سے اس سفری کا تذکرہ کیا اور اپنی پوری کیفیت بیان کی۔ انھوں نے کہا کہ میاں تردد کیوں کرتے ہو۔ کھا بھی لو لیکن یہ دیکھ لو کہ وہ اینٹ گرم ہے یا ٹھنڈی ہو گئی اگر گرم ہے تو اثر ہے اور اگر ٹھنڈی ہو گئی تو اثر جاتا رہا۔ میں گھر سے سفری لایا دیکھا تو اینٹ گرم تھی مگر اسقدر تیزی نہ تھی میں نے کہا کہ چندا میاں گرم تو ہے۔ انھوں نے کہا دیکھوں میں نے انکو دی وہ لیتے ہی منہ میں رکھ گئے اور کھاتے ہی انگرکھا پاجامہ اُتار دیا اور ننگے ہو کر چلدیے۔ میں نے جب چندا میاں کی یہ حالت دیکھی تو میں پھر بٹیر شاہ کے پاس گیا۔ اور ان سے اس سفری کا قصہ بیان کیا اور عرض کیا کہ حضرت مجھے تو کوئی ایسی چیز عنایت فرمائیے جس سے میری یہ حالت بھی قائم رہے اسپر انھوں نے فرمایا کہ میں اتنا نہیں ہوں یہ قصہ بیان کر کے خانصاحب نے فرمایا کہ میں نے چندا میاں کو دیکھا ہے یہ قوم سے پٹھان تھے اور گھر سے بہت خوشحال تھے ان کے باپ بھائی ریاست کے معزز عہدوں پر تھے اور اپنے گھر میں سب میں خوبصورت تھے انکے پاؤں میں زنجیر پڑی رہتی تھی اور یہ ایک تخت پر بیٹھے رہتے تھے اس تخت پر ایک مصلے پڑا رہتا تھا۔ یہ کبھی ذکر کرتے تھے اور کبھی نماز پڑھتے تھے اور کبھی ویسے ہی بیٹھے رہتے۔ اور جب نماز پڑھتے تو نہ اوقات کا لحاظ ہوتا نہ رکعات کا لحاظ بلکہ جب چاہا نماز شروع کر دی۔ اور جبتک جی چاہا پڑھتے رہے۔ سُنا گیا ہے کہ یہ لوگوں کو مارتے بھی تھے نیز انکی یہ حالت تھی کہ جب کسیکو دیکھتے تو ہنس کر ہاتھ سے منہ چھپا لیتے تھے۔

۱۵۳

حاشیہ حکایت (۱۴۹) قولہ مگر باتوں میں مجذوب نہ تھے اقول

اس پر تعجب نہ کیا جاوے جذب میں یا جنون میں عقل نہ ہونا تو لازم ہے لیکن بعض اوقات حواس صحیح ہوتے ہیں اور وہ کسی امر کا ادراک کرتے ہیں کسی کا نہیں کرتے اور ایسا شخص مکلف نہیں ہوتا اسلیے کہ مدار تکلیف کا عقل ہے نا کہ حواس چنانچہ بہائم باوجود سلامت حواس کے اسی لئے مکلف نہیں کہ انکو عقل نہیں خواہ مطلقاً خواہ خاص درجہ کی جو بنا ہو تکلیف کی جو کہ صبی و معتوہ میں بھی مفقود ہے علی اختلاف قولی المحققین **قولہ** میں اتنا نہیں ہوں۔ **اقول** علت انکی نقص ہے مجاذیب کا اسی لئے اہل تحقیق انکی طرف توجہ کو منع کرتے ہیں۔

کہ اوّل تو ان سے دین کا نفع کم ہوتا ہے اور کچھ ہوتا ہے تو ناقص چنانچہ اس قصہ مین کیفیت تو حاصل ہوگئی اور اعمال برباد ہوگئے جس پر گو مواخذہ نہ ہو مگر حرمان ثواب سے تو ہے (اشرف علی)

(۱۵۰) خانصاحب نے فرمایا کہ میرے اُستاد میانجی محمدی صاحب بیان فرماتے تھے۔ کہ شاہ عبد العزیز صاحب۔ ایک مرتبہ کھانا کھانے کے لئے زنانہ مکان میں تشریف لگئے تھے اور کچھ لوگ آپکے انتظار مین مدرسہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اتفاق سے عبدالوہاب نجدی کا ذکر چھڑ گیا۔ ان میں سے دو آدمیون مین اسکے متعلق مناظرہ ہونے لگا۔ ایک نے عبدالوہاب کی مذمت اور تفسیق و تکفیر شروع کی۔ دوسرے نے اسکی تعریف و تحسین اور خوب گفتگو ہوئی۔ ان میں سے ایک مذمت کرنے والے نے یہ بھی کہا کہ عبدالوہاب بددین تھا اور اس نے ابن تیمیہ اور ابن القیم مردودون اور بددینوں کے دین کو چمکانا چاہا۔ اتنے میں اتفاق سے شاہ صاحب بھی مکان سے تشریف لے آئے شاہ صاحب ابھی بیٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ اس شخص نے جو عبدالوہاب کا مخالف تھا شاہ صاحب سے کہا کہ حضرت میں تو کہتا ہون کہ عبدالوہاب کافر تھا اور ایسا تھا ویسا تھا اور اس نے ابن تیمیہ اور ابن القیم جیسے بددینون کے دین کو رواج دینا چاہا۔ شاہ صاحب نے اسکے منہ سے یہ الفاظ سنتے ہی منہ پر انگلی رکھی اور دیر تک ایسا ہی کیا (مطلب یہ تھا کہ یہ بات نہایت بری ہے تم ایسا نہ کہو) اسکے بعد بیٹھکر فرمایا کہ عبدالوہاب بھی نہایت سچا اور پکا مسلمان اور متبع سنت تھا مگر بدعقل اور ابن تیمیہ و ابن القیم بھی نہایت سچے اور پکے مسلمان تھے۔ مگر بشر تھے اُن سے غلطی ممکن ہے اور اس غلطی کی بنا پر ان کو برا بھلا کہنا ہرگز نہیں چاہئیے۔ اُسکے بعد شاہ صاحب نے فرمایا کہ حجۃ الوداع مین جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اونٹنی پر سوار ہوکر طواف فرمایا تھا جس سے مقصود تعلیم افعال طواف تھی اور اس حالت میں آپ کی اونٹنی نے نہ جگالا نہ مینگنیاں کیں اور نہ پیشاب کیا پس حرمت مسجد بھی محفوظ رہی اور مقصود تعلیم بھی حاصل ہوگیا۔ عبدالوہاب اپنی غلطی سے اونٹنی پر طواف کو سنت سمجھ گیا اور اس نے اپنے اتباع سمیت اونٹون پر طواف کیا جس سے تمام مسجد مینگنیون اور پیشاب سے بھر گئی۔ سو گو یہ اسکی غلطی تھی مگر اسکا منشاء اتباع سنت تھا۔ اسلئے اسکو برا کہنا نہ چاہئیے۔

۱۵۴

حاشیہ حکایت (۱۵۰) قولہ مگر اسکا منشاء اتباع سنت تھا الخ **اقول** یہی فرق ہے اہل صورت واہل معانی میں کہ وہ افعال کو دیکھتے ہیں اور یہ افعال کے مناشی کو اسلئے کبھی ایسے امر پر مواخذہ کرتے ہیں جو ظاہرا موجب مواخذہ نہیں ہوتا اور کبھی ایسے امر پر تسامح کرتے ہیں جو ظاہرا قابل تسامح نہیں ہوتا (**ش ت**)

خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی عبدالقیوم صاحب فرماتے تھے کہ شاہ اسحٰق صاحب بیان فرماتے تھے کہ جب مولوی اسمٰعیل صاحب نے رفع یدین شروع کیا تو مولوی محمد علی صاحب و مولوی احمد علی صاحب نے جو شاہ عبدالعزیز صاحب کے شاگرد اور انکے کاتب تھے۔ شاہ صاحب سے عرض کیا کہ حضرت مولوی اسمٰعیل صاحب نے رفع یدین شروع کیا ہے۔ اور اس سے مفسدہ پیدا ہوگا۔ آپ ان کو روک دیجے۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ میں تو ضعیف ہوگیا ہوں۔ مجھ سے تو مناظرہ ہو نہیں سکتا۔ میں اسمٰعیل کو بلائے لیتا ہوں تم میرے سامنے اس سے مناظرہ کرلو۔ اگر تم غالب آگئے تمہارے ساتھ ہو جاؤنگا اور وہ غالب آگیا اسکے ساتھ ہو جاؤنگا مگر وہ مناظرہ پر آمادہ نہ ہوئے اور کہا کہ حضرت ہم تو مناظرہ نہ کرینگے اسپر شاہ صاحب نے فرمایا کہ جب تم مناظرہ نہیں کرسکتے تو جانے دو۔ شاہ صاحب نے جب یہ جواب دیا تو میں سمجھا کہ شاہ صاحب نے اسوقت دفع الوقتی فرمادی ہے مگر یہ مولوی اسمٰعیل صاحب سے کہینگے ضرور چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور جب شاہ عبدالقادر صاحب آپکی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا میاں عبدالقادر تم اسمٰعیل کو سمجھا دینا کہ وہ رفع یدین نہ کیا کریں کیا فائدہ ہے خواہ مخواہ عوام میں شورش ہوگی۔ شاہ عبدالقادر صاحب نے فرمایا کہ حضرت میں کہہ تو دوں مگر وہ مانے گا نہیں اور حدیثیں پیش کریگا۔ اسوقت بھی میرے دل میں یہی خیال آیا کہ گو انہوں نے اسوقت یہ جواب دیدیا ہے مگر یہ بھی کہیں گے ضرور۔ چنانچہ یہاں بھی میرا خیال صحیح ہوا۔ اور شاہ عبدالقادر صاحب نے مولوی محمد یعقوب صاحب کی معرفت مولوی اسمٰعیل صاحب سے کہلایا کہ تم رفع یدین چھوڑ دو۔ اس سے خواہ مخواہ فتنہ ہوگا جب مولوی محمد یعقوب صاحب نے مولوی اسمٰعیل صاحب سے کہا تو انھوں نے جواب دیا کہ اگر عوام کے فتنہ کا خیال کیا جاوے تو پھر اس حدیث کے کیا معنے ہونگے من تمسک بسنتی عند فساد امتی فلہ اجر مائۃ شہید۔

کیونکہ جو کوئی سنت متروکہ کو اختیار کریگا عوام میں ضرور شورش ہو گی مولوی محمد یعقوب صاحب نے شاہ عبد القادر صاحب سے اُن کا جواب بیان کیا اسکو سُنکر شاہ عبد القادر صاحب نے فرمایا۔ ہا ہا ہم تو سمجھے تھے کہ اسمٰعیل عالم ہو گیا مگر وہ تو ایک حدیث کے معنی بھی نہیں سمجھا۔ یہ حکم اسوقت ہے جبکہ سنت کے مقابل خلاف سنت ہو اور ما نحن فیہ میں سنت کا مقابل خلاف سنت نہین بلکہ دوسری سنت ہی کیونکہ جسطرح رفع یدین سنت ہے یونہی ارسال بھی سنت ہے جب مولوی محمد یعقوب صاحب نے یہ جواب مولوی اسمٰعیل صاحب سے بیان کیا تو وہ خاموش ہو گئے اور کوئی جواب نہ دیا۔

حاشیہ حکایت (۱۵۱) قولہ یہ حکم اسوقت ہے الخ **اقول** اسوقت بیساختہ زبان پر آتا ہے وفوق کل ذی علم علیم۔

(۱۵۲) خانصاحب نے فرمایا کہ کتاب اربعین و مائۃ مسائل کے تصنیف کی وجہ یہ ہی نواب زمان خان و تاولی بھیکم پور کے رئیس تھے انھون نے شاہ اسحٰق صاحب سے سوالات کئے تھے انکے جوابات میں تو شاہ صاحب نے اربعین لکھی ہے اور کچھ سوالات دہلی کے شاہزادون اور بادشاہ دہلی اور حاجی قاسم و مولوی کریم اللہ وغیرہ مخالفین نے آپس مین مشورہ کر کے اور سوالات ترتیب دیکر کئے تھے اور یہ قید بھی لگا دی تھی کہ انکے جوابات صرف فلاں فلاں علماء کے تصریحات سے ہونے چاہئین ان کا جواب شاہ صاحب نے مولوی نور الحسن صاحب کاندہلوی کے سُپرد کر دیا اور انھون نے شاہ صاحب کی طرف سے انکا جواب لکھا اس کتاب کا نام مائۃ مسائل ہے اور اربعین اور مائۃ مسائل کے بعض بعض مسائل میں جو آپس مین کسیقدر اختلاف ہے مثلاً ایک مسئلہ کے متعلق اربعین میں فتوے حرمت ہے تو مائۃ مسائل مین مکروہ و نحو ذلک اس اختلاف کا منشاء یہ ہے کہ اربعین کے جوابات میں شاہ صاحب آزاد تھے اسلئے انھون نے اپنی تحقیق کے مطابق جوابات دیے ہیں اور مائۃ مسائل کے جوابات مین اصل مجیب یعنی مولوی نور الحسن صاحب اور شاہ صاحب جنکی طرف سے وہ جوابات ہیں دونوں پابند تھے اس لئے جسقدر تصریح ان علماء کے کلام میں ملی جنکے تصریح سے جواب کی درخواست کیگئی تھی اسقدر تصریح لکھدی گئی۔

(باقی آئندہ)

یہ منشا ہے اختلاف کا اس قصہ کو میں نے میانجی محمدی صاحب حکیم خادم علی صاحب شیخ فیاض علی صاحب مولوی حسین احمد صاحب خورجوی اور دیگر حضرات سے سُنا ہے۔

حاشیہ حکایت (۱۵۲) قولہ انھوں نے شاہ صاحب کی طرف سے

اقول کیونکہ توکیل فی التصنیف بھی جائز ہے جیسا حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے مسیلمہ سے فرمایا تھا وھذا یجیبک عنی (**شت**)

(۱۵۳) خانصاحب نے فرمایا کہ رامپور میں ایک اور مجذوب رہتے تھے جو اپنے آپکو رب العالمین کہتے تھے۔ یہ جس مکان میں رہتے تھے اُس میں ایک نہایت عمدہ چارپائی پڑی تھی جسپر ایک نہایت عمدہ بستر لگا رہتا تھا اور یہ مجذوب نہایت شان وشوکت کے ساتھ اس چارپائی پر بیٹھے رہتے تھے اور چارپائی کے سرہانے ایک چوکی لگی ہوئی تھی جس پر ایک جائے نماز پڑی ہوئی تھی اور چارپائی کے سامنے بورئے بچھے رہتے تھے اور مکان میں ہر چیز نہایت قرینہ سے رکھی رہتی تھی۔ مکان بھی نہایت عمدہ تھا اور اس میں صفائی کا بھی پورا اہتمام تھا حتی کہ مکان میں تنکا تک نہ ہوتا۔ یہ مجذوب لباس بھی نہایت عمدہ اور امیرانہ پہنتے تھے ۱۵۷ اور نہایت خوش بیان تھے تقریر اسقدر تیز تھی کہ کیا مجال زبان میں لکنت آئے یا کہیں اٹکیں مگر وہ تقریر نہایت غیر مربوط اور بے معنی ہوتی تھی اثنا ر تقریر میں کبھی کبھی فون فون شون شون بھی کرنے لگتے تھے انکے پاس ایک خادم رہتا تھا اور ہر وقت مکان بند رہتا تھا جب کوئی آتا تو دروازہ پر تین مرتبہ دستک دیتا اگر دروازہ نہ کھلتا تو واپس ہوجاتا اور اگر ان مجذوب کو بلانا مقصود ہوتا تو خادم آکر دروازہ کھولتا اور وہ شخص دروازہ میں داخل ہوتا خادم دروازہ پر اُس سے جوتے اتروا دیتا اور جوتے ایک طرف کو موقع سے رکھدیتا یہ شخص انکی خدمت میں جاکر سلام کرتا اور عرض ومعروض کرتا ان مجذوب کا قاعدہ تھا کہ وہ اکثر دائیں بائیں اور اوپر منھ کرکے شون شون فون فون کرتے تھے۔ انکی نسبت یہ بھی مشہور تھا کہ ایک مرتبہ انھوں نے خودکشی کرنے کے لئے اپنے پیٹ میں چھرا بھونک لیا جس سے آنتیں باہر آگئیں۔ انکی بہن رونے لگی بہن کو روتے دیکھکر انھوں نے آنتیں اندر کرلیں اور زخم اچھا ہوگیا۔ میں اپنے پھوپھا کے ہمراہ انکے یہاں جایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ میرے پھوپھا اور میں انکے یہاں

بیٹھے ہوتے تھے کہ اتنے میں انکو جوش ہوا اور انھوں نے حسب عادت فوں فوں اور شوں شوں شروع کی اور کہا کہ فلاں مرتبہ رب العالمین نے رب العالمین سے ملنا چاہا تو فلاں مانع ہوا اور فلاں مرتبہ رب العالمین نے رب العالمین سے ملنا چاہا تو فلاں مانع ہوا اور فلاں مرتبہ فلاں اور فلاں مرتبہ فلاں۔ اور انھوں نے اپنا پیٹ کھولکر دکھایا تو سینہ سے ناف تک ایک لکیر معلوم ہوتی تھی جس سے معلوم ہوتا تھا کہ انھوں نے کبھی پیٹ چاک کیا ہے اور یہ بھی کہا کہ آج پھر صبح سے رب العالمین کو رب العالمین سے ملنے کا شوق ہو رہا ہے دیکھو کوئی مانع نہ ہوا اور یہ کہکر انھوں نے اپنے بستر کے نیچے سے ایک تراہ کا چھرا نکالا اور گردن پر رکھکر چلانا چاہتے تھے کہ میرے پھوپھا نے جلدی سے انکا ہاتھ پکڑ کر انکے ہاتھ سے چھرا لے لیا۔ وہ بہت دیر تک فوں فوں شوں شوں کرتے رہے جب جوش فرو ہوا تو انھوں نے میرے پھوپھا سے کہا کہ اب مجھے چھرا دیدو اب مجھپر وہ کیفیت طاری نہیں ہے۔ میرے پھوپھا نے چھرا دیدیا اسکے بعد انھوں نے میرے پھوپھا سے فرمایا کہ اسکا تذکرہ نہ کرنا۔ اور مجھ سے بھی کہا کہ میاں لڑکے دیکھو تم بھی کہیں نہ کہدینا

۱۵۱ اس روز سے مجھپر کچھ ایسا خوف طاری ہوا کہ میں پھر انکے یہاں نہیں گیا یہ قصہ نواب یوسف علی خان کے زمانہ کا ہے اسکے بعد ہم تو رامپور سے چلے آئے۔ ہمارے چلے آنے کے بعد جب نواب کلب علی خان مسند ریاست پر متمکن ہوئے تو انکے زمانہ میں یہ قصہ پیش آیا کہ ایک مرتبہ ان مجذوب نے اپنے خادم سے کہا کہ رب العالمین کو رب العالمین سے ملنے کا آج پھر شوق غالب ہوا ہے اور وہ اپنی گردن کاٹنا چاہتا ہے اگر سر تن سے جدا نہ ہو تو الگ کر دینا یہ کہکر سجدہ میں گئے اور سجدہ میں جاکر انھوں نے اپنی گردن کاٹ لی سر تو تن سے جدا ہو گیا یہ نہیں معلوم ہوا کہ خود انہی نے جدا کر دیا تھا یا حسب وصیت خادم نے جدا کیا اور ان کا حلقوم زمین پر آ ٹکا اور وہ اسی طرح سجدہ کی ہیئت پر قائم رہے اور سوائے خون کے نہ پاخانہ نکلا نہ پیشاب نہ اور کسی قسم کی رطوبت۔ اور خادم پاس بیٹھا ہوا برابر مورچھل جھلتا رہا لوگ آتے تھے اور دستک دیکر چلے جاتے تھے۔ بھنگن بھی دو وقت کمانے آتی تھی مگر دستک اور آواز دیکر چلی جاتی تھی اسیطرح تین دن گذر گئے۔ آخر کار بھنگن نے انکے پڑوس میں اسکا تذکرہ کیا کہ میاں تو کہیں جاتے نہ تھے خدا جانے کہاں چلے گئے ہیں تین دن سے دو وقت کمانے

جاتی ہوں مگر دروازہ نہیں کھلتا پڑوس کی عورتوں کو کچھ شبہ ہوا اور انھوں نے اپنے اپنے
کوٹھوں سے یا اور کسی طریق سے اُنکے مکان میں جھانکا دیکھا تو وہ شہید ہیں اور خادم بیٹھا ہوا ہے
انھوں نے اپنے مردوں سے ذکر کیا۔ مردوں نے کوتوالی میں اطلاع کی پولیس آئی۔ دروازہ
کھولا گیا۔ دیکھا واقعہ صحیح تھا۔ اب انکی تجہیز و تکفین ہوئی۔ مگر نماز کے متعلق علما میں اختلاف ہوا۔
مفتی سعد اللہ صاحب اور انکی جماعت کہتی تھی کہ انھوں نے خودکشی کی ہے اسلئے انکی نماز نہ پڑھنی
چاہیئے اور مولوی ارشاد حسین صاحب اور رامپور کے قاضی جو بدایوں کے رہنے والے تھے وہ کہتے تھے کہ یہ
مغلوب اور غیر مکلف تھے انکی نماز پڑھنی چاہیئے۔ چنانچہ مولوی ارشاد حسین صاحب اور قاضی
صاحب کے فتوی پر عمل کیا گیا اور نہایت شان و شوکت کے ساتھ انکی نماز ہوئی اور انکو دفن
کیا گیا ان مجذوب کے انتقال کے بعد اب وہ خادم اپنے کو رب العالمین کہنے لگا۔ مگر علماء کی
رائے سے نواب صاحب نے اسکو رامپور سے نکالدیا اور اسکے بعد اسکا پتہ نہیں چلا کہ وہ
کہاں گیا اور کیا ہوا۔

۱۵۹ **حاشیہ حکایت** (۱۵۳) ایسے مغلوب ناقص ہوتے ہیں اور اولیاء مستہلکین
کہلاتے ہیں گو استہلاک ظاہری نہ ہو (**ش ت**)

(۱۵۴) خانصاحب نے فرمایا کہ جب مولوی اسمٰعیل صاحب اور مولوی فضل حق صاحب
سے تحریری مناظرہ ہو رہا تھا تو مولوی اسمٰعیل صاحب کا قاعدہ تھا کہ جب آپکے پاس مولوی فضل حق
صاحب کی تحریر پہونچتی تو فوراً جواب دیتے اور بعض اوقات تو ایسا ہوا کہ آپ تیر رہے ہیں اور
تیرنے کی حالت میں آپکے پاس تحریر پہنچی۔ آپ نے تیرتے ہی تیرتے اسکا جواب لکھوا دیا ایکمرتبہ
ایسا اتفاق ہوا کہ مومن خان اور مولوی فضل حق صاحب شطرنج کھیل رہے تھے اور مولوی فضل حق
صاحب نے مولوی اسمٰعیل صاحب کے پاس تحریر بھیجی تھی اتفاق سے انکے شطرنج کھیلنے ہی
میں آدمی واپس آگیا۔ مولوی فضل حق صاحب نے دریافت کیا کہ جواب لائے اُس نے کہا کہ
جواب نہیں دیا اور کہا کہ فلاں وقت دونگا چونکہ یہ بات مولوی اسمٰعیل صاحب کے طرز کے خلاف
تھی اسلئے مولوی فضل حق صاحب نے سمجھا کہ اب مولوی اسمٰعیل عاجز ہوگئے اور یہ سمجھکر کہا کہ
بس دے لیا جواب۔ یہ بات مومن خان کو ناگوار ہوئی انھوں نے کہا کہ وہ بات ہی کیا ہے

ہیں کا جواب مولوی اسمٰعیل صاحب نہیں دے سکتے اسپران میں گفتگو شروع ہوگئی اور مومن خان
مناظرہ میں غالب رہے چونکہ گفتگو میں مزاج مکدر ہوگیا تھا اسلئے مومن خان یہ شعر کہکر چلدیئے ؎
لے نام آرزو کا تو دل کو نکال دیں (آرزو مولوی فضل حق صاحب کا تخلص ہے) مومن نہ ہوں جو
ربط رکھیں بدعتی سے ہم ÷ جب مولوی فضل حق صاحب نے دیکھا کہ مومن خان ناراض ہوگئے تو وہ
انکو منانے کے لئے گئے۔ کچھ گفتگو ہوکر صلح ہوگئی۔ اسوقت مومن خان نے یہ شعر پڑھا ؎

ٹھانی تھی دل میں اب نہ ملینگے کسی سے ہم ÷ پر کیا کریں کہ ہوگئے ناچار جی سے ہم

یہ قصہ بیان فرماکر فرمایا کہ یہ قصہ میں نے متعدد ثقات سے سنا ہے مگر نام یاد نہیں رہے۔

حاشیہ حکایت (۱۵۴) قولہ مومن خان کا بھی کمال ہے کہ حق پر اتنی
پرانی دوستی قطع کردی اور مولوی صاحب کا بھی کمال کہ باوجود اتنی بڑی شان کے اُن سے صلح
کی ابتدا فرمائی (**ش**)

(۱۵۵) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی سراج احمد صاحب خورجوی فرماتے تھے کہ
مومن خان اور مولوی فضل حق صاحب شطرنج کھیلا کرتے تھے اور مومن خان کھیل میں
غالب رہتے تھے ایک مرتبہ مرزا غالب نے مولوی فضل حق صاحب سے کہا کہ آپ استقدر
تیز طبع اور ذہین ہیں پھر کیا بات ہے کہ مومن خان سے مات کھاجاتے ہیں مولوی فضل حق
صاحب نے فرمایا کہ مومن خان بھیڑیا ہے اسے اپنی قوت کی خبر نہیں ہے وہ عشق عاشقی
کے قصوں میں پھنس گیا۔ اگر علمی مشغلہ میں پڑتا اسوقت اسکے ذہن کی حقیقت معلوم ہوتی
فی الحقیقت نہایت ذہین آدمی ہے۔

حاشیہ حکایت (۱۵۵) کیسے منصف مزاج حضرات تھے آج مشائخ
میں وہ تواضع و صدق نہیں جو اُسوقت کے دنیا دار کہلانے والوں میں تھا (**ش**)

(۱۵۶) خانصاحب نے فرمایا کہ مولانا گنگوہی نے فرمایا کہ مولوی عبداللہ خان
کاندھلوی کا اور مولوی فضل حق صاحب کا سہارنپور میں امکان نظیر کے مسئلہ میں
مناظرہ ہوا اور مولوی فضل حق صاحب کو بھرے مجمع میں الزام ہوگیا۔

(باقی آئندہ)

حاشیہ حکایت (۱۵۶) قولہ الزام ہوگیا **اقول** مولوی فضل حق صاحب کی یہ سلامت فطرت ہے کہ اس الزام کے اخفاء کی کوشش نہیں کی ورنہ آجکل تو کچھہ نہ کچھہ ہانکے ہی جاتے ہیں جسمیں مغلوبیتہ کا پتہ نہ لگے (**اشت**)

(۱۵۷) خانصاحب نے فرمایا کہ مفتی عنایت احمد صاحب مولوی فضل حق صاحب نواب عبداللطیف خان خانپوری شیخ مہدی بخش سہارنپوری (خواجہ احمد حسن سہارنپوری کے والد) یہ سب رنگون ایک جگہ مقید تھے آخر میں سب کی رہائی کا حکم ہوگیا تھا مگر آخر کے تین حضرات رہائی کا حکم آنے تک انتقال کرچکے تھے اور مفتی عنایت احمد صاحب چھوٹ کر آئے تھے۔ مفتی صاحب نے ہندوستان آکر بیان فرمایا کہ مولوی فضل حق صاحب بہت نادم تھے اور روتے تھے اور فرماتے تھے کہ مجھہ سے سخت غلطی ہوئی کہ میں نے مولوی اسمٰعیل صاحب کی مخالفت کی وہ بیشک حق پر تھے اور میں غلطی پر تھا مجھہ پر جو یہ مصیبت پڑی ہے یہ میرے انہی اعمال کی سزا ہے میری مولوی اسمٰعیل سے دوستی تھی اور میں بھی انکے ساتھ شہید ہوتا مگر کیا کیجے بدایوں والوں نے اُبھار کر ان سے بھڑا دیا۔ اور میں علم کے غرہ میں حق کو باطل کرنے پر تل گیا۔ تم لوگ گواہ رہنا کہ میں اپنے خیالات باطلہ سے توبہ کرتا ہوں اور اگر میں رہا ہوگیا تو اپنی توبہ شائع کرونگا اھ خانصاحب نے فرمایا کہ مفتی صاحب سے اس واقعہ کو روایت کرنے والے مولوی سراج احمد صاحب سنبھلی ہیں میں نے مولوی سراج احمد صاحب سے اس قصہ کو سُنکر مفتی لطف اللہ صاحب علیگڈہی سے اسکی تصدیق چاہی تو انہوں نے بھی اسکی تصدیق کی اور فرمایا کہ واقعہ ٹھیک ہی مولوی سراج احمد صاحب اس قصہ میں یہ بھی بیان فرماتے تھے کہ مولوی فضل حق صاحب نے اپنے بیٹے کو خط لکھا تھا جس میں اپنے خیالات سے رجوع کیا تھا اور لکھا تھا کہ تم اسکو شائع کرا دینا اھ میں نے مفتی لطف اللہ صاحب سے اسکی بھی تصدیق چاہی مگر انھوں نے فرمایا کہ مجھے اسکا علم نہیں ہے۔

حاشیہ حکایت (۱۵۷) قولہ توبہ کرتا ہوں **اقول** یہ اعتراف کمال عظیم ہے (**اشت**)

(۱۵۸) خانصاحب نے فرمایا کہ مولانا نانوتوی بیان فرماتے تھے کہ ایک شہزادہ نے

مولوی اسمٰعیل صاحب کی تقویت الایمان کا رد لکھا۔ مولوی فضل حق صاحب نے دیکھکر اسکو پھینک دیا۔ اور بہت ناخوش ہوئے اور فرمایا کہ تمہاری کیا حقیقت ہے کہ تم تقویت الایمان کا رد لکھو اور مولوی اسمٰعیل صاحب کا مقابلہ کرو۔ میں اونکو چھیڑ کر مصیبت میں پڑ گیا تھا۔ پھر تم تو کیا چیز ہو۔

حاشیہ حکایت (۱۵۸) قولہ میں اونکو چھیڑ کر **اقول** اپنے مقابل کے کمال کا اعتراف تھوڑی بات نہیں (**رشت**)

(۱۵۹) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی عبدالرشید صاحب غازیپوری رامپور میں مولوی فضل حق صاحب سے پڑھتے تھے۔ یہ ایک مرتبہ کہیں جارہے تھے۔ اتفاق سے انکے ایک دوست مل گئے۔ ان دوست نے ان سے کہا کہ چلو مولوی فضل حق صاحب کے یہاں چلیں تم اونکے (مولانا اسمٰعیل صاحب کے) معتقد ہو آج تمہیں تمہارے اُستاد سے ان پر تبرے سُنوائیں گے۔ اونھوں نے کہا چلو جب یہ دونوں وہاں جاکر بیٹھے تو مولوی عبدالرشید صاحب نے کہا کہ حضرت یہ مجھے یہ کہکر لائے ہیں کہ مولوی صاحب سے تمہیں مولوی اسمٰعیل پر تبرے سنواؤنگا۔ مولوی فضل حق صاحب نے کہا اچھا اس غرض سے لائے ہیں اور یہ کہکر ان پر بہت ناخوش ہوئے اور فرمایا میں اور مولوی اسمٰعیل پر تبرا کروں۔ یہ نہیں ہوسکتا جو تجھ سے ہوچکا ہے وہ بھی بہکائے سکھلائے سے ہوا تھا اور اب تو وہ بھی نہیں ہوسکتا اور یہ کہکر اونکو اپنی مجلس سے اٹھوا دیا۔ اور فرمایا کہ میرے یہاں کبھی نہ آنا۔

حاشیہ حکایت (۱۵۹) قولہ اسمیں بھی مولوی صاحب کا وہی کمال ثابت ہوتا ہے جو اوپر کی حکایتوں میں ہے (**رشت**)

(۱۶۰) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی محمد منیر صاحب مدرسہ دیوبند کے مہتمم تھے۔ ایک مرتبہ وہ مدرسہ کے ڈھائی سو روپیہ لیکر مدرسہ کی سالانہ کیفیت چھپوانے کے لئے دہلی آئے اتفاق سے روپیہ چوری ہوگئے۔ مولوی صاحب نے اس چوری کی کسیکو اطلاع نہیں کی اور مکان آکر اپنی کوئی زمین وغیرہ بیچ کی اور ڈھائی سو روپیہ لیکر دہلی پہونچے اور کیفیت چھپواکر لے آئے۔ کچھ دنوں کے بعد اسکی اطلاع اہل مدرسہ کو ہوئی۔ اونھوں نے مولانا گنگوہی کو واقعہ لکھا اور حکم شرعی دریافت کیا وہاں سے جواب آیا کہ مولوی صاحب

۱۶۲

امین تھے اور روپیہ بلا تعدی کے ضائع ہوا ہے اس لئے ان پر ضمان نہیں۔ اہل مدرسہ نے مولوی محمد منیر صاحب سے درخواست کی کہ آپ روپیہ لے لیجئے اور مولانا کا فتوی دکھلا دیا مولوی صاحب نے فتوی دیکھ کر فرمایا کہ کیا میاں رشید احمد نے فقہ میرے ہی لئے پڑھی تھی اور کیا یہ مسائل میرے ہی لئے ہیں۔ ذرا اپنی چھاتی پہ ہاتھ رکھکر تو دیکھیں اگر انکو ایسا واقعہ پیش آتا تو کیا وہ بھی روپیہ لے لیتے جاؤ لیجاؤ اس فتوے کو۔ میں ہرگز روپیہ نہ لونگا۔

حاشیہ حکایت (۱۶۰) قولہ کیا یہ مسائل میرے ہی لئے الخ اقول کیا انتہا ہے تقوے کا (**شت**)

(۱۶۱) خانصاحب نے فرمایا کہ ایک مرتبہ مولانا نانوتوی نے فرمایا کہ جو شخص ہم کو محتاج سمجھکر دیتا ہے اسکا ہدیہ تو لینے کو جی نہیں چاہتا اور جو اس غرض سے دیتا ہے کہ ہمارے (یعنی دینے والے کے) گھر میں برکت ہو اور ہمارے لے لینے کو ہمارا احسان سمجھے اوسکا ہدیہ لے لینے کو جی چاہتا ہے۔ اگرچہ وہ چار ہی پیسے ہوں۔

١٦٣

حاشیہ حکایت (۱۶۱) قولہ جو شخص ہم کو محتاج الخ اقول وجہ اس تفصیل کی یہ ہے کہ محتاج سمجھکر دینا عادۃً ذلیل سمجھکر دینا ہوتا ہے اور یہ آداب ہدیہ کے خلاف ہے کہ مہدی الیہ کو ذلیل سمجھا جاوے (**شت**)

(۱۶۲) خانصاحب نے فرمایا کہ جب منشی ممتاز علی صاحب کا مطبع میرٹھ میں تھا اوس زمانہ میں انکے مطبع میں مولانا نانوتوی بھی ملازم تھے۔ اور ایک حافظجی بھی نوکر تھے۔ یہ حافظجی بالکل آزاد تھے۔ رندانہ وضع تھی چوڑی دار پاجامہ پہنتے تھے ڈاڑھی چڑھاتے تھے نماز کبھی نہ پڑھتے تھے۔ مگر مولانا نانوتوی سے اور ان سے نہایت گہری دوستی تھی وہ مولانا کو نہلاتے اور کمر ملتے تھے اور مولانا ونکو نہلاتے اور کمر ملتے تھے مولانا اونکے کنگھا کرتے تھے وہ مولانا کے کنگھا کرتے تھے اگر کبھی مٹھائی وغیرہ مولانا کے پاس آتی تو ان کا حصہ ضرور رکھتے تھے غرض بہت گہرے تعلقات تھے مولانا کے مقدس دوست مولانا کی ایک آزاد شخص کے ساتھ اس قسم کی دوستی سے ناخوش تھے مگر وہ اسکی

کچھ پرواہ نہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ جمعہ کا دن تھا حسب معمول مولانا نے حافظ جی کو نہلایا اور حافظ جی نے مولانا کو جب نہا چکے تو مولانا نے فرمایا کہ حافظ جی مجھہ میں اور تم میں دوستی ہے اور یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ تمہارا رنگ اور ہو اور میرا رنگ اور۔ اس لئے میں بھی تمہاری ہی وضع اختیار کرتا ہوں۔ تم اپنے کپڑے لاؤ میں بھی وہ ہی کپڑے پہنوں گا اور میری یہ ڈاڑھی موجود ہے تم اسکو بھی چڑھا دو۔ اور میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ نہ کپڑے اتاروں گا نہ ڈاڑھی۔ وہ یہ سنکر آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے آپ مجھے اپنے کپڑے دیجئے۔ میں آپ کے کپڑے پہنوں گا اور یہ ڈاڑھی موجود ہے اسکو آپ اتار دیجئے مولانا نے ان کو اپنے کپڑے پہنائے اور ڈاڑھی اتار دی اور وہ اس روز سے پکے نمازی اور نیک وضع بن گئے۔

حاشیہ حکایت (۱۶۲) قولہ میں بھی تمہاری وضع الخ اقول مولانا کو یقین تھا کہ اس فرمانے سے ان پر وہی اثر ہوگا جو کہ ہوا اسلئے اس فرمانے پر اعتراض نہیں ہوسکتا یہ اصلاح کے طریقے ہیں جنکو حکماء ہی سمجھتے ہیں جیسے حدیث میں ہے کہ ایک بی بی کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایکبار نوحہ کرنے کی اجازت ہونے کا یہ اثر ہوا کہ اس نے فوراً توبہ کرلی (**شت**)

۱۶۴

(۱۶۳) خانصاحب نے فرمایا کہ مولانا نانوتوی کا قاعدہ تھا کہ سفر میں ہدیہ نہ لیتے تھے ایکمرتبہ ایک شخص نے تنہائی میں کہا کہ میں کچھہ عرض کرنا چاہتا ہوں مولانا سمجھہ گئے کہ کچھہ دینا چاہتا ہے آپنے فرمایا کہ ایک عرض میری ہی پہلے اوسے سُن لیجئے میرا معمول ہے کہ میں سفر میں نہیں لیا کرتا۔ اور مصلحت یہ ہے کہ کبھی آدمی کے پاس ہوتا ہے کبھی نہیں ہوتا۔ سفر میں اپنے دوستوں سے ضرور ملاقات ہوتی ہے۔ اب کسی نے پہلے سفر میں کچھہ دیا تھا لہذا اس سفر میں اسکے ہاتھ میں کچھہ نہیں ہے تو یا تو وہ ملنے سے کترائے گا یا اگر ملیگا تو جھینپ اور شرمندگی کے ساتھ ملے گا۔

حاشیہ حکایت (۱۶۳) قولہ مصلحت یہ ہے الخ **اقول** کسی مصلحت سے ہدیہ نہ لینا مخالف سنت کے نہیں جیسے کم فہم سمجھتے ہیں ایسے ہی اور بھی بہت عذر ہیں جنکو صاحب معاملہ سمجھہ سکتا ہے البتہ یہ شرط ہے کہ وہ عذر احکام شریعت وطریقت کے خلاف نہ ہو (**شت**)

(باقی آئندہ)

(۴۶۱) خانصاحب نے فرمایا کہ جن بزرگون کا اخلاق بہت بڑھ جاتا ہے۔ ان سے مخلوق کی اصلاح نہیں ہوتی اور فرمایا کہ مولانا نانوتوی گو نہایت وسیع الاخلاق تھے مگر اصلاح کے معاملہ میں اخلاق نہ برتتے تھے اور مریدوں اور متعلقین پر برابر روک ٹوک کرتے تھے۔ ایک مرتبہ مولانا خورجہ تشریف لائے مولوی فضل رسول بدایونی کا تذکرہ چل گیا۔ میری زبان سے بجائے فضل رسول (بضاد معجمہ) فصل رسول (بصاد مہملہ) نکل گیا۔ مولانا نے ناخوش ہوکر فرمایا کہ لوگ اونکو کیا کہتے ہیں۔ میں نے کہا فضل رسول۔ آپ نے فرمایا کہ تم فصل رسول کیون کہتے ہو۔

متن امیر الروایات فی حبیب الحکایات ختم ہوا

حاشیہ حکایت (۴۶۱) قولہ اصلاح کے معاملہ میں **اقول** آج اسکو بدخلقی شمار کیا جاتا ہے انا للہ۔ **قولہ** ناخوش ہوکر فرمایا **اقول** یہ حضرات تھے جو لاتلمزوا انفسکم ولاتنابزوا بالالقاب کے پورے عامل تھے حتی کہ مخالفین کے معاملہ میں بھی (تمت) ۱۶۵

حاشیہ تشریف الدرایات بر امیر الروایات ختم ہوا

آگے اس کا ایک ضمیمہ آتا ہے

نظیف الزیادات فی لطیف العنایات

اسکی حقیقت ایک مکتوب ہے امیر شاہ خانصاحب مرحوم کا اس احقر کے نام جس کے بعض اجزاء از قبیل مضامین امیر الروایات ہیں **نظیف الزیادات** کے لقب کا مبنی یہی مناسبت ہے اور بعض اجزاء مشعر ہیں مرحوم کی عنایت خاص کے اس احقر پر **فی لطیف العنایات** کی قید کا مبنی یہی رعایت ہے میں ایسے شخص کی عنایت کو جنکو اکابر کے ساتھ

ایسے خاص تعلقات ہون فال صلاحیت حال و مآل اور موجب تقویت آمال سمجھتا ہوں ۔
جن فوائد پر یہ ضمیمہ مشتمل ہے اونمیں ہر فائدہ پر مستقلاً و منفرداً متنبہ کرنے کیلئے اون اجزاء اصل
متن کے سلسلہ اعداد سے نمبر بھی ڈالدیئے گئے کیونکہ دلالت علی العنایات بھی ایک قسم کی حکایت
ہی ہے بخصوص جبکہ وہ بعض واقعات کی حاکی بھی ہو اس طرز سے یہ ایک درجہ مین تتمہ متن
کا بھی ہو گیا اور پورے مکتوب کے ختم کے بعد ہر نمبر کے حوالہ سے مواقع ضروریہ پر کچھ
تعلیقات بھی مختصر مختصر لکھدیئے گئے اب اُس مکتوب کو نقل کرتا ہون ۔

(جزو اول نمبر ۱۶۵) حضرت مخدوم و مکرم و معظم و محترم جناب مولانا ادام اللہ وجودکم ۔
امیر شاہ عفی عنہ عارض مدعا ہے کہ میرا مصمم ارادہ تھا کہ اپنے اثنائے سفر میں ضرور حاضر
خدمت ہون مگر میرے دیوبند پہونچنے تک جناب سفر سے واپس تشریف نہ لائے تھے اوسکے
بعد میں رامپور چلا گیا ۔ محمد اشفاق کی بیوی اور بیٹے کا انتقال ہو گیا تھا اسلئے وہان دیر ہو گئی
اسکے بعد رمضان آگیا اونھون نے رمضان میں آنے نہ دیا چنانچہ نصف رمضان وہان ہنا
پڑا اسکے بعد آٹھ روز یہت قیام کرنا پڑا ۔ وہان سے دیوبند واپس آیا ۔ گو یہان آکر مجھے ۱۶۶
معلوم ہو گیا کہ جناب والا تشریف لے آتے ہیں لیکن اول تو حافظ احمد نے نہ چھوڑا دوسرے
میں بہت ضعیف ہو گیا ہون نظر بھی بہت کمزور ہو گئی اسلئے تنہا سفر کے قابل نہیں رہا ہون
اور ہمراہی کوئی ملا نہیں اسلئے حاضری سے قاصر رہا پھر اوہر چوہدری صاحب کا تقاضا تھا کہ
جلد آؤ ۔ اس نے معذوری میں اور بھی اضافہ کر دیا ۔ علیگڈھ آکر منشی شرافت اللہ صاحب سے
معلوم ہوا کہ جناب سفر سے واپس تشریف لاتے ہوئے کچھ دیر ہاترس کے اسٹیشن پر ٹھہرے
تھے ۔ اور مجھے اور حبیب احمد کو بلانے کیلئے جناب نے ہنڈو آدمی بھیجے تھے ۔ مگر ہم میں سے
کوئی نہ ملا ۔ یہ سُنکر نہایت صدمہ ہوا مگر ساتھ ہی انھوں نے یہ خوشخبری بھی سُنائی کہ جناب
عنقریب علیگڈھ تشریف لانے والے ہیں ۔ اُس سے قدرے تسکین ہوئی اور میں نے انسے
کہدیا کہ جب مولانا تشریف لانے کو ہون تو انکی تشریف آوری سے ایک روز قبل مجھے بلا لیا
جاوے ۔ چنانچہ انھون نے اسکو منظور فرما لیا ہے حضور سے بھی معروض ہے کہ جب جناب
علیگڈھ تشریف لاوین تو مجھے اطلاعی والا نامہ سے مشرف فرماوین (جزو دوم نمبر ۱۶۶)

آخر مین کچھ تھوڑی سی اپنی بکواس لکھوانی چاہتا ہوں۔ جسکا نام اعتقاد و ولی ہے۔ اوس اعتقاد سے میں بجز اپنے حضرت کے اور شاہ ولی اللہ صاحب کے خاندان کے اور کسی کا معتقد نہیں ہوں چنانچہ حضرت گنگوہی فرمایا کرتے تھے کہ امیر شاہ اور مولوی عبد الکریم پنجابی یہ دو شخص کسی کے معتقد نہیں اگر کوئی کہتا کہ حضرت اور آپ کے تو آپ کبھی فرماتے کہ ہاں مولوی محمد قاسم کے سُنتے سُنائے میرا معتقد ہے اور کبھی فرماتے کہ ہاں میرا تو سچا معتقد ہے۔ پھر مکہ معظمہ جانے کا اتفاق ہوا وہاں حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں جانے لگا۔ حضرت کے اکثر خدام میرے پیچھے پڑ گئے۔ چنانچہ جب میں جاتا کسی نہ کسی اختلافی مسئلہ میں مجھسے گفتگو چھیڑ دیتے مگر حاجی صاحب کی مجلس میں میں کسیکو کوئی جواب نہ دیتا تھا اور یہ کہدیتا تھا کہ اگر تم کو گفتگو کا شوق ہے تو حاجی صاحب کی مجلس سے الگ مجھ سے گفتگو کرلو۔ پھر دیکھو کس کے ہاتھ بالا رہتا ہے ایک روز حاجی صاحب نے ان لوگوں کو خفا ہوکر منع فرمایا اور فرمایا کہ اس سے گفتگو نہ کیا کرو اور فرمایا کہ یہ اپنے خیالات میں پختہ ہے اور کسیکا معتقد نہیں ہے مولانا گنگوہی وغیرہ سے سنکر میرا بھی معتقد ہے گو میں پہلے بھی ایک مرتبہ حاضر خدمت ہوا مگر صحبت کا اتفاق نہ ہوا تھا اس مرتبہ جو صحبت کا اتفاق ہوا تو میں ان کا دل سے معتقد ہوگیا ایک مضمون میرے خیال میں حدیث کا آیا ہے جسکو مین نے بجز شاہ عبد الرحیم صاحب کے کسی سے نہیں بیان کیا اور اب جناب کی خدمت میں عرض کرتا ہوں۔ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اللھم ادر الحق مع علی حیثما دار۔ پس آپ نے حضرت علی کو حق کا تابع نہیں قرار دیا بلکہ حق کو حضرت علی کا تابع بنایا ہے اسیطرح میرے نزدیک حضرت حاجی صاحب علی وقت تھے اور حق ان کا تابع تھا اور اسلئے مجھے کبھی انکے کسی فعل پر اعتراض نہیں ہوا۔ ناز ان کی ایسی ہی تھی کہ میں نے کسی کی نہ دیکھی۔ صفائی انکے یہان ایسے ہی تھی تصنع کا وہان نام نہ تھا۔ یہ بات تو ختم ہوئی (جزو سوم نمبر ۱۶۷) اب ایک بات اور عرض کرنی چاہتا ہون اگرچہ حبیب احمد مجھے منع کرتا ہے کہ تو مت لکھوا مگر میں لکھواؤں گا اور اسی سے لکھواؤنگا (مولوی حبیب احمد صاحب نے خود اپنے لئے یہ صیغے تجویز اسلئے کئے کہ خطاب انکے قلم سے لکھوایا گیا)

پہلے میں صوفیوں کو وہ درد وہ کہا کرتا تھا اور مولویون کا فی الجملہ معتقد تھا۔ لیکن

۱۶۷

چھتاری میں تجربہ ہوا کہ مولوی بھی وہ درود بلکہ کچھ آگے بڑھے ہوئے ہیں چنانچہ چھتاری میں ایک
عالم مدرس تھے کسی بات پر نواب صاحب نے انکو موقوف کر دیا۔ تھوڑے دنوں کے بعد نواب صاحب
کا انتقال ہوگیا۔ نواب صاحب کے انتقال کے بعد تعزیت کیواسطے پانی پت سے قاری
عبدالرحمن صاحب اور دہلی سے مولوی عبدالرب وغیرہ امروہہ سے مولوی احمد حسن صاحب مرادآباد
سے مولوی محمد حسن صاحب وغیرہ اور دیوبند سے حافظ احمد وغیرہ اور دوسرے مقامات سے
اور اور حضرات جن سے ملاقات تھی تشریف لائے۔ مگر یہ مولوی صاحب نہیں آئے۔ میں نے
انکے ایک دوست سے انکے نہ آنے کی وجہ پوچھی اُس نے کہا کہ مولوی صاحب کے ذمہ عبدالصمد خان
صاحب کے ڈہائی سو روپے قرض تھے۔ اور عبدالصمد خان نے ان کا تقاضا کیا تھا۔ حتیٰ کہ ایک
بہنگی بھی تقاضے کے لئے بھیجا تھا۔ اس وجہ سے نہیں آئے۔ جب مجھے یہ واقعہ معلوم ہوا تو
میں نے اسی روز عشاء کی نماز کے بعد نواب عبدالصمد خان سے کہا کہ میں کچھ عرض کرتا ہے او نہوں نے
کہا۔ کہو۔ میں نے کہا کہ مجھے ڈہائی سو روپیہ کی ضرورت ہے۔ آپ بطور ہدیہ کے مجھے یہ رقم عطا
فرماویں وہ یہ سُنکر متحیر ہوئے اور کہا کہ نہ تو سوال کی آپ کی عادت ہے اور نہ بظاہر آپکو کوئی
ضرورت ہے آخر یہ بات کیا ہے۔ میں نے کہا کہ اسکی ضرورت نہیں میں آپ سے مانگتا ہوں۔ آپ
مجھے دیدیجئے۔ انھوں نے کہا بہت اچھا۔ میں نے کہا تو ابھی اپنے تحویلدار کو بلا کر اس سے کہدیجئے
انھوں نے اسیوقت بلاکر کہدیا کہ تحویل میں سے ڈہائی سو روپیہ خانصاحب کو دیدینا۔ میں نے
کہا کہ یہ روپیہ آپ نے مجھے دیدیئے۔ اونھوں نے کہا کہ ہاں دیدیئے۔ اسیطرح میں نے انسے
تین مرتبہ اقرار لیا۔ اوسکے بعد میں نے ان سے کہا کہ آپ کے ڈہائی سو روپیہ جو فلاں مولوی صاحب
کے ذمہ ہیں ان کو آپ معاف کر دیجئے اور یہ روپیہ جو آپ نے مجھے دیتے ہیں ان کو آپ رہنے
دیجئے اور ان کو انکے بجائے سمجھہ لیجے۔ یہ سُنکر انھوں نے کچھ دیر سکوت کیا اوسکے بعد کہا کہ
اچھا میں نے معاف کئے یہ واقعہ میں نے ان مولوی صاحب کے دوست سے بیان کر دیا۔
اُنھوں نے ان مولوی صاحب سے ذکر کیا تب وہ مولوی صاحب تعزیت کیلئے آئے۔ تقریباً
ڈیڑھ مہینہ کے بعد وہ مولوی صاحب میرٹھ ہو تشریف لائے اور مجھ سے اور حافظ عطاء اللہ سے
کہا کہ مجھے پچاس روپیہ کی ضرورت ہے تم نواب یوسف علیخان صاحب سے مجھے قرض دلادو۔

حافظ عطاء اللہ نے تو انکار کر دیا مگر میں نے اقرار کر لیا۔ حافظ عطاء اللہ نے مجھ سے کہا کبھی کہ تم مولویون کے درمیان میں نہ پڑا کرو۔ حافظ عطاء اللہ کے انتقال کو اٹھارہ برس ہوتے اور سولہ سال نواب یوسف علیخان کے انتقال کو ہوئے اور حافظ عطاء اللہ کے انتقال سے ایک برس پہلے کا یہ قصہ ہے لیکن مولوی صاحب نے اتبک اوس قرض کے ادا کا نام تک نہیں لیا۔ گو میں نے نواب صاحب کے انتقال کے وقت ان سے یہ قرض بھی معاف کرا دیا تھا۔ مگر اس کا تذکرہ میں نے مولوی صاحب سے اتبک نہیں کیا یہ قصہ بھی ختم ہوا۔ ایک اور قصہ سُناتا ہون۔

نواب یوسف علی خان صاحب اپنے والدین کے ایصال ثواب کے لئے بہت خرچ کرتے تھے ایک مرتبہ اُنھون نے مجھ سے دریافت کیا کہ کوئی ایسا مصرف بتلاؤ جس میں خرچ کرنے سے ان کو ثواب بھی ہو اور انکی روح بھی مجھ سے خوش ہو میں نے کہا کہ آپ اپنے والدین کے محبوبون اور دوستون پر صرف کیا کرین اونھون نے دریافت کیا کہ میرے والد کے دوستون کا حال آپ کو بخوبی معلوم ہوگا آپ مجھے بتلائیے۔ میں نے کہا کہ فلاں مولوی صاحب سے آپکے والد کی بہت دوستی تھی۔ یہ سنکر وہ بہت خوش ہوئے اور کہا کہ آپ نے بہت ٹھیک فرمایا اوسکے بعد اونھون نے پچاس روپیہ اونکے پاس بھجوا دیے۔ تین مہینہ کے بعد اونکا بیٹا آیا۔ نواب صاحب نے پچیس ۲۵ روپیہ اوسے دیدیے۔ اوسکے تین مہینے کے بعد مولوی صاحب خود تشریف لے آتے مولوی صاحب کا اور اُنکے بیٹے کا سائلانہ نواب صاحب کے در پر آنا مجھے ناگوار ہوا۔ اور اسلئے میں نے ان سے کسیقدر بیرخی برتی۔ مگر نواب صاحب نے ان کو اپنے پاس بلاکر پچیس ۲۵ روپیہ دیے۔ اور کہا کہ بعض وجوہ سے اسوقت میرا ہاتھ تنگ ہے اور میں زیادہ خدمت کرنے سے معذور ہوں۔ انشاء اللہ ایک ماہ کے اندر ہی میں پچیس روپیہ آپکی خدمت میں اور بھیجون گا۔ اور اگر مجھے یاد نہ رہے تو امیر شاہ خان یاد دلا دینگے۔ اسکے بعد وہ مولوی صاحب چلے گئے انکے جانے کے بعد نہ تو نواب صاحب کو خیال رہا اور نہ مجھے اور اسلئے رقم موعود ان تک نہ پہونچ سکی اسپر ان مولوی صاحب نے مجھے خط لکھا اور اس میں لکھا کہ جب میں میٹھ آیا تھا تو آپ مجھ سے بیرخی سے پیش آئے تھے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو میرا آنا ناگوار ہوا تھا اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس رقم کا نواب صاحب نے وعدہ کیا تھا وہ آپ وصول کر کے خود کھا گئے سوا گر یہی واقعہ ہے

تو آپ مجھے صاف لکھدیجے میں معاف کر دونگا، اور اگر یہ واقعہ نہیں ہے تو آپ نواب صاحب
سے رقم موعودہ بھجوا دیجئے۔ میں نے نواب صاحب سے اس خط کا کچھ تذکرہ نہیں کیا اور پچیس روپیہ
ان کو بھجوا دیئے۔ چھ سات مہینے کے بعد ان کا بھی انتقال ہو گیا اور انکے لڑکے کا بھی یہ قصہ بھی ختم ہوا
اس قسم کے واقعات سے مجھے جو صوفیوں کی بہ نسبت مولویوں کے ساتھ کسیقدر حسن ظن تھا
اس میں خلل آگیا اور میں نے سمجھ لیا کہ اب مولوی بھی وہ درد ہو گئے۔ ان واقعات سے طبع والا
کو بھی تکدر ہوا ہوگا۔ اسلئے اب مین اسکی تلافی کے لئے ایک قصہ مولوی محمد یعقوب صاحب کا لکھواتا ہوں
(جزو چہارم نمبر ۱۶۸) مولوی محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب مراد آباد تشریف لاتے
تو میں اور حافظ عطاء اللہ چھپاری سے انکی خدمت میں حاضر ہوتے۔ نواب محمود علی خان کی بہت آرزو
تھی کہ ایک مرتبہ مولوی محمد یعقوب چھپاری تشریف لاوین اور وہ ہم لوگون سے کہا کرتے تھے کہ
کسیطرح مولانا کو یہاں لاؤ۔ ایک مرتبہ مین نے عرض کیا کہ حضرت نواب صاحب کی بیحد خواہش ہے
کہ آپ ایک مرتبہ چھپاری تشریف لاوین مولانا نے فرمایا کہ ہم نے سُنا ہے کہ جو مولوی نواب صاحب
کے یہاں جاتا ہے نواب صاحب اسکو سو روپیہ دیتے ہین ہمین وہ خود بلاتے ہیں اسلئے شاید دوسو
دیدیں۔ سو دوسو روپے ہمارے کے دن کے۔ ہم وہاں جاکر مولویت نام کو دھبہ نہ لگاوینگے۔
(جزو پنجم نمبر ۱۶۹) چنانچہ مولوی محمد قاسم صاحب سے ملاقات کے بھی وہ بیحد متمنی تھے مگر مولانا
بھی ان سے کبھی نہین ملے چنانچہ دو مرتبہ وہ مولانا سے میرٹھ ملنے آئے اور دو مرتبہ علی گڈھ مگر جب
مولانا کو انکے آنے کا علم ہوتا مولانا شہر چھوڑکر کسی طرف چلدیتے تھے۔ ہاں نواب صاحب سے
دو باتیں کہدینا۔ ایک یہ کہ نواب صاحب غازی آباد کے اسٹیشن پر مسجد بنوا دین اور دوسری ایک
عجیب بات تھی اگر وہ ایسا کرینگے تو میں انکی پالکی کا پایہ پکڑ کر چلونگا۔ دوسری بات کو سُنکر تو
نواب صاحب ہنسنے لگے اور پہلی بات کی نسبت فرمایا کہ میں کوشش کر چکا ہوں مگر منظوری نہیں
ہوئی۔ (جزو ششم نمبر ۱۷۰) ایک بات جو اسوقت نہایت اہم ہے وہ یہ ہے کہ چودہری صاحب کے
گھر میں بائیں چھاتی میں کوئی سمی مادہ آگیا ہے اور یہ حالت بہت عرصہ سے ہے ہرچند علاج کیا جاتا
ہے مگر مرض روبہ ترقی ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ مرض دوا کی حد سے نکل کر دعا کی حد میں آگیا
ہے۔ جناب اپنے خاص اوقات میں اونکی شفا کے لئے دُعا فرماوین۔ حق برآرد آرزو ئے متقین و السلام

۱۷۰

مولوی عبدالمجید کو اور مولوی ظفر کو سلام۔ آخر میں عرض ہے کہ جب جناب علیگڈھ تشریف لاوین تو اگر ممکن ہو تو مولوی عبدالمجید کو اور مولوی ظفر کو اپنے ہمراہ لیتے آوین تاکہ مین ان سے بھی مل لوں۔

(جزو ہفتم نمبر ۱۷۱) آخر میں ایک قصہ مولوی محمود حسن صاحب کا لکھتا ہون۔ جب نواب محمود علیخان کا انتقال ہوا تو حضرات دیوبند کا ارادہ ہوا کہ وہ نواب صاحب کی تعزیت کے لئے چھتاری آئیں۔ اور انھون نے مولوی محمود حسن صاحب پر بھی زور دیا کہ تم بھی چلو۔ مولوی محمود حسن نے مجھے خفیہ جوابی خط لکھا اور لکھا کہ تم اپنی اصلی رائے لکھو کہ میں آؤں یا نہ آؤں۔ اور لکھا کہ اسکا جواب دہلی فلاں شخص کے نام بھیجنا اور جواب مجمل لکھنا میں نے لکھدیا کہ نہ آیئے اسپر مولوی صاحب نے دستوں کی گولیاں کھالیں اور اصرار کرنے والون سے بیماری کا عذر کر دیا۔

ضمیمہ ختم ہوا

حل مواقع ضروریہ مکتوب بالا

۱۷۱

تعلیق جزو اوّل

احباب و اخوان فی الدین کی ملاقات کے لئے سفر جبکہ کسی ضروری جزو دین میں خلل نہ ہو آداب اخوۃ و محبّت سے ہے۔

تعلیق جزو دوم

قولہ حق ان کا تابع تھا **اقول** یہ معنے نہیں کہ حق بدل جاتا تھا۔ معنے یہ ہیں کہ واقعہ کی صورت ایسی ہوجاتی ہو کہ اسکا حکم شرعی وہی ہوتا تھا جو آپ کی رائے ہوتی تھی۔

تعلیق جزو سوم

گو اس میں دو قصے ہیں مگر چونکہ ایک ہی باب کے ہیں اسلئے ان کو ایک ہی جزو قرار دیا۔

...ہوتے تو مجد انجیا کرتے میں فرحت مگر رہتی اب رنج مگر روپیے سے کیا فائدہ۔

تعلیق جزو چہارم

...اگا و بگے اقول احقر کو معلوم ہے کہ حضرت کو اکثر تنگی رہتی تھی پھر یہ زہد کمال ...

تعلیق جزو پنجم

قولہ پالکی کا پایہ اقول ان حضرات کا التفات واعراض سب اللہ ہی کیواسطے ہے۔

تعلیق جزو ششم

قولہ دعا کی حد میں اقول یعنی دعائے محض کی حد میں پس اس سے یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ دوا کی حالت میں موعا کی نفی لازم آتی ہے۔

تعلیق جزو ہفتم

قولہ میں نے لکھدیا کہ نہ آیئے اقول یہ ہے تقدیم مصلحت دینیہ کی دنیویہ پر قولہ گولینا کہاں اقول کیسی لطیف تدبیر فرمائی کہ مقصود بھی حاصل کیا کسر قلب بھی نہیں دعوی زہد بھی نہیں ہر ہوسنا کے نداند جام وسندان باختن + وھھنا تم جمیع ما یتعلق باصلح الروایات والحمد للہ مفیض الھدایات۔ فقط۔